الكوثر في تفسير القرآن

١

الکوثر فی تفسیر القرآن

جلد دہم

سورۃ النبا ۷۸ تا سورۃ الناس ۱۱۴

محسن علی نجفی

مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور

تفسیر القرآن

نبأ ۷۸۔ نازعات ۷۹۔ عبس ۸۰۔ تکویر ۸۱۔ انفطار ۸۲۔
مطففین ۸۳۔ انشقاق ۸۴۔ بروج ۸۵۔ طارق ۸۶۔ اعلیٰ ۸۷۔
غاشیة ۸۸۔ فجر ۸۹۔ بلد ۹۰۔ شمس ۹۱۔ لیل ۹۲۔ ضحی ۹۳۔
نشرح ۹۴۔ تین ۹۵۔ علق ۹۶۔ قدر ۹۷۔ بینة ۹۸۔ زلزلة ۹۹۔
عادیات ۱۰۰۔ قارعة ۱۰۱۔ تکاثر ۱۰۲۔ عصر ۱۰۳۔ همزه ۱۰۴۔
فیل ۱۰۵۔ قریش ۱۰۶۔ ماعون ۱۰۷۔ کوثر ۱۰۸۔ کافرون ۱۰۹۔
نصر ۱۱۰۔ مسد ۱۱۱۔ اخلاص ۱۱۲۔ فلق ۱۱۳۔ ناس ۱۱۴۔

نام کتاب: الکوثر فی تفسیر القرآن (جلد دہم)
مفسر: محسن علی نجفی
کمپوزنگ و فارمٹنگ: خادم حسین
انتظامی امور: علی حیدری
تعداد: ایک ہزار
باراول: محرم الحرام ۱۴۳۶ھ/نومبر ۲۰۱۴ء
باردوم: ربیع الاول ۱۴۳۷ھ/جنوری ۲۰۱۶ء
مطبع: عاشق شاہ زیب پریس۔ لاہور
پیشکش: جامعة الکوثر۔ اسلام آباد
ناشر: مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور
فون: 0321 448 1214
ای میل: info@misbahulqurantrust.com
ویب: www.misbahulaqurantrust.com

اس کتاب میں نقل شدہ اکثر روایات کے متن اور حوالوں کی اصلاح و تطبیق، کتب احادیث پر مبنی سافٹ ویئر "جامع الاحادیث" تیار کردہ کمپیوٹر ریسرچ سینٹر آف اسلامک سائنسز اور المحدث سے کی گئی ہے۔

نہج البلاغة کے اکثر اقتباسات کا ترجمہ نہج البلاغة ترجمہ مفتی جعفر حسینؒ مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور سے نقل کیا گیا ہے۔

تشریح کلمات مفردات القرآن راغب اصفہانی، ترجمہ مولانا محمد عبدہ فیروز پوری سے ماخوذ ہے۔

ملنے کا پتہ: محمد علی بک ایجنسی۔ کراچی کمپنی۔ اسلام آباد
معراج کمپنی۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! مصباح القرآن ٹرسٹ عہد حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر و تالیفات کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے امت مسلمہ کے لیے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ ادارہ ہذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ حضرات کی تائید و اعانت کا ثمرہ ہے۔

خالقِ کائنات نے ''انسان'' کو روح و بدن سے مرکب، عقلِ سلیم اور قوتِ گویائی کی نعمات سے مالا مال فرما کر موجوداتِ عالم میں منفرد و ممتاز مقام عطا فرمایا ہے۔ جس طرح بدن کو اپنے ہی اعضا کی تقویت وارتقا کے لیے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح روح کی بلندی اور تازگی کے لیے زہد و تقویٰ سے ملبوس ہو کر علمی تفکر کے میدان میں اترنا پڑتا ہے۔ روحانی تسکین اور معرفت کی بلندیوں سے فیض یاب ہونے کے لیے آیاتِ قرآن پر غور و فکر کرنا، اس کے رموز و حقائق کو سمجھنا اور فرمودات الٰہی پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی گزارنا آخرت کی کامیابی کا باعث ہے۔

بلاشبہ قرآنِ مجید دین اسلام کا حقیقی آئین و دستور ہے۔ دنیا کے ہر طبقہ اور ہر نسل کو اپنی استعداد کے مطابق اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول روایت میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا: کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کو جس قدر بیان اور نشر کیا جاتا ہے اسی قدر اس میں مزید تازگی آ جاتی ہے؟ جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نہ ایک زمانے کے ساتھ مخصوص فرمایا، نہ کچھ لوگوں کے ساتھ بلکہ یہ ہر دور میں جدت اور ہر قوم کے لیے قیامت تک تازگی رکھتا ہے۔''

کامیاب زندگی گزارنے کے لیے دنیا کے ہر شخص کے لیے قرآنی آیات کے مفہوم اور تفاسیر کا سمجھنا ضروری ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر علمائے اسلام نے عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر کئی زبانوں میں قرآن مجید کی بہت سی تفاسیر اور تراجم مرتب فرمائے ہیں۔ اس سلسلے میں برصغیر پاک و ہند کے اہل تشیع و اہل

سنت علماء نے بھی اردو زبان میں قرآن کریم کے متعدد تراجم و تفاسیر پیش کیے ہیں۔ پاکستان میں اردو زبان میں طبع شدہ اکثر تراجم و تفاسیر لکھنؤ (انڈیا) کے مترجمین و مفسرین کی محنت کا نتیجہ ہیں۔لکھنؤ کی اُردو پاکستان کی موجودہ اردو سے ذرا مختلف ہے۔

دنیا کا ہر شخص دوسری زبانوں کے علاوہ اپنی قومی زبان بلکہ اپنے خطے کی زبان سے زیادہ مانوس ہوتا ہے لہٰذا خطے کی موجودہ اردو زبان کے پیش نظر اور قرآنی تصریحات کے بارے میں نئی نسل کی طرف سے اٹھنے والے سوالات کے جوابات اور جدید معاندانہ تحریروں اور الزام تراشیوں کے مقابلے میں مکتب اہل بیت علیہم السلام کا موقف بیان کرنے کے لیے ۱۰ جلدوں پر مشتمل زیرِ نظر تفسیر قرآن "الکوثر فی تفسیر القرآن" کی جلد دہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ یہ تفسیری مجموعہ حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ محسن علی نجفی مدظلہ العالی کی غیر معمولی مساعی اور شبانہ روز محنت کا ثمر ہے۔ خداوندعالم اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور انہیں طاقت وصحت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

اراکین مصباح القرآن ٹرسٹ قبلہ موصوف کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ادارہ ہذا کو یہ تفسیری مجموعہ پرنٹ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مزید برآں آپ ہماری کتب مصباح القرآن ٹرسٹ کی ویب سائٹ:

www.misbahulqurantrust.com

کے ذریعے گھر بیٹھے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق مصباح القرآن ٹرسٹ کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔ اس گوہر نایاب سے بھرپور علمی و عملی استفادہ فرمائیں گے اور ادارے کو اپنی قیمتی تجاویز و آراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔

والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاھور۔

پاکستان

سُورَةُ النَّبَإِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ المبارکۃ کا نام النباء، دوسری آیت میں واقع عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ سے ماخوذ ہے۔ اس سورہ کو سورۃ عمّ بھی کہتے ہیں۔

آیات کی تعداد مکی و بصری قرائت کے مطابق ۴۱ اور کوفی قرائت کے مطابق چالیس ہے۔ پہلے بھی کئی بار ذکر ہوا ہے کہ کوفی قرائت معتبر ترین قرائت ہے چونکہ یہ قرائت عاصم کے ذریعے حضرت علی سے منقول ہے۔

اس سورہ مبارکہ کا مضمون اثبات قیامت پر مشتمل ہے اور اس پر موجودہ نظام کائنات اور وسائل حیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ استدلال قرآن میں جا بجا اختیار کیا گیا ہے:

اَفَعَیِیۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ۔۔۔ (۵۰ ق:۱۵)

قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ۔۔۔ (۳۶ یٰس:۷۹)

وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ النَّشۡاَۃَ الۡاُوۡلٰی ۔۔۔ (۵۶ واقعۃ:۶۲)

الجزء بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — بنام خدائے رحمٰن رحیم

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ ۞ — ۱۔ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں باہم سوال کر رہے ہیں؟

تفسیر آیات

۱۔ عَمَّ: اصل میں عَنۡ مَا ہے۔ عَنۡ حرف جر اور مَا اسم استفہام ہے اور جب مَا استفہامیہ پر حرف جر داخل ہوتا ہے تو ما سے الف حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ مَا موصولہ اور مَا استفہامیہ میں فرق واضح ہو جائے۔ جیسے: فِیۡمَ اَنۡتَ مِنۡ ذِکۡرٰىہَا ۔[1] فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ ۔[2] وغیرہ۔ پھر جب الف حذف ہوگیا تو اس مَ کو

عَنۡ کے ساتھ ملا دیا۔ پھر عَنۡ کا نون ساکن میم کے ساتھ ملادیا جائے تو ادغام ہوتا ہے۔ اس طرح عن ما سے عَمَّ ہوگیا۔ یعنی کس چیز کے بارے میں۔

۲۔ یَتَسَآءَلُوۡنَ: باہم سوال کر رہے ہیں۔ مشرکین باہم سوال کر رہے تھے ایک تازہ رونما ہونے والی اہم اور قابل توجہ بات کے بارے میں۔

اہم واقعہ یہ رونما ہوا کہ مکہ ہی کے قبائل میں سے ایک قبیلے بنی ہاشم کے خاندان کے ایک فرد نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ اول یہ خود ایک چونکا دینے والا واقعہ تھا، پھر اپنی نبوت کے اعلان کے ساتھ جو پیغام پیش کیا وہ مکہ کے مشرک معاشرے کے لیے مزید چونکا دینے والا تھا۔ وہ پیغام دو اہم ترین باتوں پر مشتمل تھا: ایک یہ کہ معبود صرف ایک اللہ ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد انسانوں کو ایک اور زندگی کے لیے اٹھایا جائے گا جہاں ثواب و عذاب کا فیصلہ ہوگا اور جنت و جہنم کا مسئلہ درپیش ہوگا۔

ان باتوں میں سے کس بات پر یہ لوگ باہم سوال کررہے ہیں؟ آیات کا سیاق بتلاتا ہے کہ وہ قیامت کے بارے میں سوال اٹھا رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اگرچہ ان کے معبودوں کو مسترد کر کے ایک ہی معبود کی عبادت کی دعوت اور خود رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت دونوں انہیں گراں گزرتی تھیں تاہم قیامت کا مسئلہ وہ ایک تو زیادہ نامعقول سمجھتے تھے اور دوسرے قیامت کا تصور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے خلاف استعمال کرتے تھے کہ یہ شخص کیسی نامعقول، محال اور لایعنی بات کرتا ہے:

ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ؀ [۳] | کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو چکے ہوں گے؟

مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ ہِیَ رَمِیۡمٌ ؀ [۴] | ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟

لہٰذا اصل بات جو قبائل مکہ پر گراں گزر رہی تھی وہ فرزند عبد اللہ ﷺ کا اعلان نبوت تھی کہ اتنا بڑا اور عظیم منصب عبد اللہ کے یتیم کو کیسے مل سکتا ہے۔ اس کے پیچھے ان کی باہمی قبائلی رقابت کارفرما تھی۔ وہ کہتے تھے:

ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡہِ الذِّکۡرُ مِنۡۢ بَیۡنِنَا ...[۵] | کیا ہمارے درمیان اسی پر یہ ذکر نازل کیا گیا؟

بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ...[۶] | بلکہ انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ خود انہی میں سے ایک تنبیہ کرنے والا ان کے پاس آیا۔

وَ قَالُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ ؀ [۷] | اور کہتے ہیں: یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟

۱۔ ۷۹ نازعات: ۴۳ ۲۔ ۱۵ حجر: ۵۴ ۳۔ ۷۹ نازعات: ۱۱ ۴۔ ۳۶ یسٓ: ۷۸ ۵۔ ۳۸ صٓ: ۸
۶۔ ۵۰ ق: ۲ ۷۔ ۴۳ زخرف: ۳۱

ایک منصف انسان کو اس وقت تعجب کی انتہا نہیں رہتی جب یہی خاندانی و قبائلی رقابت اور تعصب ان لوگوں میں اسلام قبول کرنے کے بعد بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ کہنے والے نے کہا:

ان قومکم کرھوا ان تحتمع لکم	تمہاری قوم نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ نبوت
النبوۃ والخلافۃ فتذھبون فی السماء	اور خلافت تمہارے لیے جمع ہو جائیں اگر ایسا ہوا تو
بذخاو شمخاً...[1]	تم فخر و سربلندی سے آسمان تک چلے جاؤ گے۔

جب عبد اللّٰہ بن زبیر کی مکہ میں حکومت قائم ہوئی اس نے جمعہ کے خطبوں میں رسول اللّٰہ ﷺ پر درود بھیجنے سے یہ کہہ کر منع کیا کہ اس سے بنی ہاشم کی ناک اونچی ہو جاتی ہے۔

عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ ۲۔ کیا اس عظیم خبر کے بارے میں؟

تفسیر آیات

بعض کے نزدیک ترتیب کلام اس طرح ہے: عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ؟ یَتَسَآءَلُوۡنَ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ۔

راغب کہتے ہیں: نباء صرف اس خبر کو کہا جاتا ہے جس میں کذب کا احتمال نہ ہو۔ جیسے خبر متواتر، وحی الٰہی اور خبر نبوی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ لوگ ایک ایسی خبر کے بارے میں باہم سوال کر رہے ہیں جو عظیم ہے اور ساتھ ناقابل تردید بھی ہے۔

الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ ۳۔ جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں؟

تفسیر آیات

اگر ہُمۡ سے مراد مشرکین ہیں تو ان میں معاد کے بارے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اتفاق ہے کہ معاد نہیں ہے۔ لہٰذا اختلاف سے مراد آراء و نظریات کا رد و بدل ہے کہ مشرکین معاد کے ناممکن ہونے پر مختلف باتیں کرتے ہیں۔ اگر ہُمۡ سے مراد سب لوگ ہیں تو اختلاف سے مراد نفی و اثبات ہے۔ مشرکین نفی کرتے ہیں اور مسلمان اثبات کرتے ہیں لیکن بعد کی آیات کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ قرینہ بن سکتی ہیں کہ ہُمۡ سے مراد مشرکین ہیں۔

نبوت اور ولایت: جس طرح منکروں پر رسول ﷺ کی طرف سے ہر خبر گراں گزرتی تھی یہی حالت کچھ ایسے لوگوں کی بھی تھی جن پر عند اللّٰہ و عند الرسول حضرت علی علیہ السلام کے مقام و منزلت کی ہر حدیث گراں گزرتی تھی۔

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ۱: ۱۸۹

چنانچہ امامیہ مصادر میں تقریباً تواتر سے ثابت ہے کہ نباء عظیم کا ایک مصداق حضرت علی علیہ السلام کی ولایت ہے۔ چنانچہ شعراء نے بھی اپنے اشعار میں اسے ایک مسلّمہ امر کے طور پر ذکر کیا ہے:

هو النبأ العظيم وفلك نوح
وباب الله وانقطع الخطاب

وہ (علی علیہ السلام) نبأ عظیم اور نوح کی کشتی ہیں اور اللہ تک پہنچنے کا دروازہ ہے۔

قصہ مختصر عمرو بن عاص نے معاویہ سے خطاب کر کے اپنے معروف اشعار میں جو" اشعار جلجلہ" کے نام سے مشہور ہیں کہا:

نصرناك من جهلنا يا ابن هند على النبأ الاعظم الافضل

اے ہندہ کے بیٹے! ہم نے اپنی نادانی کی وجہ سے نبأ عظیم اور افضل کے خلاف تمہاری مدد کی۔

غیر شیعہ مصادر میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ ابو بکر بن مؤمن شیرازی نے اپنی کتاب الاعتقادات میں سدی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نباء عظیم کے بارے میں فرمایا:

ولاية علي يتساء لون عنها في قبورهم۔[۱] یہ ولایت علی کے بارے میں ہے ان سے قبروں میں اس ولایت کے بارے میں سوال ہوگا۔

واضح رہے قرآن اگر کسی موضوع کے بارے میں نازل ہوتا ہے اور لفظ اور تعبیر میں عموم یا اطلاق ہو تو اس صورت میں قرآن صرف اس موضوع تک محدود نہیں رہتا جس کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ ایسا ہو تو قرآن محدود ہو جائے گا بلکہ اپنے مصادیق پر قیامت تک صادق آتا رہتا ہے۔ اسے علم تفسیر میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ اعتبار لفظ کے عموم کا کیا جاتا ہے، نہ سبب نزول کے خصوص کا۔

لہٰذا اگر کسی روایت میں ایک مصداق کا ذکر آتا ہے تو یہ فہم قرآن کے اس مسلمہ اصول کے عین مطابق ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپ علیہ السلام نے قرآن کے بارے میں فرمایا:

انه يجري كما يجري الليل و النهار۔[۲] قرآن شب و روز کی طرح (اپنے مصادیق پر) جاری رہتا ہے۔

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۴ ۴۔ (جیسے مشرکین سوچتے ہیں ایسا) ہرگز نہیں! عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

---

۱ شواهد التنزيل ۲: ۴۱۸۔ حواشی احقاق الحق ۳: ۴۸۵۔ ۲ تفسیر عیاشی ۲: ۲۰۳

ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۝ ۵۔ پھر (کہتا ہوں ایسا) ہرگز نہیں! عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا (کہ قیامت برحق ہے)۔

تفسیر آیات

۱۔ کَلَّا: جیسے مشرکین سوچتے ہیں ایسا ہرگز نہیں کہ قیامت کا وقوع ہونا ناممکن ہے یا قیامت آنے والی نہیں ہے۔

۲۔ سَیَعۡلَمُوۡنَ: عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کی قیامت برحق ہے۔ قیامت کے بارے علم و یقین موت کے مرحلے میں داخل ہوتے وقت ہو جائے گا یا قیامت کے قائم ہونے پر انہیں علم ہو جائے گا۔ رسولوں نے سچ فرمایا تھا:

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ۝ لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۝ [1] جب ہونے والا واقعہ ہو چکے گا، تو اس کے وقوع کو کہ جھٹلانے والا کوئی نہ ہوگا۔

۳۔ ثُمَّ کَلَّا: دوبارہ تاکید ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ قیامت نہ ہو۔

۴۔ سَیَعۡلَمُوۡنَ: عنقریب انہیں علم ہو جائے گا کہ قیامت برحق ہے۔ یہ جملہ بھی بظاہر تاکید کے لیے تکرار فرمایا گیا ہے کہ قیامت برحق ہونے کا علم تمہیں عند الموت ہو جائے گا۔ ایک احتمال یہ بھی دیا گیا ہے کہ ممکن ہے اس سَیَعۡلَمُوۡنَ کا تعلق موت سے پہلے دنیا میں علمی اور سائنسی پیشرفت کے ذریعے ہونے والے علم سے ہو۔

آیت کا اشارہ اس بات کی طرف ہو یا نہ ہو یہ بات اپنی جگہ قابل توجہ ہے کہ انسان کو علم ہونا شروع ہوگیا ہے کہ حیات مشکل اور سخت ترین حالات میں بھی موجود رہتی ہے۔ آج انسان کو حیات ایسے وائرس میں بھی موجود مل رہی ہے جو الیکٹرونک مائیکروسکوپ، جو چیزوں کو سات بلین گنا بڑا کر کے دکھا سکتی ہے، کے ذریعے بھی قابل دید نہیں ہے۔ ہم نے اس سلسلے کے ایک اہم انکشاف کا ذکر سورۃ ق آیت چار میں وَ عِنۡدَنَا کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِہٰدًا ۝ۙ۶ ۶۔ کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا؟

اس آیت کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ طٰہٰ آیت ۵۳ و سورہ زخرف آیت ۱۰۔

وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۝ۙ۷ ۷۔ اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟

---

[1] ۵۶ واقعہ: ۱۔۲

تفسیر آیات

ارضیاتی ماہرین کے مطابق زمین کی پچاس کلومیٹر کی گہرائی میں درجۂ حرارت ۱۵۰۰ سینٹی گریڈ تک ہے جہاں پتھر پگھل جاتے ہیں مگر اوپر کے دباؤ کی وجہ سے سیال نہیں ہوتے۔ تین ہزار کلومیٹر کی گہرائی سے زمین کا آہنی مرکزی حصہ شروع ہوتا ہے۔ اس آہنی مرکز کے اوپر زمین کا ٹائٹل جامد صورت میں ہے۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو حرکت زمین کی وجہ سے اس کا بیرونی ٹائٹل آہنی مرکز کے اوپر ڈول جاتا:

وَ اَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ ....[1] اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو گاڑ دیا تاکہ زمین تمہیں لے کر ڈگمگا نہ جائے....

یہ پہاڑ ہیں جو اوپر سے سربفلک ہونے کے ساتھ اس سے کئی گنا زیادہ زیر زمین جڑیں گاڑے ہوئے ہیں اور بیرونی ٹائٹل کو مرکز کے ساتھ بالکل اَوۡتَادًا میخوں کی طرح جوڑ رکھا ہے۔

وَّ خَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ﴿۸﴾ ۸۔ اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔

تفسیر آیات

ہم نے تمہیں جوڑوں میں پیدا کر کے تخلیقی عمل کا تسلسل قائم رکھا اور آخرت بھی تسلسل تخلیق سے عبارت ہے۔ اگر انسان نر و مادہ میں نہ ہوتے تو روئے زمین پر نسل انسانی کا تسلسل قائم نہ رہتا۔ یہ تسلسل منقطع نہ ہوگا۔ اس عالم کے بعد عالم آخرت میں بھی تخلیق کا سلسلہ جاری رہے گا خواہ نوعیت بدل جائے۔

وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾ ۹۔ اور ہم نے تمہاری نیند کو (باعث) سکون بنایا۔

تشریح کلمات

سُبَاتًا: (س ب ت) السبت کے معنی قطع کے ہیں۔ یعنی حرکت عمل کو چھوڑ کر آرام کرنا۔

تفسیر آیات

۱۔ رات کی نیند کو اللہ تعالیٰ نے لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ آرام اور ضائع شدہ انرجی کی بحالی کے لیے قرار دیا ہے۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ روم آیت ۲۳۔

سبات معطل کرنے کو کہتے ہیں۔ نیند کی حالت میں انسان کی تمام قوتیں معطل اور جامد ہوتی

---

[1] ۱۶ نحل: ۱۵

ہیں۔ دن کی سرگرمیوں کی وجہ سے صرف شدہ انرجی کو دوبارہ چارج کرنے کے لیے قدرت کی طرف سے نیند عظیم معجزہ ہے۔ دن میں منتشر شدہ انرجی کی بحالی اور واپسی جس ذات کے لیے ممکن ہے، وہ بدن کے منتشر اجزاء کے اعادہ پر بھی قدرت رکھتی ہے۔

وَّ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا ﴿ۙ۱۰﴾ ۱۰۔ اور رات کو ہم نے پردہ قرار دیا۔

وَّ جَعَلۡنَا النَّہَارَ مَعَاشًا ﴿۪۱۱﴾ ۱۱۔ اور دن کو ہم نے معاش (کا ذریعہ) بنایا۔

تفسیر آیات

۱۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے لباس اور پردہ قرار دیا چونکہ رات کی تاریکی چھانے پر ہر نظر آنے والی چیز پس پردہ چلی جاتی ہے جس طرح جسم پر لباس لینے کی صورت میں ہوتا ہے اور لباس سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ رات کو بھی لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ سکون کے لیے بنایا ہے۔ لباس سے انسان کا جسم محفوظ رہتا ہے۔ رات کی تاریکی کی وجہ سے بہت سی باتیں گھر میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہتی ہیں۔ حالت امن خراب ہونے کی صورت میں نسبتاً امن رہتا ہے۔

۲۔ دن کو ذریعہ حیات و زندگی بنایا۔ دن میں روشنی عنایت فرمائی تاکہ سامان زیست کا حصول آسان ہو۔ کسب وکار، حرکت وانتقال ممکن ہو۔ جس ذات نے تمہاری زندگی کی تدبیر کے لیے یہ نظام بنایا ہے، کیا وہ اعادۂ حیات پر قادر نہ ہوگی؟

وَّ بَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ﴿ۙ۱۲﴾ ۱۲۔ اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط (آسمان) بنائے۔

تفسیر آیات

سَبۡعًا شِدَادًا: ''سات مضبوط'' سے مراد بظاہر سبع سماوات سات آسمان ہو سکتے ہیں۔ سات آسمانوں کے علاوہ کوئی اور سات مضبوط کہکشائیں مراد لینا یا سات طبقات تلاش کرنے کی زحمت کرنا بظاہر قرین واقع معلوم نہیں ہوتا۔

وَّ جَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّہَّاجًا ﴿۪ۙ۱۳﴾ ۱۳۔ اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا۔

تشریح کلمات

وَّہَّاجًا: (و ہ ج) الوھیج کے معنی گرمی کی حرارت یا روشنی کے ہیں۔

تفسیر آیات

سورج کی دو حیات بخش فیاضیوں کا ذکر ہے: ایک روشنی سِرَاجًا دوسری حرارت وَّهَّاجًا۔ اگر سورج کی طرف ان دو نعمتوں کی فیاضی نہ ہوتی تو زمین پر زندگی ممکن نہ ہوتی۔

وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔اور بادلوں سے ہم نے موسلادھار پانی برسایا۔

تشریح کلمات

الۡمُعۡصِرٰتِ: (ع ص ر) بارش دینے والے بادل کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ ہوا ہے جو بادلوں پر دباؤ ڈالتی ہے۔ العصر نچوڑنے، المعصر نچوڑنے والے کو کہتے ہیں۔

ثَجَّاجًا: (ث ج ج) پانی کا زور سے بہنا۔

تفسیر آیات

دراصل سورج کی حرارت کے نتیجے میں سمندر کا پانی بخارات میں تبدیل ہو جاتا ہے اور بادل وجود میں آتے ہیں۔ بادل اگر خفیف ہیں تو بارش نہیں دیتے بلکہ جب گھنے ہو جائیں تو ایک دوسرے پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ اس دباؤ کے نتیجے میں بخارات دوبارہ پانی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یعنی بادل جب تک الۡمُعۡصِرٰتِ دباؤ کے مرحلے میں نہ آئیں بارش نہیں دیتے۔

لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿۱۵﴾

۱۵۔ تاکہ ہم اس سے غلہ اور سبزیاں اگائیں۔

وَّ جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور گھنے باغات اگائیں۔

تشریح کلمات

اَلۡفَافًا: (ل ف ف) لففت الشیء لفا کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے ملا دینے اور مدغم کر دینے کے ہیں۔

تفسیر آیات

غلات اور نباتات کے اگنے میں پانی کے کردار کا ذکر ہے لیکن یہاں بادلوں کے کردار کا ذکر بھی مقصود ہے چونکہ یہ نہیں فرمایا: ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا بلکہ الۡمُعۡصِرٰتِ کا ذکر قابل توجہ ہے کہ یہ

بادل ان زرخیز زمینوں کو پانی منتقل کرتے ہیں جہاں غلات اور نبات اُگ سکتے ہیں۔

اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا ۙ﴿۱۷﴾ ۱۷۔ یقیناً فیصلے کا دن مقرر ہے۔

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ کے نظام خلقت میں کوئی خامی موجود نہیں ہے۔ اس کامل نظام کو خلق کرنے کے بعد اگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے تو یہ ایک خلل اور عبث ہے۔

اَوَلَيۡسَ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰى ٭ وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ○ [1] جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، آیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کرے؟ کیوں نہیں! وہ تو بڑا خالق، دانا ہے۔

پس سابقہ آیات میں اپنی خلاقیت کے آفاق دکھانے کے بعد اللہ نے فرمایا: قیامت کا دن جو مؤمن اور کافر کو جدا کر کے اپنی اپنی سرنوشت کی طرف بھیجنے کا مقرر دن ہے، اس نے ہر صورت میں آنا ہے۔

يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ اس دن صور میں پھونک ماری جائے گی تو تم لوگ گروہ در گروہ نکل آؤ گے۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ دوسری بار صور میں پھونکنے کا ذکر ہے جس سے تمام اموات زندہ ہو جائیں گی،

۲۔ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا: تو تم گروہ در گروہ محشر میں آؤ گے۔ سورۃ مریم: ۸۰ میں فرمایا:

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا ○ اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم مالک بن جائیں گے اور وہ ہمارے پاس اکیلا حاضر ہوگا۔

اس کے ساتھ کوئی مددگار نہ ہوگا۔ جسے وہ "اللہ کا بیٹا" کہہ کر پکارتا ہے قیامت کے دن وہ اس کا ساتھ نہیں دے گا۔ اس آیت اور دیگر متعدد آیات میں ایک مسلک، ایک ہی موقف اور ایک ہی کردار کے لوگوں کا ذکر ہے۔ وہ ایک ساتھ محشور ہوں گے۔ جیسے:

وَيَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ فَوۡجًا مِّمَّنۡ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا ... [2] اور جس روز ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت کو جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتی تھیں۔

---

[1] ۳۶ یٰس: ۸۱ [2] ۲۷ نمل: ۸۳

يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ ...[۱]
قیامت کے دن ہم ہر گروہ کو اس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا ۙ﴿۱۹﴾
۱۹۔ اور آسمان کھول دیے جائیں گے تو دروازے ہی دروازے ہوں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ قیامت کے دن آسمان کے دروازے کھل جائیں گے۔ قرآن کی دیگر آیات کے مطابق آسمان کے دروازے اہل جنت کے لیے کھلیں گے:

جَنّٰتِ عَدۡنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ ۝[۲]
وہ دائمی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔

یہ دروازے کافروں کے لیے نہیں کھلیں گے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ ..[۳]
جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے تکبر کیا ہے ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور ان کا جنت میں جانا اسی طرح محال ہے جس طرح سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا۔

۲۔ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا: آسمان کو جب کھولا جائے گا تو آسمان ابواب سے عبارت ہو جائے گا۔ ممکن ہے ہر شخص کے لیے اپنا دروازہ ہو اور ممکن ہے ہر گروہ کے لیے اپنا اپنا دروازہ ہو۔

وَّ سُيِّرَتِ الۡجِبَالُ فَكَانَتۡ سَرَابًا ؕ﴿۲۰﴾
۲۰۔ اور پہاڑ چلا دیے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے۔

تفسیر آیات

قیامت کے دن پہاڑوں کو نابود کر دیا جائے گا۔ قرآن میں اس کی متعدد تعبیرات ہیں:

كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۝[۴]
دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔

هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا ۝[۵]
منتشر غبار بن کر رہ جائیں گے۔

۱؎ ۱۷ اسرائیل: ۷۱ ۲؎ ۳۸ ص: ۵۰ ۳؎ ۷ اعراف: ۴۰ ۴؎ ۱۰۱ قارعۃ: ۵ ۵؎ ۵۶ واقعۃ: ۶

اس آیت میں فرمایا: سراب کے مانند ہو کر رہ جائیں گے۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتۡ مِرۡصَادًا ﴿۲۱﴾ ۲۱۔ جہنم یقیناً ایک گھات ہے۔

لِّلطَّاغِيۡنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ ۲۲۔ جو سرکشوں کے لیے ٹھکانا ہے۔

لّٰبِثِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَحۡقَابًا ﴿۲۳﴾ ۲۳۔ جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔

تشریح کلمات

مِرۡصَادًا: (ر ص د) الرصد گھات لگا کر بیٹھنا۔

اَحۡقَابًا: (ح ق ب) الاحقاب کے بارے میں راغب کے نزدیک صحیح یہ ہے: غیر معین مدت پر بولا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جہنم پہلے سے موجود جہنمیوں کی گھات میں ہو گی۔ وہ جیسے ہی وہاں سے گزرنا چاہیں گے انہیں اپنی گرفت میں لے لے گی۔

۲۔ غیر معین مدت تک وہاں پڑے رہیں گے۔ اہل جہنم دو قسم کے لوگ ہوں گے: ایک وہ لوگ جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے چونکہ ان کی کوئی نیکی نہ ہو گی جس کی جزا دینے کے لیے انہیں جہنم سے نکالا جائے۔ جیسے کافر، جو کفر پر مرتا ہے۔ چونکہ کفر کی حالت میں کوئی عمل نیکی نہیں ہو سکتا نیز ناصبی، دشمن اہل بیت جہنم میں ہمیشہ رہے گا چونکہ ناصبی کا کوئی عمل مستحق ثواب نہیں ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہوں گے جن کے گناہ زیادہ اور نیکیاں نہایت تھوڑی ہیں۔ ایسی لوگ مستحق شفاعت نہ ہونے کی وجہ سے ایک مدت تک جہنم میں رہیں گے۔ پھر ان کی نیکیوں کی جزا کے لیے انہیں جہنم سے آزادی مل جائے گی۔

تفسیر نور الثقلین میں اس آیت کے ذیل میں ایک روایت ہے جس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

هذه فی الذين يخرجون من النار۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو جہنم سے نکل آئیں گے۔

لیکن بعد کی آیات خصوصاً وَّكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا (۲۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت قرآن کی صراحت کے ساتھ متصادم ہے۔

لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا بَرۡدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿ۙ۲۴﴾
۲۴۔ وہاں وہ کسی ٹھنڈک اور مشروب کا ذائقہ نہیں چکھیں گے۔

اِلَّا حَمِیۡمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿ۙ۲۵﴾
۲۵۔ سوائے کھولتے ہوئے پانی اور بہتی پیپ کے۔

تفسیر آیات

۱۔ جہنم میں خنکی نصیب نہیں ہو گی۔ خنکی سے مراد ایک قول کے مطابق خواب ہے کہ جہنم والوں کے لیے کوئی ایسا لمحہ نہیں آئے گا کہ نیند آ جائے۔

۲۔ پیاس کی شدت رہے گی لیکن پینے کی کوئی ایسی چیز نہیں ملے گی جو اس پیاس کو بجھا دے۔ مائعات پینے کو ملیں گے جیسے کھولتا ہوا پانی اور پیپ جو اہل جہنم کے جسموں سے نکلے گی۔ اس سے پیاس بجھنے کی جگہ جہنمی کا درون مزید آتشین ہو گا۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿ؕ۲۶﴾
۲۶۔ یہ (ان کے جرائم کا) موزوں بدلہ ہے۔

تفسیر آیات

جہنم کی یہ سزائیں ان کافروں کے جرائم کے لیے موزوں اور برابر ہیں۔ یہاں ہمیشہ ایک سوال سامنے آتا ہے کہ کافروں نے جتنا بھی بڑا جرم کیا ہو، سو سال سے زیادہ کے جرائم نہیں ہوتے۔ اس کے لیے سو سال عذاب ہو تو وِّفَاقًا بنتا ہے ہمیشہ کا عذاب کیوں؟ جواب:

i۔ جرم اور سزا کے درمیان برابر کا کیا معیار ہے؟ کیا زمان اور مدت جرم ہے؟ اگر ایسا ہے تو ایک بے گناہ کو گولی سے قتل کرنے میں چند سیکنڈ لگتے ہیں، عمر قید کیوں؟

ii۔ مجرم نے جرم ختم نہیں کیا بلکہ مجرم خود ختم ہو گیا۔ کافر جہنم میں ہمیشہ اس صورت میں رہتا ہے اگر وہ حالت کفر میں مر گیا ہو۔

iii۔ سزا اس کا عمل دیتا ہے کوئی اور نہیں۔ عمل انرجی ہے جو ایک بار وجود میں آنے کے بعد ختم نہیں ہوتی۔ عمل اچھا ہے تو انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتا، برا ہے تو جان نہیں چھوڑتا۔ کل قیامت کے دن ان کا عمل مجسم ہو کر سامنے آئے گا۔ لہٰذا سزا و عمل وِّفَاقًا برابر ہو گا۔ نہ کم، نہ زیادہ۔

اِنَّهُمۡ کَانُوۡا لَا یَرۡجُوۡنَ حِسَابًا ﴿ۙ۲۷﴾
۲۷۔ یہ لوگ کسی حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے۔

تفسیر آیات

کافر لوگ ان تمام جرائم کا ارتکاب اس لیے کرتے تھے کہ وہ کسی محاسبے اور مؤاخذے پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے انہیں کسی بات کا ڈر نہ تھا کہ اس جرم کا کوئی مؤاخذہ ہوگا۔

وَّ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا کِذَّابًا ﴿ؕ۲۸﴾ ۲۸۔ اور ہماری آیات کو پوری قوت سے جھٹلاتے تھے۔

تفسیر آیات

محاسبہ اور مؤخذے کا خوف اور آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی اور تکذیب بھی اس انداز سے کی کہ کوئی کسر نہیں چھوڑی کِذَّابًا۔

وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ کِتٰبًا ﴿ۙ۲۹﴾ ۲۹۔ اور کتاب میں ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

تفسیر آیات

ہم ان کے ہر عمل اور ہر حرکت و کردار کو ان کے نامۂ عمل میں ثبت کرتے جا رہے ہیں۔ انسان کا عمل جب ایک مرتبہ وجود میں آتا ہے ثبت ہو جاتا ہے۔ عمل انرجی ہے۔ انرجی نابود نہیں ہوتی:

وَ کُلُّ شَیۡءٍ فَعَلُوۡہُ فِی الزُّبُرِ ۝ [1] اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے سب نامہ اعمال میں درج ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تحریر یہ ہے کہ عمل بذات خود موجود رہتا ہے۔

فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِیۡدَکُمۡ اِلَّا عَذَابًا ﴿٪۳۰﴾ ۳۰۔ پس اب چکھو کہ ہم تمہارے عذاب میں اضافہ ہی کرتے جائیں گے۔ ع

تفسیر آیات

عذاب کا مزہ چکھنے کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ عذاب کم ہوتا جائے گا بلکہ عذاب کی مدت لمبی ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ عذاب میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ مَفَازًا ﴿ۙ۳۱﴾ ۳۱۔ تقویٰ والوں کے لیے یقیناً کامیابی ہے۔

---

[1] ۵۴ قمر: ۵۲

حَدَآئِقَ وَاَعۡنَابًا ﴿۳۲﴾ ۳۲۔ باغات اور انگور ہیں،

تشریح کلمات

مَفَازًا: (ف و ز) فوزٌ کامیابی کو کہتے ہیں۔ مفاز اس کا اسم ظرف ہے یعنی کامیابی کا مقام۔

حَدَآئِقَ: (ح د ق) حدیقه مرغزار۔ اصل میں وہ قطعۂ زمین جس میں پانی جمع ہو۔ پانی ہونے کی وجہ سے اسے حدقة العین آنکھ کی پتلی کے ساتھ تشبیہ دے کر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اہل تقویٰ کے لیے ایک نہیں متعدد کامیابیاں ہوں گی۔ جنت کی زندگی کامیابیوں سے عبارت ہوگی۔ ممکن ہے اہل جنت کو ہر نعمت کے ساتھ یہ روحانی نعمت بھی نصیب ہو گی کیونکہ کافروں کی ناکامی کے مقابلے میں احساس کامیابی اپنی جگہ لذیذ ہے۔

۲۔ حَدَآئِقَ: ان نعمتوں میں سے چند ایک کا ذکر ہے۔ مثلاً چمن اور انار۔ اہل جنت جب اس چمن میں ہوں گے تو یہ احساس بھی ساتھ ہوگا اگر یہ چمن نہ ملتا تو جہنم میں میری جگہ ہوتی اور انار کا ذکر بعنوان مثال ہے کہ متعدد میوے ہوں گے جو جنتی خصلتوں کے حامل ہوں گے۔ لہٰذا یہاں انار کی دنیوی خصلتوں کا ذکر اس لیے درست نہیں کہ یہاں کا قانون زیست اور جنت کا قانون زندگی ایک جیسا نہیں ہے۔

وَّكَوَاعِبَ اَتۡرَابًا ﴿۳۳﴾ ۳۳۔ اور نوخیز ہم سن بیویاں ہیں،

تشریح کلمات

كَوَاعِبَ: (ك ع ب) كاعبٌ کی جمع۔ ابھرے ہوئے پستانوں والی لڑکی۔

اتراب: (ت ر ب) اتراب کے معنی ہم عمر کے ہیں۔ یہ لفظ تراب سے ہے۔ شاید ایک ساتھ زمین پر آنے یا ایک ساتھ مٹی پر کھیلنے کی وجہ ہم عمر کو اتراب کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت، ازدواجی زندگی ہو گی کہ جنت کی بیویاں نوعمر ہوگی۔ كَوَاعِبَ تقریباً پندرہ سالہ لڑکی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے ان کی عمریں سولہ سال کی ہوں گی۔

۲۔ اَتۡرَابًا: یہ ازواج ہم عمر ہوں گی۔ یعنی اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی۔ اس سے بظاہر اہل جنت کی عمریں سامنے آتی ہیں چونکہ زوجات كَوَاعِبَ کی عمر کی ہوں گی اور ان کے شوہر ان کے ہم عمر ہوں

گے۔ لہٰذا شوہر کی عمر بھی اتنی ہو گی جتنی کَوَاعِبَ کی عمر ہے۔ اگر ہم کَوَاعِبَ پندرہ سولہ سالہ لڑکی کو کہتے ہیں تو اہل جنت کی عمریں پندرہ سولہ سال کی ہوں گی جو ہماری دنیوی زندگی کے مطابق جوانی کی ابتدا ہے۔

وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ ۳۴۔ اور چھلکتے جام ہیں۔

تشریح کلمات

كأس : (ك ء س) کأس اس پیالے کو کہتے جس میں شراب ہے۔ اردو زبان میں اسے جام کہتے ہیں۔

دِهَاقًا : (د ہ ق) الدهق کے معنی لبالب بھرنے اور چھلکنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

جنت کے مشروبات کو شراب ممکن ہے اس لیے کہا ہو کہ اس کے پینے کے اثرات کافی دیر تک باقی رہتے ہیں۔ البتہ دنیا کی شراب میں منفی اثرات رہتے ہیں، جنت کی شراب میں مثبت۔

دِهَاقًا: ''چھلکتے'' کا مطلب یہ ہو سکتا ہے شراب نہایت لذیذ ہونے کے باوجود اس میں کمی نہ ہو گی۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ ۳۵۔ وہ وہاں لغو اور جھوٹی بات نہیں سنیں گے۔

تفسیر آیات

جنت کی شراب میں منفی اثرات نہیں ہوں گے جیسے دنیوی شرابوں میں ہیں۔ فِيْهَا اگر کأسا کی طرف جائے تو یہ معنی ہوں گے: اس شراب میں لغو بیہودگی اور جھوٹ والے اثرات نہیں ہوں گے۔ اگر فِيْهَا جنت کی طرف ہے تو معنی یہ ہوں گے: جنت کی زندگی میں لغویات اور کذب کی کوئی جگہ نہ ہو گی۔ ایک مبنی بر حقیقت زندگی ہو گی۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ ۳۶۔ عنایت کے طور پر آپ کے پروردگار کی طرف سے، جو کافی جزا ہو گی،

تفسیر آیات

یہ سب کچھ اے رسول! آپ کے رب کی ایسی عنایت ہو گی جس میں کوئی خامی، کمی نہ ہو گی۔

حِسَابًا یعنی کافی۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ اللہ میرے لیے کافی ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡہُ خِطَابًا ﴿ۚ۳۷﴾

۳۷۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان میں ہے، سب کے پروردگار رحمٰن کی طرف سے، جس کے سامنے کسی کو بولنے کا اختیار نہیں ہو گا۔

یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ۙ لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾

۳۸۔اس روز روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور کوئی بات نہیں کر سکے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جو درست بات کرے۔

تفسیر آیات

۱۔ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ: بیان ہے سابقہ آیت میں موجود رَّبِّکَ کا۔ یعنی یہ ”عطائے کافی“ آپ کے اس رب کی ہوگی جو آپ کا ہی نہیں کل کائنات کا رب ہے۔ الرَّحۡمٰنِ یہی رب رحمٰن ہے جس کی رحمت تمام مخلوقات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جس طرح ربوبیت سب کا احاطہ کرتی ہے۔

۲۔ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡہُ: آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والوں میں سے کسی کو قیامت کے دن اس کے سامنے بولنے کا اختیار نہ ہو گا یعنی ازخود اختیار نہ ہو گا۔

۳۔یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ: روح سے مراد روح الامین جبرئیل لینا زیادہ مناسب ہے چونکہ قرآن میں جبرئیل کا ذکر دیگر ملائکہ کے ساتھ کیا ہے۔ جب جبرئیل اور فرشتے اللہ کا اذن شفاعت ملنے کے انتظار میں صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتے شفاعت کے خواہاں ہوں گے۔ آخر میں فرشتوں کو اجازت مل جائے گی۔

۴۔ لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ: شفاعت کی بات کرنے کا حق فرشتوں میں سے اسے حاصل ہو گا جسے اللہ شفاعت کا اذن دے دے۔

۵۔ وَقَالَ صَوَابًا: شفاعت کی اجازت اسے ملے گی جو درست بات کرے۔ یعنی وہ جس کی شفاعت کی درخواست کرے، وہ لائق شفاعت ہو۔ جیسے فرمایا:

یَوۡمَئِذٍ لَّا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوۡلًا ۝ [1]

اس روز شفاعت کسی کو فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔

---

[1] ۲۰ طٰہٰ: ۱۰۹

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾	۳۹۔ یہ ہے وہ برحق روز، پس جو چاہتا ہے وہ اپنے رب کے پاس منزل بنا لے۔

تفسیر آیات

۱۔ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ: قیامت کا دن ایک مبنی بر واقع دن ہے جس کے آنے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔

۲۔ فَمَنْ شَآءَ: اگر اس دن نجات ملے گی تو اسے ملے گی جس نے دنیوی زندگی میں اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا لیا ہو۔ جیسے فرمایا:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۞ [۱]	یہ ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے۔

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲	۴۰۔ ہم نے تمہیں قریب آنے والے عذاب کے بارے میں تنبیہ کی ہے، اس روز انسان ان تمام اعمال کو دیکھ لے گا جو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے اور کافر کہ اٹھے گا: اے کاش! میں خاک ہوتا۔

تفسیر آیات

۱۔ عَذَابًا قَرِيْبًا: عذاب قریب اس طرح ہے کہ کافر کو اگر حیات برزخی نہیں ملتی تو اس کے لیے مرنے کا دن ہی روز قیامت ہوگا۔ ادھر مر گیا، قیامت برپا ہو گئی:

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ... [۲]	کہیں گے: ہائے ہماری تباہی! ہماری خوابگاہوں سے ہمیں کس نے اٹھایا؟

اگر کافر بڑا مجرم ہے تو حیات برزخی ہوگی اور اس کے مرنے کے فوری بعد عذاب شروع ہو جائے گا جو عذاب آخرت کے ساتھ متصل ہوگا۔

۲۔ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ: وہ قیامت کے دن اپنے اعمال کا مشاہدہ کریں گے جو دنیوی زندگی میں آگے بھیج چکے ہیں۔ یہ آیت تجسم اعمال پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کا عمل بذات خود موجود

---

[۱] ۷۳ مزمل: ۱۹ [۲] ۳۶ یٰسٓ: ۵۲

رہتا ہے اور آخرت میں وہ اپنے عمل کا مشاہدہ کریں گے۔ عمل اچھا ہے تو وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا مگر یہ کہ وہ ایسا عمل انجام دے کہ اس کا عمل حبط ہو جائے اور اگر عمل بُرا ہے وہ اس کی جان نہیں چھوڑے گا مگر یہ کہ اللہ عفو اور مغفرت کے ذریعے اس کا اثر ختم کر دے۔

۳۔ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا: اس روز کافر یہ آرزو کرے گا کہ کاش میں خاک ہی رہ جاتا اور شعور کا مالک نہ بنتا۔ آج یہ دن دیکھنے کو نہ ملتا۔

سُورَةُ النَّازِعَات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورة کا نام النازعات پہلی آیت میں مذکور ہونے کی وجہ سے ہے۔ آیات کی تعداد کوفی قرائت کے مطابق ۴۶ اور دوسری قرائتوں کے مطابق ۴۵ ہے۔

مضمون: اس سورة میں بھی قیامت اور آخرت کے موضوع پر زیادہ توجہ دلائی گئی ہے اور اس بات پر کائناتی نظام خلقت سے استدلال کیا گیا ہے۔ سورہ ہائے مکی میں مسئلہ قیامت کو زیادہ موضوع گفتگو قرار دیا ہے چونکہ ایک تو تصور قیامت سے ہی انسان کی زندگی اور کائنات کے وجود کو معقولیت ملتی ہے ورنہ پورا وجود عبث اور لغو ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ مشرکین اس اہم ترین اور تقدیر ساز عقیدے کے منکر تھے۔ ان دو باتوں کی وجہ سے موضوع قیامت کو قرآن نے سب سے زیادہ تاکید اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
وَ النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو گھس کر کھینچ لیتے ہیں۔
وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾	۲۔ اور آسانی سے نکال لیتے ہیں۔
وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾	۳۔ اور تیزی سے لپکتے ہیں۔
فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾	۴۔ پھر (حکم کی بجا آوری میں) خود سبقت لے جاتے ہیں۔
فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾ وقف لازم	۵۔ پھر امر کی تدبیر کرنے والے ہیں۔

تفسیر آیات

زیادہ قریب واقع موقف یہ ہے کہ مذکورہ آیات میں ذکر شدہ پانچ اوصاف ملائکہ کے ہیں چونکہ پانچویں کا تعلق ملائکہ سے زیادہ مناسب بلکہ متعین ہے۔ لہٰذا باقی اوصاف بھی ملائکہ ہی کے ہو سکتے ہیں۔

کہتے ہیں الف وتاء کے ساتھ فرشتوں کے لیے جمع مؤنث نہیں بنائی جاتی کیونکہ یہ مشرکین کا شعار ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۷﴾[1]	جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے نام لڑکیوں جیسے رکھتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ اصل کلام جماعۃ الملائکۃ ہے لفظ جماعۃ محذوف ہے نیز قرآن میں دوسری جگہوں پر فرشتوں کے لیے الف و لام کی جمع بنائی گئی ہے جیسے:

لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ یَحۡفَظُوۡنَہٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ ...[2]	ہر شخص کے آگے اور پیچھے یکے بعد دیگرے آنے والے پہرے دار (فرشتے) مقرر ہیں جو بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

اور آیۂ وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّا[3] میں اکثر نے کہا ہے فرشتے مراد ہیں۔

آیات میں مذکور چار اوصاف ان فرشتوں کے ہیں جن کی مختلف ذمہ داریاں ہیں۔ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے چار اوصاف کے بعد پانچویں وصف یعنی تدبیر امور کی نوبت آتی ہے۔ لہٰذا پہلے چار اوصاف تدبیر امور کائنات کے تمہیدی امور معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ صاحب المیزان نے فرمایا ہے۔

۱۔ وَ النّٰزِعٰتِ: نزع کھینچنے کو کہتے ہیں اور یہاں ان فرشتوں کی قسم کھائی جو ارواح جسموں سے نکال لیتے ہیں۔ وَ النّٰزِعٰتِ کے ساتھ نزعاً کی تعبیر سے اس کھینچنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے یعنی شدت سے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام روایت ہے کہ یہ آیہ ان فرشتوں کے بارے میں ہے جو کفار کی ارواح نکال لیتے ہیں۔[4]

۲۔ وَّ النّٰشِطٰتِ: نشط خارج ہونے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ثور ناشط اس بیل کو کہتے ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ نکل جاتا ہے۔ النشط کھولنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام مروی مجمع البیان کی ایک روایت کے مطابق اس آیت کی تطبیق کفار کی ارواح نکالنے والے فرشتوں پر کرتے ہیں۔

۳۔ وَّ السّٰبِحٰتِ: حضرت علی علیہ السلام روایت کے مطابق اس آیت کا تعلق ان فرشتوں سے ہے جو ارواح مؤمنین کو آسانی سے نکالتے ہیں۔[5] لفظ السبح پانی میں تیرنے کے معنوں میں اکثر استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] ۵۳ نجم: ۲۷ [2] ۱۳ رعد: ۱۱ [3] ۳۷ صافات: ۱ [4] مجمع البیان [5] مجمع البیان

۴۔ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا: ایک روایت کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ارواح مؤمنین کو جنت کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ ایک تطبیق ہے۔ لفظی اطلاق کے مطابق اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اوامر الٰہی کی انجام دہی میں سبقت لے جاتے ہیں۔

۵۔ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا: پس یہ فرشتے امر الٰہی کی تدبیر کرنے والے ہیں۔

تدبیر عالم میں اللہ کے کارندے

اسباب اور فرشتے

تدبیر امور کے سلسلے میں فرشتے اللہ کی طرف سے وحی نازل کرتے ہیں، امتوں پر عذاب نازل کرتے ہیں، بندوں کی حفاظت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور نزع روح سے لے کر عالم آخرت میں داخل جنت ہونے تک کے تمام امور انجام دیتے ہیں۔ قدرتی اسباب جیسے پانی دھوپ وغیرہ کی طرح اسباب ہیں۔ جس طرح پانی اور دھوپ کے فرائض مقرر، متعین اور غیر قابل تغییر ہیں بالکل اسی طرح فرشتوں کے فرائض مقرر، متعین اور قابل تبدیل و تغیر نہیں ہیں۔ یعنی فرشتوں کے ذمے جو کام لگایا ہے وہ صرف وہی انجام دے سکتے ہیں دوسرا کام انجام نہیں دے سکتے۔ بالکل پانی کی طرح کہ پانی کے ذمے جو کام لگایا ہے وہ صرف وہی کام کر سکتا ہے، دوسرا نہیں۔ اس طرح اسباب ترتیبی ہیں۔ پانی، فرشتے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ۔ ان اسباب میں سے پانی کو قریبی سبب کہتے ہیں۔ فرشتے بھی سبب ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ مسبب الاسباب ہے۔ اسی ارادۂ الٰہی سے فرشتے اور پانی اپنے اپنے مقررہ فرائض انجام دیتے ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید نے جس طرح ان امور کی نسبت فرشتوں کی طرف دی ہے، قدرتی اسباب کی طرف بھی نسبت دی۔ چنانچہ زمین کی طرف نسبت دی:

وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَہِیۡجٍ ۝ [1]		اور مختلف اقسام کی پر رونق چیزیں اگاتی ہے۔

قدرتی اسباب اور فرشتے اپنا ارادہ نہیں رکھتے۔ یعنی وہ اپنا مستقل ارادہ نہیں رکھتے بلکہ سو فیصد ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں جس طرح کاتب کے ہاتھ میں قلم ہے۔ یہاں چند طولی اسباب ہیں۔ قلم، ہاتھ، انسان۔ ارادہ انسان کا ہے۔ ہاتھ اور قلم انسان کے ارادے کے تابع ہیں۔

لہٰذا یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قدرتی اسباب اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں استقلال نہیں رکھتے جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں، نہ ان کا ارادہ اپنا ہوتا ہے تاکہ ان کے ہاتھ تفویض ہو سکے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے النّٰزِعٰتِ، النّٰشِطٰتِ اور السّٰبِحٰتِ سے مراد بادل لیا ہے۔ یعنی فرشتے یا اسباب، دونوں اللہ کے تابع ارادہ ہیں۔

---

[1] ۲۲ حج: ۵

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾	۶۔ اس روز کانپنے والی کانپے گی۔
تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾	۷۔ اس کے پیچھے دوسرا (لرزہ) آئے گا۔

تشریح کلمات

رجفة: (ر ج ف) شدید اضطراب کو کہتے ہیں۔

رادفة: (ر د ف) الردف کے معنی ہیں تابع۔ یعنی ہر وہ چیز جو دوسرے کے پیچھے ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ اس دن یعنی قیامت کے دن لرزنے والی زمین لرز جائے گی۔ ممکن ہے پہلا صور مراد ہو جس سے پورا کرۂ ارض ایک ہموار میدان میں بدل جائے گا۔

۲۔ تَتۡبَعُهَا: اس لرزنے کے بعد دوسرا لرزہ آئے گا۔ یہ دوسرے صور کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جس سے تمام اموات زندہ ہو جائیں گی۔

قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾	۸۔ کچھ دل اس دن مضطرب ہوں گے۔
وقف لازم اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾	۹۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

تشریح کلمات

وَّاجِفَةٌ: (و ج ف) الوجیف کے معنی تیز رفتاری کے ہیں اور اضطراب و پریشانی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

قیامت کی ہولناک صورت حال کو دیکھ کر دلوں میں اضطراب آئے گا اور آنکھوں میں اس ہولناک صورت کو دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی اس لیے نظریں جھکی ہوئی ہوں گی۔

يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِي الۡحَافِرَةِ ﴿١٠﴾	۱۰۔ کہتے ہوں گے: کیا ہم ابتدا کی طرف پھر واپس لائے جائیں گے؟
ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾	۱۱۔ کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو چکے ہوں گے (تب بھی)۔

وقف لازم قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ ﴿۱۲﴾ ۱۲۔ کہتے ہیں: پھر تو یہ واپسی گھاٹے کی ہو گی۔

تشریح کلمات

الۡحَافِرَۃِ: (ح ف ر) سابقہ چلا ہوا راستہ۔ راستے پر زیادہ چلنے کی وجہ سے زمین دھنس جاتی ہے اور کھدی ہوئی لگتی ہے۔

نَّخِرَۃً: (ن خ ر) کھوکھلی۔ اندر سے کھوکھلا ہونے کی وجہ سے اس سے ہوا آواز کے ساتھ گزرتی ہے۔ چنانچہ نخیر آواز کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ مشرکین قیامت کو ناممکن اور ناقابل یقین قرار دیتے ہوئے کہتے تھے کہ کیا جس راستے پر چل کر ہم زندگی ختم کریں گے اسی راستے پر دوبارہ ہمیں واپس کیا جائے گا۔ اگر حافرہ قبر کے معنوں میں لیا جائے تو فی بمعنی من لینا ہو گا۔ اس صورت میں مشرکین یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کیا ہم ان قبروں سے پھر دنیا میں واپس کیے جائیں گے جو ایک ناممکن بات ہے۔

۲۔ ءَاِذَا كُنَّا: وہ بھی جب ہم ہڈیوں میں، پھر مٹی میں بدل چکے ہوں گے:

مَنۡ يُّحۡيِ الۡعِظَامَ وَهِيَ رَمِيۡمٌ ○ [1] ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟

۳۔ قَالُوۡا تِلۡكَ: بطور تمسخر کہتے ہیں: اگر ہمیں دوبارہ زندہ ہونا پڑا تو ہم گھاٹے میں ہوں گے۔ ہم نے اس کی کوئی تیاری نہیں کی۔ تمسخر یہ ہے کہ گھاٹا ہو گا تو ہمیں ہو گا۔ آپ کو اس سے کیا غرض۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجۡرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ﴿۱۳﴾ ۱۳۔ پس یہ واپسی یقیناً صرف ایک جھڑکی ہو گی۔

فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَۃِ ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ پھر وہ یکایک میدان (حشر) میں موجود ہوں گے۔

تشریح کلمات

الساهرة: (س ہ ر) روئے زمین۔ ارض قیامت۔

تفسیر آیات

۱۔ مگر جس بات کے تم منکر ہو اس کے آنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ بس ایک جھڑکی ہو

---

[1] ۳۶ یس: ۷۸

گی۔ اشارہ ہے نفخۂ ثانیہ کی طرف۔ یعنی دوسری بار جب صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے۔

۲۔ بِالسَّاهِرَةِ: جیسے ہی صور پھونک دیا بلا فاصلہ سب مخلوقات میدان قیامت میں حاضر ہو جائیں گی۔ جس بات کو تم ناممکن سمجھتے ہو وہ ہماری صرف ایک جھڑکی کا کام ہے:

وَمَآ اَمۡرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ ہُوَ اَقۡرَبُ ....[1]　　اور قیامت کا معاملہ تو ایسا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی قریب تر۔

ہَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ مُوۡسٰی ﴿۱۵﴾　　۱۵۔ کیا موسیٰ کی خبر آپ تک پہنچی؟

تفسیر آیات

قیامت کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لیے ہوا کہ حدیث موسیٰ میں موسیٰ علیہ السلام کی رسالت ثابت ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں اہم بات قیامت ہے۔

اِذۡ نَادٰىہُ رَبُّہٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۶﴾　　۱۶۔ جب ان کے رب نے طویٰ کی مقدس وادی میں انہیں پکارا تھا۔

تشریح کلمات

طُوًی: (ط و ی) بعض اہل تحقیق کے مطابق طوی تنگ وادی کو کہتے ہیں۔ جس طرح لپٹا ہوا کپڑا یا گہرا کنواں ہو۔ چنانچہ کنویں کو طویا کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

طُوًی کی وادی وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے درجہ پر فائز کیا گیا اور سب سے پہلے وحی بھی یہاں نازل ہوئی۔

اِذۡہَبۡ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّہٗ طَغٰی ﴿۱۷﴾　　۱۷۔ (پھر حکم دیا) فرعون کی طرف جائیں بلاشبہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

فَقُلۡ ہَلۡ لَّکَ اِلٰۤی اَنۡ تَزَکّٰی ﴿۱۸﴾　　۱۸۔ پھر اس سے کہدیں: کیا تو پاکیزگی اختیار کرنے کے لیے آمادہ ہے؟

---

[1] ۱۶ نحل: ۷۷

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّہٗ طَغٰی: رسالت کی ذمہ داری دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملتا ہے کہ آپ فرعون کے پاس جائیں، وہ سرکش ہو گیا ہے اور انسانوں کو اس نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ خصوصاً بنی اسرائیل کو اذیت دینے میں سرکشی کی انتہا تک پہنچ گیا ہے۔

۲۔ فَقُلۡ ہَلۡ لَّکَ: اس سرکش سے کہدیں: کیا اس سرکشی سے باز آنے کا کوئی راستہ ہے؟ اس سرکشی کو چھوڑ کر اپنے آپ کو پاکیزہ کرنے کا راستہ تو موجود ہے لیکن تجھ میں آمادگی ہے یا نہیں؟

وَ اَہۡدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخۡشٰی ﴿۱۹﴾ ۱۹۔ اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کر دوں تاکہ تو خوف کرے۔

تفسیر آیات

اگر تم طغیانی اور سرکشی چھوڑ دو تو ہدایت کے لائق ہو جاؤ گے اور ہدایت ملنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غضب سے ڈرنے کا مقام بھی آجائے گا۔ ان آیات کے مطابق راہ راست پر آنے کے مراحل درج ذیل ہیں:

الف۔ تزکیہ: اپنے نفس کو صفات رذیلہ سے پاک کیا جائے۔

ب۔ ہدایت: تزکیۂ نفس سے ہدایت کے قابل ہو جاتا ہے۔

ج۔ خشیۃ: ہدایت کے بعد خشیت الٰہی کا مقام آتا ہے۔

ان مراحل کو طے کرنے کے بعد اور اللہ کے غضب سے خوف آنے کے مرحلے میں داخل ہونے پر انسان کامیاب ہو جاتا ہے۔

فَاَرٰىہُ الۡاٰیَۃَ الۡکُبۡرٰی ﴿۲۰﴾ ۲۰۔ چنانچہ موسیٰ نے فرعون کو بہت بڑی نشانی دکھائی۔

تفسیر آیات

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس جاتے ہیں اور اپنے رسالت پیش فرماتے ہیں۔ اپنی رسالت کے ثبوت میں بڑا معجزہ پیش کرتے ہیں جو عصا کے اژدھا بن جانے اور ید بیضاء سے عبارت ہے۔ ممکن ہے الۡاٰیَۃَ الۡکُبۡرٰی میں وہ نو معجزات، سب شامل ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو پورے عرصے میں دکھائے۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝۲۱　　۲۱۔ مگر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔
ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝۲۲　　۲۲۔ پھر دوڑ دھوپ کرنے کے لیے لوٹ گیا۔

تفسیر آیات

۱۔ فرعون نے ان کی تکذیب کی۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کہا: آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ صرف اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ کہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا جائے، مسترد کر دیا۔

۲۔ ثُمَّ اَدْبَرَ: پھر اس نے ان معجزات کو قبول کرنے اور ایمان لانے سے پیٹھ پھیر لی۔

۳۔ یَسْعٰی: پیٹھ پھیر کر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف تحریک شروع کر دی۔

فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝۲۳　　۲۳۔ چنانچہ (لوگوں کو) جمع کر کے پکارا۔
فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝۲۴　　۲۴۔ پھر کہنے لگا: میں ہی تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَحَشَرَ: اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اپنے کاہنوں کو جمع کیا۔ چنانچہ اس کا ذکر ہے سورہ شعراء آیت ۳۶ میں:

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝　　وہ کہنے لگے: اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں ہرکارے بھیج دو۔

۲۔ فَنَادٰی: اس نے اپنے موقف اور نظریے کو دہرایا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعلان رسالت کے مقابلے میں اس نے اپنا اعلان کر دیا۔

مصریوں کے عقیدے کے مطابق سورج اقتدار کا معبود ہے اور بادشاہ سورج کا نمائندہ اور بیٹا ہوتا ہے۔ اس طرح فرعون اپنے آپ کو ان کے معبود کے ساتھ منسلک کرتا تھا۔ اس موضوع پر مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو اعراف آیت ۱۲۷۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝۲۵　　۲۵۔ پس اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔

تفسیر آیات

فرعون کی بڑی گستاخی کی سزا اللہ نے اسے آخرت میں جہنم کے عذاب اور دنیا میں غرق آب کے عذاب سے دی۔ سمندر میں اسے غرق کر کے دنیا کو بتا دیا کی یہ معبود یا رب کا فرزند نہیں ہے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ﴿۲۶﴾ ۲۶۔ ڈرنے والے کے لیے یقیناً اس میں عبرت ہے۔

تفسیر آیات

موسیٰ کی رسالت کے منکر اور اللہ کے سوا کسی اور کو رب کہنے والوں کا یہی انجام ہو گا۔ البتہ اس واقعہ سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو اپنی عاقبت کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔

ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰہَا ﴿۲۷﴾ ۲۷۔ کیا تمہارا خلق کرنا زیادہ مشکل ہے یا اس آسمان کا جسے اس نے بنایا ہے؟

تفسیر آیات

مشرکین جو اعادۂ حیات کو ایک ناممکن امر خیال کرتے اور تعجب و تمسخر کے لہجے میں کہا کرتے تھے: ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِی الۡحَافِرَۃِ کیا ہم ابتدا کی طرف پھر واپس لائے جائیں گے؟ ان مشرکین کے جواب میں فرمایا: کیا تمہارا یعنی انسان کا خلق کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمانوں کا خلق کرنا:

لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَکۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ ....[۱] آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے خلق کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے،

دوسری جگہ فرمایا:

وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَ ہُوَ اَہۡوَنُ عَلَیۡہِ ....[۲] اور وہی خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرتا ہے اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے آسمانوں کے خلق کرنے سے انسانوں کو خلق کرنا آسان ہے اور انسانوں کی ابتدائی تخلیق سے اس کا اعادۂ تخلیق زیادہ آسان ہے۔

لہٰذا انسانی تصور کے مطابق اللہ کے لیے دو مرتبہ تخلیق آسان ہے۔ انسان کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق سے آسان اور انسان کی اعادۂ تخلیق ابتدائی تخلیق سے آسان ہے۔ جب مشرکین اللہ کے آسمانوں اور انسانوں

۱؎ ۴۰ غافر: ۵۷ ۲؎ ۳۰ روم: ۲۷

کی ابتدائی تخلیق کے قائل ہیں تو وہ اعادۂ تخلیق کو کیوں ناممکن سمجھتے ہیں۔

رَفَعَ سَمۡکَہَا فَسَوّٰىہَا ﴿ۙ۲۸﴾　　۲۸۔ اللہ نے اس کی چھت اونچی کی پھر اسے معتدل بنایا۔

تشریح کلمات

سمك: (س م ك) بلندی کو کہتے ہیں اور سقف کو بھی۔ فرزدق کہتے ہیں: ان الذی سمك السماء بنی لنا۔ بیتاً دعائمہ اعزوا طول سمك السماء یعنی رفع السمآء۔

تفسیر آیات

۱۔ آسمان کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے زیادہ مشکل ہونے کا ذکر ہے کہ اللہ نے آسمان کو بلندی پر اٹھایا۔ یعنی رفع رفعاً کی طرح ہے کہ اس کی بلندی کو خوب بلندی دی۔ اس سے آسمان کی بلندی زیادہ ہونے کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

۲۔ فَسَوّٰىہَا: پھر آسمان کو اعتدال دیا اور اجرام سماوی کو ایک محیر العقول نظام میں منسلک کر دیا کہ اربوں سال میں ایک سیکنڈ کے برابر بھی اس اعتدال میں فرق نہیں آتا۔

وَ اَغۡطَشَ لَیۡلَہَا وَ اَخۡرَجَ ضُحٰىہَا ﴿۪۲۹﴾　　۲۹۔ اور اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن کیا۔

تشریح کلمات

اَغۡطَشَ: (غ ط ش) تاریک کر دینے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

روشنی کا آنا جانا آسمان کی طرف سے ہے ورنہ کرۂ ارض از خود شب و روز نہیں بنا سکتا۔ جب آسمان سے آنے والی روشنی اس سے غائب ہو جائے تو یہاں رات کی تاریکی چھا جاتی ہے اور آسمان سے روشنی آنے پر صبح کو دل شب سے نکال کر روشن دن بنا دیتا ہے۔

وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِکَ دَحٰىہَا ﴿ؕ۳۰﴾　　۳۰۔ اور اس کے بعد اس نے زمین کو بچھایا۔

تشریح کلمات

دَحٰىهَا: (د ح و) الدحو بچھانے کے معنوں میں ہے۔ العین کے مطابق الدحو البسط ہے۔ راغب اور العین کے مطابق محاورہ ہے: دحا المطر الحصی عن وجہ الارض۔ بارش زمین سے کنکریوں کو بہا کر لے گئی۔ جوھری نے صحاح میں کہا ہے: دحو لڑھکنے کو کہتے ہیں۔ راغب نے کہا ہے: دحو کے معنی ہیں ازالھا عن مقرھا۔ اپنے ٹھکانے سے ہٹا دینے کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

ا۔ہم دحو بچھانے کے معنوں میں لیں گے چونکہ عصر نزول قرآن کے مخاطبین بچھانے کا معنی سمجھ سکتے تھے۔ بعض محققین اس لفظ کو لڑھکنے اور اپنے ٹھکانے سے ہٹا دینے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ پھر اس سے حرکت زمین پر استدلال کرتے ہیں جو بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا۔ چونکہ عصر نزول قرآن کے مخاطبین حرکت زمین سمجھنے سے قاصر تھے مگر یہ کہ یہ کہا جائے زمانہ قرآن کی تفسیر کرتا ہے اور قرآن ہر زمانے میں جدیدیت اور تازگی رکھتا ہے:

فھو فی کل زمان جدید وعند کل قوم غضّ الی یوم القیامۃ۔[1]	یہ قرآن ہر دور میں جدیدیت اور ہر قوم کے لیے قیامت تک تازگی رکھتا ہے۔

۲۔وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ: آسمان بنانے اور شب و روز وجود میں لانے کے بعد زمین کو بچھایا۔ اس آیت میں بَعۡدَ ذٰلِكَ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کی تخلیق بعد میں ہوئی ہے جب کہ سورہ بقرۃ کی آیت ۲۹ سے ظاہر ہوتا ہے زمین پہلے خلق ہوئی ہے:

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ٭ ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ....	وہ وہی اللہ ہے جس نے زمین میں موجود ہر چیز کو تمہارے لیے پیدا کیا، پھر آسمان کا رخ کیا تو انہیں سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا۔

کہتے ہیں ثُمَّ اسۡتَوٰۤی میں ثُمَّ (پھر) سے بَعۡدَ ذٰلِكَ میں زیادہ صراحت ہے کیونکہ ثُمَّ ترتیب زمانی کے علاوہ ترتیب رُتبی کے لیے بھی آتا ہے۔ کہتے اگر عطف مفرد بر مفرد ہو تو ثُمَّ ترتیب زمانی کے لیے ہوتا ہے اور اگر جملہ دیگر جملے پر عطف ہو جائے تو ترتیب رتبی کے لیے ہوتا ہے۔

جب کہ اس آیت میں بَعۡدَ ذٰلِكَ ترتیب زمانی پر زیادہ صریح ہے۔ لہٰذا یہ موقف اختیار کرنا چاہیے: آسمان پہلے اور زمین بعد میں بنی ہے۔

---

[1] بحار الانوار ۲: ۲۸۰

ممکن ہے بَعۡدَ کا لفظ مجازاً یہ بتانے کے لیے ہو کہ بَعۡدَ کے ذکر کے بعد آنے والا جملہ کمتر حیثیت کا ہے۔ جیسے عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ ۔[1] میں ہے۔

لیکن آیت میں زمین کی تخلیق کا ذکر نہیں ہے بلکہ بچھانے کا ذکر ہے۔ لہٰذا ممکن ہے زمین کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق سے پہلے ہوگئی ہو لیکن بچھانے کا عمل بعد میں ہوا ہو۔ زمین کے بچھانے کی بات دو صورتوں میں سے ایک ہوسکتی ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ زمین پہلے آتشین کرہ تھی۔ آہستہ آہستہ سرد ہونا شروع ہوئی اور مٹی وجود میں آنے لگی جسے دحو بچھانے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زمین کو سرد کرنے کے لیے پورے کرۂ ارض کو پانی میں ڈبو دیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ خشکی نمودار ہونا شروع ہوگئی۔ اس دحو کہا گیا۔

اَخۡرَجَ مِنۡہَا مَآءَہَا وَ مَرۡعٰہَا ﴿۳۱﴾ **۳۱۔ اس نے زمین سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔**

تفسیر آیات

دحو الارض یعنی کرۂ ارض میں خشکی نمودار ہونے کے بعد زمین کی گہرائیوں میں بھی پانی چلا گیا تھا۔ اس سے پانی نکالا، چشموں کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جن سے انسان کی معیشت کا سامان فراہم ہوا اور ساتھ جانوروں کے چارے کا بھی انتظام ہوگیا۔ جیسے فرمایا:

وَ قَدَّرَ فِیۡہَاۤ اَقۡوَاتَہَا فِیۡۤ اَرۡبَعَۃِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ ﴿۱۰﴾ [2]	اور اس میں چار دنوں میں حاجتمندوں کی ضروریات کے برابر سامان خوراک مقرر کیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کو زمین میں زندگی کے لیے فضا ہموار کرنے میں چار دن لگے۔

وَ الۡجِبَالَ اَرۡسٰہَا ﴿۳۲﴾ **۳۲۔ اور اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔**

تشریح کلمات

اَرۡسٰہَا: (ر س و) رسو کے معنی کسی چیز کے کسی جگہ پر ٹھہرنے اور استوار ہونے کے ہیں۔ ارسا ٹھہرانے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

پہاڑوں کے بارے سورۃ نبا آیت ۷ میں تشریح ہو چکی ہے کہ زمین کو استقرار دینے کے علاوہ

---

[1] ۶۸ قلم: ۱۳ [2] ۴۱ حٰمٓ سجدہ: ۱۰

پہاڑوں پر برف جما کر پانی ذخیرہ کیا جاتا ہے اور نہریں بہتی ہیں جس سے زمین زرخیز ہو جاتی ہے۔

مَتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿۳۳﴾ **۳۳۔ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زندگی کے طور پر۔**

تفسیر آیات

مویشی اگرچہ انسان کی متاع زندگی میں شمار ہوتے ہیں تاہم مویشی اپنی جدا زندگی رکھتے ہیں۔ انہیں سامان زندگی فراہم کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک قابل ذکر نعمت اور احسان ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰی ﴿۳۴﴾ **۳۴۔ پس جب بہت بڑی آفت آ جائے گی۔**

تشریح کلمات

الطم: (ط م م) کے معنی پانی سے بھرے ہوئے سمندر کے ہیں اور ایسے سمندر کو الطّم و الرّم کہتے ہیں۔ طمّ علی کذا کے معنی کسی پر چھا جانے کے ہیں۔ اسی سے قیامت کو طامۃ کہا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ انسان کی تخلیق سے آسمان اور ارضی نظام کی تخلیق کو زیادہ اہمیت دینے اور اعادۂ حیات کو تخلیق کائنات سے آسان قرار دینے کے بعد قیامت کا ذکر آیا اور فرمایا: جب قیامت جیسی بڑی آفت آ جائے گی تو لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ وہ اگلی آیت میں مذکور ہے:

یَوۡمَ یَتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰی ﴿۳۵﴾ **۳۵۔ تو اس دن انسان اپنا عمل یاد کرے گا۔**

اس دن جب اس کے اعمال اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے:

اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰی بِنَفۡسِكَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡكَ حَسِیۡبًا ۝ [1] پڑھ اپنا نامۂ اعمال! آج اپنے حساب کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔

جب اس کے سارے اعمال اس کے سامنے رکھ دیے جائیں گے تو اسے یاد آئے گا کہ میں نے یہ سب کیا تھا۔

---

[1] ۱۷ بنی اسرائیل: ۱۴

وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِمَنۡ یَّرٰی ﴿۳۶﴾　۳۶۔ اور دیکھنے والوں کے لیے جہنم ظاہر کی جائے گی۔

تفسیر آیات

ہر دیکھنے والے کے لیے جہنم کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جہنمی اور جنتی دونوں جہنم کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کریں گے:

وَ اِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُہَا ۚ کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتۡمًا مَّقۡضِیًّا ﴿ۚ﴾ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡہَا جِثِیًّا ﴿﴾ [۱]　اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو جہنم پر وارد نہ ہو، یہ حتمی فیصلہ آپ کے رب کے ذمے ہے۔ پھر اہل تقویٰ کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا چھوڑ دیں گے۔

فَاَمَّا مَنۡ طَغٰی ﴿۳۷﴾　۳۷۔ جس نے سرکشی کی،

وَ اٰثَرَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۳۸﴾　۳۸۔ اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی،

فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی ﴿۳۹﴾　۳۹۔ اس کا ٹھکانا یقیناً جہنم ہوگا۔

تفسیر آیات

۱۔ جہنم کا سامنا کرنے کے بعد ان لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا: سرکش، منکرین اور جنہوں نے آخرت کا انکار کیا، دنیوی زندگی کو ترجیح دی اور کہا:

اِنۡ ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا ... [۲]　بس یہی دنیاوی زندگی ہے جس میں ہمیں مرنا اور جینا ہے۔

یعنی جب دنیا و آخرت میں سے ایک کو اختیار کرنے کی نوبت آئی تو آخرت کو ٹھکرا کر دنیا کو ترجیح دی۔

۲۔ فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی: ایسے لوگوں کو جہنم دکھانے کے بعد اس میں ڈال دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے چونکہ جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہوگی۔

وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی ﴿۴۰﴾　۴۰۔ اور جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے،

---

[۱] ۱۹ مریم: ۷۱۔۷۲　[۲] ۲۳ مومنون: ۳۷

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾	۴۱۔ اس کا ٹھکانا یقیناً جنت ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے سرکشی نہیں کی بلکہ غضب الٰہی سے خائف رہے۔ سرکشی کے مقابلے میں دل میں خوف خدا رکھتے تھے۔

۲۔ مَقَامَ رَبِّهٖ: کی ایک تفسیر یہ ہے کہ مقام سے مراد اللہ کی بارگاہ ہے۔ یعنی اللہ کی بارگاہ میں حساب دینے سے خائف رہتے ہیں۔ چونکہ تمام اعمال اللہ کے سامنے انجام پاتے ہیں۔ دوسری تفسیر مقام سے مراد عظمت و جلالت ہے کہ اللہ کی عظمت و جلالت کی وجہ سے خوف آتا ہے، نہ عذاب کی وجہ سے۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ رحمن آیت ۴۶۔

۳۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى: خوف خدا کی وجہ سے وہ اپنے نفسانی ناجائز خواہشات کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔

معرکہ اطاعت وعصیان میں سب سے بڑا داخلی دشمن اور ففتھ کالم نفسانی خواہشات ہیں۔ حدیث ہے:

اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك۔[1]	تیرا بدترین دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوں کے درمیان ہے۔

۴۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى: خوف خدا اور نفس پرستی سے دور رہنے والے جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾	۴۲۔ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہو گی؟
فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾	۴۳۔ آپ کو کیا کام ہے اس (کی حقیقت) کے بیان سے۔
اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾	۴۴۔ اس (کے علم) کی انتہا آپ کے پروردگار کی طرف ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ مشرکین قیامت کے وقت کا تعین چاہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عدم تعین قیامت کے ناممکن ہونے پر دلیل قرار دیتے تھے جب کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے قیامت کے وقت کا تعین نہیں

---

[1] عدة اداعی: ۳۱۴

کیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل ہے چونکہ قیامت کا علم ان باتوں میں سے ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔ اللہ کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔ مُرۡسٰہَا استقرار واثبات کے معنوں میں ہے۔

۲۔ فِیۡمَ اَنۡتَ مِنۡ ذِکۡرٰىہَا: فِیۡمَ اصل میں فی ما ہے۔ حرف جر کی وجہ سے ما کا الف حذف ہوا تو فِیۡمَ ہوگیا عمّ کی طرح۔ اے رسول! آپ کو کیا سروکار ہے قیامت کے وقت کے تعین کے ساتھ۔ یہ موضوع کہ قیامت کب قائم ہوگی آپ کے فرائض میں سے نہیں ہے۔

۳۔ اِلٰی رَبِّکَ مُنۡتَہٰىہَا: اس کا علم صرف اور صرف آپ رب سے مختص ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی: اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ...[1]

اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ یَّخۡشٰہَا ﴿۴۵﴾

۴۵۔ آپ تو صرف اسے تنبیہ کرنے والے ہیں جو اس (قیامت) سے ڈرتا ہے۔

تفسیر آیات

آپ کا فرض منصبی یہ ہے کہ جن لوگوں پر آپ کی تنبیہات اثر کرتی ہیں انہیں تنبیہ کریں۔ قیامت کے لیے زاد راہ کی تیاری کی باتیں کریں اور قیامت کی ہولناکیوں سے بچنے کی راہ بتائیں۔ یہ بتائیں قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں حساب دینا ہے۔

کَاَنَّہُمۡ یَوۡمَ یَرَوۡنَہَا لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوۡ ضُحٰہَا ﴿۴۶﴾ ع

۴۶۔ جب وہ اس قیامت کے دن کا سامنا کریں گے، (ایسا لگے گا) گویا وہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا ایک صبح ٹھہرے ہیں۔

تفسیر آیات

تمہیں قیامت آنے میں دیر محسوس ہو رہی ہے جو پوچھتے ہو کب آئے گی، اتنا وقت گزر گیا ہے ابھی تک آئی نہیں؟ لیکن جب یہ لوگ قیامت کا مشاہدہ کریں گے تو انہیں محسوس ہوگا قیامت بہت جلد آ گئی۔ ہم نے دنیا میں صرف ایک شام یا ایک صبح کا وقت گزارا تھا۔ اس کے مقابلے میں دنیا میں ہم نے آخرت کو فراموش کر کے جو عیش و نوش کیا وہ ایک نہایت مختصر سا وقت تھا۔

---

[1] ۳۱ لقمان: ۳۴

سُورَةُ عَبَسَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ کا نام لفظ عَبَسَ سے ماخوذ ہے جو پہلی آیت میں آیا ہے۔

یہ سورہ مکی ہے۔ آیات کی تعداد کوفہ اور حجاز کی قرائت کے مطابق ۴۲ ہے۔ دوسری قرائتوں کے مطابق ۴۱ اور ۴۰ چالیس ہے۔ سورۃ کا مضمون ایک شخص کے نابینا شخص سے ترش روئی سے پیش آنے کے ذکر پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد انسان کی ناشکری، اس کی خلقت اور زندگی کے دورانیہ کا ذکر ہے۔ پھر یہ سورۃ انسان کی تدبیر حیات میں اللہ کی قدرت کے آثار کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے۔ پھر آخرت کا مشاہدہ کراتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ﴿۱﴾	۱۔ اس نے ترشروئی اختیار کی اور منہ پھیر لیا،
اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ؕ﴿۲﴾	۲۔ ایک نابینا کے اس کے پاس آنے پر۔

تفسیر آیات

اکثر مفسرین نے لکھا ہے:

رسول کریم ﷺ مکے کے چند بڑے سرداروں کو اسلام کی دعوت دینے میں مصروف تھے۔ اس وقت حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند اسلامی تعلیمات بیان کرنے پر اصرار کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مداخلت کو ناپسند فرمایا اور آپؐ نے اس سے بے رخی اختیار کی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

بعض شیعہ مصادر میں آیا ہے:

ترش روئی اختیار کرنے والا بنی امیہ کا ایک شخص تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا۔ اس وقت عبد اللہ بن ام مکتوم آیا تو اس نے منہ چڑھایا اور ترش روئی اختیار کی۔ اس شخص کی مذمت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

اکثر سنی مفسرین کی روایات کے مطابق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے حقیقی مخاطب نہیں ہیں بلکہ ان آیات میں سر دلبراں در حدیث دیگراں کے طور پر اس راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے:

اس عظیم کارواں میں نابینا مؤمن کئی سرداروں سے زیادہ کردار ادا کرسکتا ہے۔ یہی نادار لوگ اس دین کے لیے قربانی پیش کر سکتے ہیں ورنہ مراعات یافتہ لوگ اس دین کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں۔

اس قسم کا طرز خطاب قرآن میں بہت زیادہ ہے کہ مخاطب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قرار دیا گیا ہے جب کہ دوسروں کو سنانا مقصود ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لَئِنۡ اَشۡرَکۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُکَ ....[1] اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضرور حبط ہو جائے گا۔

اس طرح حقیقی مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہیں بلکہ وہ کردار یا وہ سوچ ہے جو دنیا والوں پر حاکم ہے، جس کے تحت ناداروں کے ساتھ بے اعتنائی برتی جاتی ہے اور تمام تر اہمیت مراعات یافتہ طبقے کو مل جاتی ہے۔

لہٰذا اس واقعے کو رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی غلطی شمار کرنا تو دور کی بات ہے، ترک اولیٰ بھی نہیں ہے۔

۱۔ عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی: سیاق آیت شیعہ روایت کے مطابق ہے چونکہ آیت میں براہ راست نبی سے خطاب نہیں فرمایا اور یہ نہیں فرمایا عَبَسۡتَ تو نے ترش روئی کی بلکہ فرمایا اس نے ترش روئی کی۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترش روئی کسی اور نے کی تھی۔

وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ۙ﴿۳﴾

اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَہُ الذِّکۡرٰی ؕ﴿۴﴾

۳۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔

۴۔ یا نصیحت سنتا اور نصیحت اسے فائدہ دیتی۔

تفسیر آیات

خطاب اگرچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہے اور سنانا مقصود ہے ان لوگوں کو جو اس محروم طبقے کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔ یعنی جنہیں تم نظر انداز کرتے ہو تمہیں کیا معلوم وہی پاکیزگی حاصل کرتے ہیں اور کل اسلامی

---

[1] ۳۹ زمر: ۶۵

معاشرے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کریں گے۔ چنانچہ یہی نابینا عبد اللہ ابن ام مکتوم کو رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ اپنا جانشین بنایا جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔

اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۵﴾ ۵۔ اور جو (اپنے آپ کو حق سے) بے نیاز سمجھتا ہے،

فَاَنۡتَ لَہٗ تَصَدّٰی ؕ﴿۶﴾ ۶۔ سو آپ اس پر توجہ دے رہے ہیں۔

تفسیر آیات

اس کردار اور اس سوچ کی طرف اشارہ ہے جو دنیا والوں پر حاکم ہے جس کے تحت تمام تر اہمیت مراعات یافتہ طبقے کو مل جاتی ہے۔ اسۡتَغۡنٰی سے مراد اپنے آپ کو حق سے بے نیاز سمجھنے والا ہو سکتا ہے اور مالی اعتبار سے بے نیاز سمجھنے والا بھی ہو سکتا ہے۔

سردلبراں در حدیث دیگران کے طور پر فرمایا: جو مالدار اور دولت والا ہے آپ ساری توجہ اس کو دیتے ہیں۔ لہجہ کلام میں بظاہر رسول ﷺ سے خطاب میں اس بات کی شدید تاکید ہے کہ اسلامی معاشرے میں مراعات یافتہ طبقہ کو غریبوں پر فوقیت نہیں ملنی چاہیے۔

وَ مَا عَلَیۡکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ؕ﴿۷﴾ ۷۔ اور اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ بھی کرے تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

تفسیر آیات

اس امیر شخص پر زیادہ توجہ دینے سے آپ کی غرض یہ ہے کہ یہ امیر شخص اسلام میں داخل ہو کر اپنے آپ کو شرک کی کثافت سے پاک کرے لیکن یہ شخص شرک سے پاک ہونا نہیں چاہتا تو آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ آپ کے ذمے غیر مبہم الفاظ میں حق کا پیغام پہنچانا ہے۔

وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی ۙ﴿۸﴾ ۸۔ اور لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا،

وَ ہُوَ یَخۡشٰی ۙ﴿۹﴾ ۹۔ اور وہ خوف (خدا) بھی رکھتا تھا،

فَاَنۡتَ عَنۡہُ تَلَہّٰی ﴿۱۰﴾ ۱۰۔ اس سے تو آپ بے رخی کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ مراعات یافتہ شخص کا تقابل ایک مؤمن کے ساتھ ہو رہا ہے۔ وہ مراعات یافتہ شخص اپنی امیری

اور بے نیازی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔اس کے مقابلے ایک نادار مؤمن آپ کے پاس اشتیاق سے چل کر آتا ہے۔

۲۔ یَسۡعٰی : اشتیاق کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مؤمن آپ کی بارگاہ میں سعی و اشتیاق سے آتا ہے۔ سعی سے مراد تیز قدم والا دوڑنا نہیں ہے۔ایک نابینا دوڑ نہیں سکتا بلکہ اس سے مراد اشتیاق ہے۔

۳۔ وَ ہُوَ یَخۡشٰی : وہ مؤمن دل میں یہ خوف رکھتا ہے کہ اطاعت الٰہی میں کوتاہی نہ ہو۔اس خوف کی وجہ سے وہ بڑے اشتیاق و رغبت کے ساتھ آپ کے پاس آیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرض منصبی یہ ہے کہ جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف ہو، ان کی تنبیہ کریں:

اِنَّمَا تُنۡذِرُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ ۔[1] آپ تو صرف انہیں ڈرا سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں

۴۔ فَاَنۡتَ عَنۡہُ تَلَہّٰی : پھر بھی آپ اس سے بے رخی کرتے ہیں۔یعنی شوق و رغبت کے ساتھ آپ سے کچھ سیکھنے آتا ہے اور اس کے دل میں خوف خدا بھی ہوتا ہے۔کیا اس ایمانی دولت سے مالا مال شخص سے وہ شخص زیادہ قابل توجہ ہے جس کے پاس مال دنیا ہے؟

یہ آیت بھی اس کردار اور اس سوچ کی طرف اشارہ ہے جو دنیا والوں پر حاکم ہے جس کے تحت تمام تر اہمیت مراعات یافتہ طبقہ کو مل جاتی ہے۔

کَلَّاۤ اِنَّہَا تَذۡکِرَۃٌ ﴿ۚ۱۱﴾　　۱۱۔ (ایسا درست) ہرگز نہیں! یہ (آیات) یقیناً نصیحت ہیں۔

فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ ﴿ۘ۱۲﴾ وقف لازم　　۱۲۔ پس جو چاہے! انہیں یاد رکھے۔

تفسیر آیات

۱۔ کَلَّاۤ : ایسا ہرگز نہیں کہ اس قرآن کی حقانیت مراعات یافتہ لوگوں کے ایمان لانے پر موقوف ہو۔

۲۔ اِنَّہَا تَذۡکِرَۃٌ : یہ آیات نصیحت ہیں۔ ان آیات کا مخاطب انسان کا قلب و ضمیر ہے۔ لہٰذا ان آیات کی پوری توجہ پاکیزہ ضمیر والوں پر ہے جو راہ حق پر آنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہدایت ان لوگوں کو ملے گی جو ہدایت چاہتے ہیں اور جن کے قلب و ضمیر مردہ اور ہدایت کے خواہاں نہ ہوں وہ ہدایت حاصل نہیں کریں گے:

اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿﴾[2]　　(اے رسول) جسے آپ چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

---

[1] ۳۵ فاطر: ۱۸　[2] ۲۸ قصص: ۵۶

فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ﴿۱۳﴾ ۱۳۔ یہ محترم صحیفوں میں ہیں۔

مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍۭ ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ جو بلند مرتبہ، پاکیزہ ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ قرآن ایسے صحیفوں میں مدّون ہے جو مکرم اور قابل ستائش ہیں۔ یہ قابل ستائش صحیفے کون سے ہیں جن میں قرآن پہلے سے مدوّن ہے؟ بعض کے نزدیک یہ لوح محفوظ ہے۔ چنانچہ فرمایا:

بَلۡ ہُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ ۙ﴿﴾ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿﴾[1] بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے۔ لوح محفوظ میں (ثبت) ہے۔

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن ارضی صحیفوں سے پہلے ملکوتی صحیفوں میں مدوّن تھا۔ سورہ اعلیٰ آیت ۱۸ میں فرمایا:

اِنَّ ہٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ﴿﴾ صُحُفِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی ﴿﴾[2] پہلے صحیفوں میں بھی یہ بات (مرقوم) ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

قرآن میں جب یہ صراحت موجود ہے کہ قرآن لوح محفوظ میں ہے تو یہ کہنا درست نہیں ہے کہ لوح محفوظ صرف ایک ہی صحیفے کا نام ہے۔

۲۔ مَّرۡفُوۡعَۃٍ: بلند مرتبہ ہے یا یہ کہ قرآن ہر قسم کے شبہ اور تضاد گوئی سے بالاتر ہے یا یہ کہ قرآن انسان کی قدرت سے بالاتر ہے کہ اس جیسا بنایا جا سکے۔

۳۔ مُّطَہَّرَۃٍ: ایسی پاکیزہ کتاب ہے جس تک ناپاک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا کہ اس میں تحریف کرے اور تبدیلی لائے:

لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ...[3] باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔

لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ ﴿﴾[4] جسے صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔

بِاَیۡدِیۡ سَفَرَۃٍ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ یہ ایسے (فرشتوں کے) ہاتھوں میں ہیں

کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ جو عزت والے، نیک ہیں۔

تشریح کلمات

سَفَرَۃٍ: السَّفر اصل میں پردہ اٹھانے کے معنوں میں ہے۔ السِّفر کتاب کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اسفار

---

[1] ۸۵ بروج: ۲۱۔۲۲ [2] ۸۷ اعلیٰ: ۱۸۔۱۹ [3] ۴۱ حٰمٓ سجدہ: ۴۲ [4] ۵۶ واقعہ: ۷۹

ہے۔ اسی سے فرستادہ کو سفیر کہتے ہیں جو مُرْسِل کی غرض مرسل الیہ پر کھولتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ قرآن ایسے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے جو اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان سفارت کا کام کرتے ہیں۔ یعنی یہ کلام اللہ جب اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتا ہے اور فرشتہ ہائے وحی کے سپرد ہو جاتا ہے تو وہ اسے انبیاء علیہم السلام تک پہنچا دیتے ہیں:

لَا یَسۡبِقُوۡنَہٗ بِالۡقَوۡلِ وَ ہُمۡ بِاَمۡرِہٖ یَعۡمَلُوۡنَ ۝[۱] | وہ تو اللہ (کے حکم) سے پہلے بات (بھی) نہیں کرتے اور اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

سَفَرَۃٍ سے مراد سفیر لینا ہی مناسب ہے چونکہ فرشتے پیغام رسانی کا کام کرتے ہیں:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ....[۲] | اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والا منتخب کرتا ہے۔

بعض مترجمین اور مفسرین نے سَفَرَۃٍ سے مراد کاتبین لیے ہیں جس کا سیاق آیت سے کوئی ربط نہیں ہے۔

اس سے بھی بعید تر ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد قارئین و کاتبین قرآن ہیں۔ اس نظریہ کی نفی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا:

مثل الذی یقرء القرآن و ہو حافظ لہ مع السفرۃ الکرام البررۃ ۔[۳] | جو قرآن کی قرائت کرتا ہے اور وہ اس کے (احکام) کی حفاظت بھی کرتا ہے وہ سفرۃ الکرام البررۃ کے ساتھ ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

الحافظ للقرآن و العامل بہ مع السفرۃ الکرام البررۃ۔[۴] | جو قرآن حفظ کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے وہ ان کے ساتھ ہوگا جو سفرۂ کرام سے متصف ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ خود سفرہ کرام نہیں ہیں۔

۲۔ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ: یہ سفیران وحی، کرام یعنی قابل ستائش، عزت والے ہیں۔ بَرَرَۃٍ نیکی کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ فراوان اور وسیع نیکی کرنے والے ہیں۔ چونکہ بِرّ میں وسعت کے معنی پائے جاتے ہیں۔

قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ ﴿۱۷﴾ | ۱۷۔ ہلاکت میں پڑ جائے یہ انسان، یہ کس قدر ناشکرا ہے۔

---

[۱] ۲۱ انبیاء: ۲۷ [۲] ۲۲ حج: ۷۵ [۳] صحیح بخاری [۴] مجمع البیان

تفسیر آیات

۱۔ قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ: کہتے ہیں یہ جملہ عربی محاورہ میں اس سے پہلے استعمال نہیں ہوا۔ یہ شدید عذاب کے لیے ایک بدعا ہے چونکہ انسان کے لیے اس کی زندگی چھیننے سے بدتر عذاب نہیں ہے۔ قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ ایسے ہے جیسے ہم مردہ باد کہتے ہیں۔

۲۔ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ: یعنی مردہ باد یہ انسان کس قدر ناشکرا ہے یا کس قدر کفر کرتا ہے۔ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ کی ترکیب تعجب کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ وجہ تعجب اگلی آیات میں بیان ہوئی ہے۔

مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ ﴿۱۸﴾
مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ﴿۱۹﴾

۱۸۔ (یہ نہیں سوچتا کہ) اسے اللہ نے کس چیز سے بنایا ہے؟
۱۹۔ نطفے سے بنایا ہے پھر اس کی تقدیر بنائی۔

تفسیر آیات

مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ: اللہ نے اسے ایک نطفہ سے خلق کیا ہے جو نہایت حقیر اور ناتواں تھا اور نطفے کی حالت میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اسے اللہ نے ہی ایک حیثیت والی مخلوق بنایا۔ مشرکین اللہ کو خالق تسلیم کرتے تھے۔ اس لیے انہیں تخلیق کے ذریعے تنبیہ فرمائی ہے۔

۲۔ فَقَدَّرَہٗ: اللہ نے انسان کو خلق فرما کر اپنے حال پر نہ چھوڑا بلکہ اس کی تخلیق کے بعد اس کی خلقت کے ماورا اس کی بقاء وارتقا کے لیے ضروری نظام وضع فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

قَدۡ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیۡءٍ قَدۡرًا ﴿﴾ [1]
تحقیق اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

مزید تشریح کے لیے سورہ طلاق آیت ۲ اور سورہ طٰہٰ آیت ۵۰ ملاحظہ فرمائیں۔

ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَہٗ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ پھر اس کے لیے راستہ آسان بنا دیا۔

تفسیر آیات

انسان کے لیے جب تقدیر بنائی اور اس کی زندگی کے لیے نظام بنایا تو یہ تقدیر انسان کی خودمختاری کی منافی اور متضاد نہیں ہے۔ تقدیر کے ساتھ اس کی ہدایت کا راستہ آسان بنا دیا ہے اور سبیل ہدایت خود اس کے وجود میں میسر فرمائی ہے:

---

[1] ۶۵ طلاق: ۳

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىہَا ۪ۙ فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا ۪ۙ [1]　　اور نفس کی اور اس کی جس نے اسے معتدل کیا، پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی.

اس آیت میں واضح طور پر بتایا ہے کہ نفس کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر و شر، پاکیزگی و پلیدی، فسق و فجور اور تقویٰ کی سمجھ ودیعت فرمائی ہے۔ لہٰذا انسان کو اچھائی اور برائی کی پہچان کے لیے دور جانا نہیں پڑتا۔ خود انسان کے نفس میں اس کی رہنمائی موجود ہے۔ البتہ یہ نفس رہنمائی کے قابل اس وقت ہو گا جب اسے پاک اور شفاف رکھا جائے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىہَا ۪ۙ [2]　　تحقیق جس نے اسے پاک رکھا کامیاب ہوا۔

ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقۡبَرَہٗ ﴿۲۱﴾　　۲۱۔ پھر اسے موت سے دوچار کیا پھر اسے قبر میں پہنچا دیا۔

تفسیر آیات

۱۔ اَمَاتَہٗ: یہ کافر انسان نہیں دیکھتا کہ وہ تدبیر الٰہی کے ہاتھوں کس قدر بے بس ہے کہ اس سے اللہ زندگی چھین لیتا ہے اور وہ بدبودار مردار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

۲۔ فَاَقۡبَرَہٗ: پھر اللہ اسے زیر زمین دفنانے کا حکم دے کر اسے خاک کے شکم میں ڈال دیتا ہے تاکہ لوگ اس کے تعفن سے محفوظ رہیں۔ دفن کرنے کا اللہ نے حکم دیا اور انسان کو اس بات کی سمجھ دی ہے۔ اس لیے اقبر کی نسبت اللہ کی طرف دی گئی۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنۡشَرَہٗ ﴿۲۲﴾　　۲۲۔ پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا۔

تفسیر آیات

نشر پھیلانے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ دوبارہ اٹھانے کے لیے استعمال فرمایا ہے۔ گویا انسانوں کو قبروں سے اٹھا کر میدان حشر میں پھیلا دیا جائے گا۔ اِذَا شَآءَ ”جب چاہے“ اس لیے فرمایا کہ قیامت کا برپا ہونا صرف علم خدا میں ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقۡضِ مَاۤ اَمَرَہٗ ﴿۲۳﴾　　۲۳۔ ہرگز نہیں! اللہ نے جو حکم اسے دیا تھا اس نے اسے پورا نہیں کیا۔

---

[1] ۹۱ شمس: ۷۔۸　　[2] ۹۱ شمس: ۹

تفسیر آیات

ا۔ کَلَّا: یہ حرف ردع وزجر ہے اور سابقہ کلام کی نفی کے لیے آتا ہے۔ اس جگہ کَلَّا کی تفسیر میں دشواری پیش آئی ہے۔ میرے نزدیک یہ کَلَّا کافر کے ذہن میں اٹھنے والے ایک سوال کا جواب ہے کہ مرنے کے بعد کافر یہ تمنا کرے گا کہ نجات کا کوئی راستہ مل جائے۔ جواب آئے گا: کَلَّا ہرگز نہیں۔ یعنی نجات کا کوئی راستہ نہیں جب تک امرخدا کی تعمیل نہ ہو جائے۔ لَمَّا یَقۡضِ مَاۤ اَمَرَہٗ قرینہ ہے اس سوال پر جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَہُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ۙ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا ....[1]

(یہ غفلت میں پڑے ہیں) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ لے گی تو وہ کہے گا: اے پروردگار! مجھے واپس دنیا میں بھیج دے، جس دنیا کو چھوڑ کر آیا ہوں شاید اس میں عمل صالح بجا لاؤں، ہرگز نہیں،

چنانچہ عمل صالح اور مَاۤ اَمَرَہٗ دونوں عبارتوں کا مضمون ایک ہے چونکہ جس کا حکم اللہ دیتا ہے وہ عمل صالح ہوتا ہے۔

فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖۤ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ پس انسان کو اپنے طعام کی طرف نظر کرنی چاہیے،

تفسیر آیات

وہ انسان جو اللہ کی ربوبیت کا منکر ہے اور تدبیر حیات کا سرچشمہ اللہ کے سوا کسی اور دیوتا کو قرار دیتا ہے وہ اپنے طعام کی طرف ایک فکری نظر ڈالے تو اسے پتہ چلے کہ جس طرح یہ مشرک اللہ کو خالق مانتا ہے، اللہ رازق بھی ہے۔ انسانی جسم کو تحلیل ہونے کے نتیجے میں طعام کا محتاج بنایا ہے اور بغیر طعام کے یہ انسان اپنی زندگی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ دیکھنا یہ ہے اس ضرورت کو کون پورا کر رہا ہے؟ وہی رب اور وہی مدّبر ہے چونکہ خلق و تدبیر ناقابل تفریق ہیں۔ اسی طرح خلق و رزق بھی ناقابل تفریق ہیں چونکہ تخلیق مسلسل کا نام رزق ہے۔ جیسا کہ اگلی آیات میں مذکور ہے۔

اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾

۲۵۔ کہ ہم نے خوب پانی برسایا،

ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر ہم نے زمین کو خوب شگافتہ کیا،

---

[1] ۲۳ مومنون: ۹۹۔۱۰۰

فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا حَبًّا ﴿ۙ۲۷﴾	۲۷۔ پھر ہم نے اس میں دانے اگائے،
وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ﴿ۙ۲۸﴾	۲۸۔ نیز انگور اور سبزیاں،
وَّ زَیۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ﴿ۙ۲۹﴾	۲۹۔ اور زیتون اور کھجوریں،
وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴿ۙ۳۰﴾	۳۰۔ اور گھنے باغات،
وَّ فَاکِهَۃً وَّ اَبًّا ﴿ۙ۳۱﴾	۳۱۔ اور میوے اور چارے بھی،

تشریح کلمات

اَبًّا: (ا ب ب) الاب اس گھاس کو کہتے ہیں جو جانوروں کے چرنے کے لیے تیار ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ: ان آیات میں طعام کی فراہمی کے جن اسباب وعلل کو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا ہے اور ان سے کام لیا گیا ہے ان کا ذکر ہے۔ ان میں سے اہم چیز پانی ہے۔ پانی کو خشکی تک پہنچانے کے لیے قدرت نے جو نظام بنایا ہے وہ نہایت محیر العقل ہے۔ وہ نظام حسب ذیل ہے:

الف۔ سمندر کی شکل میں پانی وافر مقدار میں مہیا فرمایا۔

ب۔ اس وافر پانی پر سورج کی تابش مسلط کر دی۔

ج۔ سورج کی حرارت کی وجہ سے پانی بخارات میں تبدیل ہوا۔

د۔ پانی بخارات میں تبدیل کرتے ہوئے اسے شیرین بنایا ورنہ کھارے پانی سے زمین میں روئیدگی نہ آتی۔ چنانچہ فرمایا:

لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡ لَا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ [1]	اگر ہم چاہیں تو اسے کھارا بنا دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟

ھ۔ ان بخارات سے بادلوں کی تشکیل کی جاتی ہے۔

و۔ ہوا کے ذریعے ان بادلوں کو خشکی کی طرف روانہ کیا جاتا ہے:

وَ هُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ .... [2]	اور وہی تو ہے جو ہواؤں کو خوش خبری کے طور اپنی رحمت کے آگے آگے بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ ابر گراں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم انہیں کسی مردہ زمین کی طرف ہانک دیتے ہیں

---

[1] ۵۶ واقعہ: ۷۰   [2] ۷ اعراف: ۵۷

ز۔ پھر ان بادلوں کو گھنا کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے بادل ایک دوسرے پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ اس دباؤ کی وجہ سے بخارات دوبارہ پانی میں تبدیل ہو جاتے ہیں:

وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ [1] اور بادلوں سے ہم نے موسلادھار پانی برسایا۔

اس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے طعام کی فراہمی کے لیے اہم چیز یعنی پانی کی فراہمی کا انتظام فرمایا۔

۲۔ ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ: دوسری اہم چیز زمین کی روئیدگی ہے۔ خاک میں موجود عناصر اس وقت بیدار اور فعال ہو جاتے ہیں جب ان پر پانی پڑ جاتا ہے:

فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہَا الۡمَآءَ اہۡتَزَّتۡ وَ رَبَتۡ ... [2] جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو یہ جنبش میں آ جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے۔

ممکن ہے آیت میں لفظ اہۡتَزَّتۡ (جنبش) عناصر کے فعال ہونے کی طرف اشارہ ہو اور لفظ وَ رَبَتۡ عناصر کی ترکیب کی طرف اشارہ ہو۔ ان دو مرحلوں کے بعد اَنۡۢبَتَتۡ کا مرحلہ آتا ہے۔

پانی پڑنے پر خاکی عناصر کا فعال ہونا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے۔ چنانچہ پانی پڑنے پر یہ ارضی عناصر بیج کی خواہش کے مطابق جڑ جاتے ہیں، روئیدگی شروع ہو جاتی ہے، زمین کا شکم چیر کر روئے زمین پر نمودار ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔

۳۔ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا حَبًّا: پانی اور خاک کے ملاپ کے بعد خاکی عناصر جب بیدار ہو جاتے ہیں تو یہ عناصر زمین میں آنے والے بیج کی خواہش کے مطابق آپس میں جڑ جاتے ہیں۔

قدرت کی ایک اہم ترین نشانی یہ ہے کہ دانہ جب زیر زمین جاتا ہے اور پانی میسر آنے پر ماحول سازگار ہو جاتا ہے تو اس دانے میں عجیب قسم کا شعور موجود ہے کہ زمین میں موجود مختلف عناصر میں سے صرف ان عناصر کو جذب کرتا ہے جن سے اس دانے کی مطلوبہ چیز ترکیب پاتی ہے۔ اگر یہ بیج گندم کا ہے تو یہ دانہ صرف ان عناصر کو جذب کرتا ہے جن سے گندم کا دانہ وجود میں آتا ہے۔ اگر یہ بیج انگور کا ہے تو اس بیج میں یہ شعور موجود ہے کہ صرف ان عناصر کو جذب کرے جن کی ترکیب سے انگور وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح زیتون، کھجور و دیگر ہزار قسم کے میوہ جات اور دانے عناصر کی ترکیب سے وجود میں آتے ہیں۔ یعنی عناصر کی ترکیب مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف نباتات وجود میں آتے ہیں: یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ... [3] سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، لہٰذا نبات کا اختلاف پانی کی وجہ سے نہیں ہے۔ ارضی عناصر کی مختلف ترکیبوں کی وجہ سے ہے۔

مَّتَاعًا لَّکُمۡ وَ لِاَنۡعَامِکُمۡ ﴿۳۲﴾ ۳۲۔ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زندگی کے طور پر۔

---

[1] ۷۸ نباء: ۱۴ [2] ۲۲ حج: ۵ [3] ۱۳ رعد: ۴

تفسیر آیات

زمین سے ان مختلف چیزوں کو نکالنے کا مقصد یہ ہے کہ ان چیزوں سے انسانوں اور حیوانوں کے لیے سامان زیست فراہم ہو سکے، وہ حیوانات جو انسانوں کے کام آتے ہیں۔ لہٰذا یہ سارا نظام انسان کو سامان حیات فراہم کرنے کے لیے اللہ نے بنایا ہے تو کیا ممکن ہے نظام بنانے والا اللہ ہو اور تدبیر کرنے والا کوئی اور ہو۔ اسی لیے ہم نے تکراراً بیان کیا ہے کہ خلق و تدبیر قابل تفریق نہیں ہیں۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾	۳۳۔ پھر جب کان پھاڑ آواز آئے گی،
یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ ﴿٣٤﴾	۳۴۔ تو جس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا،
وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیۡهِ ﴿٣٥﴾	۳۵۔ نیز اپنی ماں اور باپ سے،
وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیۡهِ ﴿٣٦﴾	۳۶۔ اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد سے بھی۔

تشریح کلمات

الصَّآخَّةُ : (ص خ خ) کان پھاڑنے والی آواز۔

تفسیر آیات

۱۔ الصَّآخَّةُ: کان پھاڑنے والی آواز سے مراد صور پھونکنے کی آواز ہے جس سے سب زندہ ہو جائیں گے۔

۲۔ یَوۡمَ یَفِرُّ :صور پھونکنے کے دن یعنی قیامت کے دن تمام رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ قریب ترین رشتے داروں کو دیکھ کر بھاگ جائیں گے کہ کسی حق کا مطالبہ نہ کریں اور ممکن ہے مؤمنین اپنے غیر مؤمن قریبی رشتہ داروں سے دوری اختیار کریں گے اور کوئی ہمدردی نہیں کریں گے اگرچہ اپنے والدین اور بیٹے کیوں نہ ہوں نیز اس امکان کا بھی بعض نے اظہار کیا ہے یہ دوری اس لیے اختیار کریں گے کہ اپنے غیر مؤمن رشتہ داروں پر آنے والی ہولنا کیوں کا مشاہدہ نہ کرنا پڑے۔

حضرت علی علیہ السلام روایت ہے آپ نے فرمایا: اذا تعاونوا علی الظلم و العدوان فی دار الدنیا۔ [۱] اپنے رشتہ داروں سے اس صورت میں بھاگیں گے اگر ان لوگوں نے دنیا میں ظلم و عداوت پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا ہے۔

---

[۱] بحار الانوار: ۷: ۳۱۳ باب ۱۶

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

الا من کان علی ولایۃ علی بن ابی طالب، فانہ لا یفر ممن والاہ و لا یعادی من احبہ و لا یحب من ابغضہ۔[۱]

مگر یہ کہ علی بن ابی طالب کی ولایت پر قائم ہو چونکہ جس نے علی سے محبت کی ہے اس سے نہیں بھاگے گا اور جس نے علی سے محبت کی ہے اس سے دشمنی نہیں کرے گا اور جس نے علی سے بغض کیا ہے اس سے محبت نہیں کرے گا۔

چنانچہ دیگر قرآنی شواہد کے مطابق مؤمن اپنے رشتہ داروں سے نہیں بھاگیں گے:

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ﴿۸﴾ وَّ یَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَہۡلِہٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾ [۲]

پس جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس سے عنقریب ہلکا حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوشی سے پلٹے گا۔

بلکہ مؤمنین اپنے نیک باپ، ازواج اور اولاد کی شفاعت کریں گے اگر وہ کم درجے پر ہوں:

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَ اَزۡوَاجِہِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ ...۔[۳]

ایسی دائمی جنتیں ہیں جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آبا اور ان کی بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی۔

اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿ؕ﴾ [۴]

اس دن دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔

پس اگر متقی ہیں تو دوست بھی دوست رہیں گے۔ رشتہ داروں سے بھاگنے کی نوبت تو دور کی بات ہے:

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡہُمۡ ذُرِّیَّتُہُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَ مَاۤ اَلَتۡنٰہُمۡ مِّنۡ عَمَلِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ...۔[۵]

اور جو لوگ ایمان لے آئے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ان کی اولاد کو (جنت میں) ہم ان سے ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے ہم کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں وارد روایات کے مطابق کم درجے کی مؤمن اولاد کو اول درجے کے والدین کے ساتھ درجہ دیں گے باپ کا درجہ کم کر کے نہیں۔ البتہ اپنے رشتہ داروں سے بھاگنے کے بارے میں جیسا کہ اس آیت میں ہے، یہ آیت غیر مؤمن کافروں کے لیے ہے۔

یَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ لَوۡ یَفۡتَدِیۡ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِئِذٍۭ بِبَنِیۡہِ ﴿ۙ﴾ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ اَخِیۡہِ ﴿ۙ﴾ وَ

مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو فدیہ میں دے دے، اور اپنی زوجہ

---

[۱] تفسیر فرات، المناقب شهر آشوب، بحار الانوار ۷: ۱۸۶

[۲] ۸۴ انشقاق: ۷۔۹ [۳] ۱۳ رعد: ۲۳ [۴] ۴۳ زخرف: ۶۷ [۵] ۵۲ طور: ۲۱

فَصِيۡلَتِهِ الَّتِىۡ تُـئۡوِيۡهِ ۙ‏ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۙ ثُمَّ يُنۡجِيۡهِ ۙ‏ اور اپنے بھائی کو بھی، اور اپنے اس خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا، اور روئے زمین پر بسنے والے سب کو (تاکہ) پھر اپنے آپ کو نجات دلائے۔

لِكُلِّ امۡرِىٴٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَـئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ ؕ‏ ۳۷۔ ان میں سے ہر شخص کو اس روز ایسا کام درپیش ہوگا جو اسے مشغول کر دے۔

تفسیر آیات

کسی کو کسی کی فریاد رسی کا ہوش نہ ہوگا۔ نہ ممتا کی محبت باقی رہے گی، نہ باپ کو بیٹے کے ساتھ ہمدردی رہے گی۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھنے میں مشغول ہوگا اور اپنی عاقبت بد پر آنسو بہا رہا ہوگا۔

جیسا کہ سورہ معارج کی آیات ۱۱ تا ۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرم اپنے رشتہ داروں کو فدیہ میں دے کر خود آزاد ہونا چاہتا ہے اگر اس سے ہو سکے۔[1]

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَـئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ۙ‏ ۳۸۔ کچھ چہرے اس روز چمک رہے ہوں گے۔

ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ۚ‏ ۳۹۔ خنداں و شاداں ہوں گے۔

وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَـئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ۙ‏ ۴۰۔ اور کچھ چہرے اس روز خاک آلود ہوں گے۔

تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ‏ ۴۱۔ ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔

تشریح کلمات

سفرۃ: (س ف ر) اس کے معنی پردہ اٹھانے کے ہیں۔ روشنی اور خوشی سے چہرہ کھلنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

غبرۃ: (غ ب ر) غبار آلود

ترھق: (ر ھ ق) الرھق بزور دبانا، چھا جانا۔

قَتَرَۃٌ: (ق ت ر) بخل اور تنگدستی کے معنوں میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور دھویں کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت میں دھویں کی طرح سیاہی مراد لی گئی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَـئِذٍ: قیامت کے دن دو گروہوں کی حالت کا بیان ہے۔ کچھ چہرے قیامت کی

---

[1] ۷۰ معارج ۱۱ تا ۱۴

ہولنا کیوں میں خوشی سے چمک رہے ہوں گے۔

۲۔ ضَاحِکَۃٌ مُّسۡتَبۡشِرَۃٌ: اس قیامت کے دن خنداں اور شاداں ہونا نہایت خوش نصیبی ہے:

یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَۨا ۝[1] اس دن جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا۔

۳۔ وَوُجُوۡہٌ: ان کے مقابلے میں منکرین کے چہرے غبار آلود سیاہ ہوں گے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تَرَی الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلَی اللّٰہِ وُجُوۡہُہُمۡ مُّسۡوَدَّۃٌ ...[2] اور جنہوں نے اللہ کی نسبت جھوٹ بولا قیامت کے دن آپ ان کے چہرے سیاہ دیکھیں گے۔

ع ۵ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکَفَرَۃُ الۡفَجَرَۃُ ﴿۴۲﴾ ۴۲۔ یہی کافر اور فاجر لوگ ہوں گے۔

تفسیر آیات

یہ حال ان لوگوں کا ہو گا جو کافر ہونے کے ساتھ ساتھ فاجر بھی ہیں۔ یعنی عقیدۃً کافر ہیں اور عملاً فاجر۔

قاہرہ مشہد رأس الحسین علیہ السلام کے دروازے پر لکھا ہے:

یا بنی الزہراء والنور الذی ظن موسیٰ انہ نار قبس
لا اوالی الدہر من عادا کم انہم آخر سطر فی عبس

اے اولاد زہراء (سلام اللہ علیہا) اس نور کی قسم! جسے موسیٰ نے آگ کا شعلہ تصور کیا تھا۔ میں تمہارے دشمنوں سے ابداً دوستی نہیں کروں گا۔ چونکہ وہ سورہ عبس کی آخری سطر ہیں یعنی کافر و فاجر ہیں۔

---

[1] مزمل: ۱۷
[2] زمر: ۶۰

سُوۡرَةُ التَّكۡوِير

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلی آیت میں مذکور لفظ کُوِّرَتۡ سے ماخوذ ہے۔

مضمون سورۃ سے معلوم ہوتا ہے یہ سورۃ رسالت کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی ہے۔

سورۃ مبارکہ کا مضمون قیام قیامت کی منظر کشی پر مشتمل ہے جس میں فرمایا: قیام قیامت کے وقت موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ سورج بے نور ہو جائے گا۔ ستارے پراگندہ ہو جائیں گے۔ سمندر آتشین ہو گا۔ آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا۔ چنانچہ جنت و جہنم دونوں اپنے اپنے مہمانوں کی میزبانی کے لیے تیار ہوں گے۔

مضمون کا دوسرا حصہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی حقانیت پر مشتمل ہے۔ ابتدائے بعثت میں یہی دو مسائل لوگوں کے لیے موضوع بحث تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۪ۙ﴿۱﴾ — ۱۔ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا،

وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ۪ۙ﴿۲﴾ — ۲۔ اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے،

تشریح کلمات

کُوِّرَتۡ: (ك و ر) لپیٹ لینے کے معنوں میں ہے۔

انۡکَدَرَتۡ: (ك در) انکد کے معنی کسی چیز میں گدلا پن کے ہیں اور یہ صفا (صفائی) کی ضد ہے۔

تفسیر آیات

اس سورہ مبارکہ کی ایک سے ۱۴ تک آیات میں قیام قیامت سے متعلق ایسے حقائق بیان ہوئے ہیں جو آج کے کائناتی نظام سے مانوس ذہنوں کے لیے نہایت حیرت انگیز اور دشوار فہم ہیں کہ موجودہ نظام

کائنات درہم برہم ہو جائے گا اور ایک جہان نو کی تعمیر ہو گی۔ مختلف حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان نو کا قانون زیست، موجودہ کائنات کے قانون حیات سے مختلف ہو گا۔

ا۔ اس کائناتی انقلاب کا ذکر، سورج جو مصدر حیات ہے کی تبدیلی کے ذکر سے شروع ہوتا کہ سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ ہمارے لیے سورج لپیٹ لینا آسانی سے قابل فہم نہیں ہے لیکن ہم اس کائناتی انقلاب کے حقائق سے بہت دور ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡکُتُبِ ...[1] اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح طومار میں اوراق لپیٹتے ہیں۔

تفسیراحسن الحدیث تالیف سید علی اکبر قرشی میں سائنسدانوں کے حوالے سے لکھا ہے:

جب سورج کا مرکز بے نور ہو جائے گا تو یہ بے نور شدہ حصہ بیرونی حصے پر منتقل ہو جائے گا اور بیرونی حصہ مرکز کی طرف منتقل ہو جائے گا اور یہ وہی لپیٹ کے معنوں میں ہے۔

لیکن ہم سائنسی تھیوری سے قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتے صرف ایک احتمال کا ذکر ہے۔

۲۔ نجوم بھی اپنی جگہ ہمارے سورج کی طرح ہیں بلکہ بعض نجوم ہمارے سورج سے کئی ملین بڑے ہیں۔ یہ سب نجوم بے نور ہو جائیں گے۔ یعنی پوری کائنات اپنی بیکراں وسعت کے باوجود بے نور اور نابود ہو جائے گی۔

وَ اِذَا الۡجِبَالُ سُیِّرَتۡ ۪ۙ﴿۳﴾ ۳۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے،

تفسیر آیات

دوسری آیات میں آیا ہے کہ پہاڑ هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا[2] منتشر غبار بن جائیں گے جیسے آتش فشانوں سے غبار اٹھتے ہوئے ہم نے دیکھا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۔[3] پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔

وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۪ۙ﴿۴﴾ ۴۔ اور جب حاملہ اونٹنیاں (اپنے حال پر) چھوڑ دی جائیں گی،

تشریح کلمات

الۡعِشَارُ : (ع ش ر) وہ اونٹنی جس کے حمل کو دس مہینے ہوگئے ہوں۔

---

[1] ۲۱ انبیاء: ۱۰۴ [2] ۲۵ فرقان: ۲۳ [3] ۱۰۱ قارعۃ: ۵

تفسیر آیات

جب اونٹنی بچہ دینے والی ہو اور اس کا تھن بھی دودھ سے بھرا ہوا ہو، زمان نزول قرآن میں لوگوں کے لیے یہ نفیس ترین دولت شمار ہوتی تھی۔ ایسے نفیس اموال بھی اس وقت ناقابل اعتنا ہو جائیں گے۔

وَ اِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۪ۙ﴿۵﴾ **۵۔ اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیے جائیں گے،**

تفسیر آیات

قیامت کے دن جانوروں کے محشور ہونے پر آیات و احادیث میں کوئی تصریح نہیں ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جانور دنیا میں مکلّف نہیں ہیں تو وہ کس مقصد کے لیے محشور ہوں گے؟ لہٰذا محشور یعنی اکٹھے ہونے کا مطلب یہ لینا قرین واقع ہے کہ قیامت کے دن نہیں بلکہ قیام قیامت کے موقع پر جس طرح نفیس دولت شمار ہونے والی اونٹنیاں ناقابل اعتنا ہو جائیں گی اسی طرح قیامت برپا ہوتے وقت درندے اپنے ٹھکانوں سے نکل آئیں گے، ایک دوسرے کو گزند پہنچانا بھول جائیں گے اور قیامت برپا ہونے کے وقت کی ہولناکیوں میں نہ کسی کو گزند پہنچانے کا ہوش رہے گا، نہ درندے سے خوف کا ہوش رہے گا۔ اس طرح سب جمع ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ قیامت برپا ہونے کے وقت کی بات ہے، قیامت کے روزِ حساب کے حشر کی بات نہیں ہے۔

وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۪ۙ﴿۶﴾ **۶۔ اور جب سمندروں کو جوش میں لایا جائے گا،**

تشریح کلمات

سُجِّرَتۡ: (س ج ر) السجر اس کے اصل معنی زور سے آگ بھڑکانے کے ہیں۔ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسۡجَرُوۡنَ۔[1] نہج البلاغۃ خ ۲۲۱ میں آیا ہے۔

وَ تَجُرُّنِی اِلَی نَارٍ سَجَرَهَا جَبَّارُهَا لِغَضَبِهِ.... اور تم مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو کہ جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے۔

تفسیر آیات

لغت اور قرآنی شواہد کے مطابق سُجِّرَ کے معنی آگ بھڑکانے کے ہیں۔ اس کا مطلب واضح ہے

---

[1] ۴۰ غافر ۷۲

کہ قیام قیامت کے وقت سمندر سے آگ بھڑکائی جائے گی۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک یہودی سے پوچھا:

تمہاری کتاب میں آگ کی جگہ کون سی ہے؟ اس نے کہا: سمندر۔ آپؑ نے فرمایا: یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے۔ ہماری کتاب میں بھی ہے: وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۔[1]

یہ بات دیگر قرآنی اور سائنسی حوالوں سے قابل فہم ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۝ [2]　　اور زمین اپنا بوجھ نکال دے گی۔

اس کے مطابق ممکن ہے کہ زمین اپنے شکم میں موجود آتش ابل دے اور سمندر آتش اور بھاپ میں بدل جائے اور سمندر نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے:

یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ ....[3]　　جب یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی۔

وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۝　　۷۔ اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں گی،

تفسیر آیات

ممکن ہے اس سے مراد جانوں کو جسموں سے جوڑ دینا ہو کہ قیامت کے دن روح کو انسان کے بدن کے ساتھ جوڑنے کے صورت میں یہی احیائے اموات ہو گی۔ یہ بات ایک جدا بحث ہے کہ وہ جسم عیناً دنیا والا جسم ہو گا یا مثالی جسم ہو گا۔ انسان کی روح دنیا میں بہت سے اجسام کے ساتھ رہی ہے چونکہ دنیا میں انسان کا جسم تحلیل ہوتا رہا ہے اور ہر چھ سال بعد پورا جسم بدلتا رہا ہے لیکن نفس (روح) نہیں بدلا۔

نیز ممکن ہے زُوِّجَتۡ جوڑ دینے سے مراد یہ ہو کہ مؤمن، مؤمن سے اور کافر، کافر سے جوڑ دیے جائیں گے۔ اصحاب یمین، اصحاب یمین کے ساتھ صالح، صالح کے ساتھ اصحاب شمال، اصحاب شمال کے ساتھ جوڑ دیے جائیں گے:

قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ [4]　　وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار ہمیں ظالموں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔

وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ ۝　　۸۔ اور جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا

---

[1] ۵۲ طور: ۶　[2] ۹۹ زلزال: ۲　[3] ۱۴ ابراہیم: ۴۸　[4] ۷ اعراف: ۴۷

بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ﴿۹﴾ — ۹۔ کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی؟

تفسیر آیات

انسانی اقدار کے بارے میں اسلام کا یہ موقف نہایت قابل توجہ ہے کہ قیامت کے اہم ترین واقعات میں زمان جاہلیت میں زندہ درگور ہونے والی بچیوں کے بارے میں باز پرسی کو جگہ دی جائے گی چونکہ ایک انسان کو صرف اس بنیاد پر زندہ دفن کیا جائے کہ وہ لڑکی ہے، انسانیت کی تذلیل ہے۔ وہ کس گناہ میں ماری گئی؟ کی تعبیر میں انتہائی غضب الٰہی کا اظہار ہے کہ سوال خود بے گناہ بچی سے کیا جائے گا کہ تو کس جرم میں ماری گئی؟ مجرم باپ سے نہیں پوچھا جائے گا چونکہ مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے:

یُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِیۡمٰہُمۡ فَیُؤۡخَذُ بِالنَّوَاصِیۡ وَ الۡاَقۡدَامِ ۚ﴿﴾[1] — مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے پھر وہ پیشانیوں اور پیروں پکڑے جائیں گے۔

پھر وہ محرکات جن کی بنیاد پر ان بے گناہ بچیوں کو زندہ درگور کیا گیا ہے سب غیر انسانی ہیں:

i۔ ان بچیوں کا پالنا بوجھ سمجھا جاتا تھا چونکہ یہ لڑکوں کی طرح کما نہیں سکتیں۔

ii۔ بیٹیاں لڑائیوں میں کام نہیں آتیں، الٹا ان کی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔

iii۔ مختلف قبائلی حملوں میں لڑکیوں کو لونڈیاں بنایا جاتا یا فروخت کر دیا جاتا تھا۔

اسلام نے بیٹیوں کو نہ صرف انسانی قدروں میں بیٹوں کے مساوی قرار دیا بلکہ بیٹیوں کو بہتر اولاد قرار دیا۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

خَیۡرُ اَوۡلَادِکُمُ الۡبَنَاتُ۔[2] — تمہاری اولاد میں بیٹیاں بہتر اولاد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے:

مَنۡ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ اَوۡ ثَلَاثَ اَخَوَاتٍ وَجَبَتۡ لَہُ الۡجَنَّۃُ فَقِیلَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ وَ اثۡنَتَیۡنِ فَقَالَ وَ اثۡنَتَیۡنِ فَقِیلَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ وَ وَاحِدَۃً فَقَالَ وَ وَاحِدَۃً۔[3] — جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں کی پرورش کی اس کے لیے جنت واجب ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اگر دو ہوں فرمایا اگرچہ دو ہوں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اگر ایک ہو فرمایا اگرچہ ایک ہو۔

حدیث نبوی ہے:

نِعۡمَ الۡوَلَدُ الۡبَنَاتُ مُلۡطِفَاتٌ، مُجَہِّزَاتٌ، مُونِسَاتٌ مُبَارَکَاتٌ مُفَلِّیَاتٌ۔[4] — بہتر فرزند بیٹیاں ہیں جو مہربان، آمادۂ خدمت، مانوس، بابرکت اور چست ہوتی ہیں۔

---

[1] ۵۵ رحمٰن: ۴۱ [2] مستدرک الوسائل ۱۵: ۱۱۶۔ بحار الانوار ۱۰۱: ۹۱۔ مکارم الاخلاق: ۲۱۹
[3] الکافی ۶: ۶ باب فضل البنات [4] الکافی ۶: ۵

وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ۪ۙ﴿۱۰﴾ ۱۰۔ اور جب اعمال نامے کھول دیے جائیں گے،

تفسیر آیات

ہر ایک کا نامہ عمل اس کے سامنے کھلا ہوا ہوگا کہ وہ خود اس کو پڑھ سکے:

اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ؕ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا ﴿ؕ﴾ [1] پڑھ اپنا نامۂ اعمال! آج اپنے حساب کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔

نامہ عمل کی تفصیل اس سے پہلے متعدد با ذکر ہو چکی ہے۔

وَ اِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتۡ ﴿۪ۙ۱۱﴾ ۱۱۔ اور جب آسمان اکھاڑ دیا جائے گا،

تشریح کلمات

کشط: (ك ش ط) الکشط کے معنی کھال اتارنے کے ہیں اور لسان العرب کے مطابق اس کے معنی پردہ اٹھانے، متفرق ہونے کے ہیں۔

تفسیر آیات

ممکن ہے کشط سے مراد آسمان کے پردے اٹھانا ہو۔ یہ قیامت برپا ہونے کے بعد کی بات ہے تو اس کا مطلب قیامت کا آسمان ہوگا جیسا کہ سیاق آیت سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں اس بات کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے قیامت کے بعد آسمان کی مسافتیں ختم ہو جائیں گی، زمان و مکان کا تصور بدل جائے گا۔ والعلم عنداللہ۔

وَ اِذَا الۡجَحِیۡمُ سُعِّرَتۡ ﴿۪ۙ۱۲﴾ ۱۲۔ اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی،

تشریح کلمات

السعر: (س ع ر) کے معنی آگ بھڑکنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

اہل جہنم کے لیے جہنم بھی آمادۂ عذاب ہوگی۔

وَ اِذَا الۡجَنَّۃُ اُزۡلِفَتۡ ﴿۪ۙ۱۳﴾ ۱۳۔ اور جب جنت قریب لائی جائے گی،

---

[1] ۱۷ بنی اسرائیل: ۱۴

تفسیر آیات

جنت قریب لانے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ نظام آخرت میں مسافتوں کا وہ تصور نہ ہوگا جو دنیا میں ہے۔ لہٰذا جنت میں داخل ہونے والوں کو کوئی مسافت طے کرنا نہیں پڑے گی۔ عالم آخرت میں زمان و مکان کا وہ تصور نہ ہوگا جو عالم دنیا میں ہے۔ جیسے:

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتۡ اَبۡوَابًا ۙ[1] اور آسمان کھول دیے جائیں گے تو دروازے ہی دروازے ہوں گے۔

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

تفسیر آیات

گزشتہ ۱۳ آیات کے بعد آمدم برسر مطلب کے تحت فرمایا: اس وقت کیا ہوگا یعنی جب قیامت قائم ہو چکے گی اور ماقبل قیامت اور ما بعد قیامت کے سارے مراحل سامنے آ چکے ہوں گے اس وقت انسان کو علم ہوگا کہ وہ اس دن کے لیے کیا لے کر آیا ہے۔

۱۔ اَحۡضَرَ: حاضر کرنے کے معنوں میں ہے کہ انسان کا عمل انرجی کی شکل میں محفوظ رہتا ہے اور قیامت کے دن انسان کو خود اپنے عمل سے واسطہ پڑے گا۔

قیامت کے دن جب اعمال کی قیمت لگ جائے گی، وہاں انسان کو علم ہوگا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ نہیں! میں قسم کھاتا ہوں پس پردہ جانے والے ستاروں کی،

الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ جو روانی کے ساتھ چلتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں،

وَ الَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿۱۷﴾ ۱۷۔ اور قسم کھاتا ہوں رات کی جب وہ جانے لگتی ہے،

وَ الصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ اور صبح کی جب وہ پھوٹتی ہے،

اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۹﴾ ۱۹۔ کہ یقیناً یہ (قرآن) معزز فرستادہ کا قول ہے۔

تشریح کلمات

الخنس: (خ ن س) کے معنی پیچھے ہٹنے اور سکڑ جانے کے ہیں۔ اسی سے شیطان کو خناس کہا جاتا ہے

---

[1] ۷۸ نباء: ۱۹

کیونکہ وہ ذکر الٰہی سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

الۡجَوَارِ: (ج ر ی) تیزی سے چلنے والی شے۔

الۡکُنَّسِ: (ک ن س) چھپ جانے کے معنوں میں ہے۔

عَسۡعَسَ: (ع س ع س) کے معنی تاریکی ہلکی ہونے کے ہیں۔ رات کے آخری اور ابتدائی وقت میں تاریکی کم ہوتی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَلَاۤ اُقۡسِمُ: میں لا برائے تاکید قسم ہے۔ بعض کہتے ہیں زائدہ ہے لیکن بعید ہے کلام خدا میں کوئی لفظ بلا معنی مذکور ہو۔

یہ تین الفاظ الۡخُنَّسِ، الۡجَوَارِ اور الۡکُنَّسِ بنا بر بعض روایات ستاروں کے بارے میں ہیں جو رات کو نمایاں اور دن کو چھپ جاتے ہیں اور ہر ستارہ اپنے فلک میں رواں دواں ہوتا ہے۔

اس کے بعد مظاہر کائنات، صبح و شب کی قسم کھائی۔ اس بات کی طرف اشارہ کے لیے کہ آنے والا مضمون اہمیت کا حامل ہے۔

۲۔ اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ: یہ قرآن معزز فرستادہ کا قول ہے۔ اس آیت میں رسول کریم سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ قرآن کو جبرئیل کا قول قرار دیا چونکہ وہ اللہ کی طرف سے امین وحی ہیں۔ فرشتے اپنے ارادے میں مستقل نہیں ہوتے۔ ہم نے سورہ نازعات آیت ۵ کے ذیل میں بیان کیا ہے فرشتے قدرتی اسباب کی طرح ہیں۔ ان کے فرائض مقرر، متعین اور غیر قابل تغییر ہیں۔ فرشتے اپنا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ وہ اللہ کے ارادے کے تابع ہیں، جس طرح کاتب کے ہاتھ میں قلم ہے۔ یہاں بالترتیب چند اسباب ہیں۔ قلم، ہاتھ، ارادۂ انسان۔ ارادہ انسان کا ہے، ہاتھ اور قلم ارادۂ انسان کے آلہ کار ہیں۔ لہٰذا لکھنے کے عمل کی قلم کی طرف نسبت درست ہے۔ میرے قلم نے لکھا۔ ہاتھ کی طرف نسبت دینا بھی صحیح ہے۔ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ خود انسان کی طرف نسبت دینا درست ہے۔ اسی طرح قرآن کو کلام خدا کہنا درست ہے اور کلام جبرئیل کہنا بھی درست ہے چونکہ جبرئیل اللہ کے کارندہ ہیں جس طرح قلم انسان کا آلہ کار ہے۔

جیسا کہ قبض روح کو اللہ اپنی طرف نسبت دیتا ہے:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا ...[1]　موت کے وقت اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے۔

اور کبھی فرشتۂ موت کی طرف نسبت دیتا ہے:

قُلۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ مَّلَکُ الۡمَوۡتِ الَّذِیۡ وُکِّلَ بِکُمۡ ...[2]　کہدیجیے: موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں قبض کرتا ہے۔

---

[1] ۳۹ زمر: ۴۲　[2] ۳۲ سجدہ: ۱۱

ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ ۲۰۔ جو قوت کا مالک ہے، صاحب عرش کے ہاں بلند مقام رکھتا ہے۔

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ ۲۱۔ وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امین ہیں۔

تفسیر آیات

اس کے بعد اس رسول فرشتے کا مقتدر ہونا اوراس کے دیگر اوصاف بیان کیے ہیں۔ یہ بتلانے کے لیے کہ قرآن کو اس فرشتے کی زبان پر کیوں جاری کیا گیا:

i۔ کَرِیۡمٍ: یہ فرشتہ کریم، قابل ستائش ہے۔ صفات حمیدہ کا حامل ہونے کی وجہ سے۔

ii۔ ذِیۡ قُوَّۃٍ: ایک قوت و طاقت کا مالک ہے۔ یہ قوت صاحب عرش کے نزدیک ہے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ عرش سرچشمۂ علم و قدرت ہے۔

iii۔ مَکِیۡنٍ: یہ لفظ مکن سے صفت مشبہ ہے۔ عظیم مرتبہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

iv۔ مُّطَاعٍ ثَمَّ: لفظ ثَمَّ دور کے اشارے کے لیے ہوتا ہے۔ یعنی جبرئیل کی عالم بالا میں فرماں برداری ہوتی ہے۔ اپنے زیر فرمان فرشتوں کو جو حکم صادر کرتے ہیں اس کی اطاعت ہوتی ہے۔ یعنی عالم بالا میں جبرئیل کی سرداری ہے۔

v۔ اللہ کی طرف سے وحی پہنچانے میں امین ہیں۔ کسی قسم کی خیانت اور خلاف ورزی کا یہاں تصور نہیں ہے۔

جبرئیل کے یہ اوصاف، یہ بتانے کے لیے بیان ہوئے ہیں کہ وحی ایک مضبوط اور مستحکم ذریعے سے نازل ہوتی ہے۔ وحی لانے والا قابل ستائش ہے۔ کسی قسم کا نقص نہیں ہے۔ طاقتور ہے۔ کسی شیطانی طاقت کی زد میں آنا ممکن نہیں ہے۔ مطاع فرماں روا ہے۔ اکیلا نہیں۔ امین ہے۔ خیانت کا تصور نہیں ہے۔

وَمَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۲﴾ ۲۲۔ اور تمہارا رفیق (محمدؐ) دیوانہ نہیں ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ تمہارا رفیق دیوانہ نہیں ہے۔ رفیق، ساتھی اس لیے فرمایا کہ یہ رسول کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تمہارے لیے ناشناس ہو۔ تم ایک عرصے سے انہیں جانتے ہو:

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ ؕ اَفَلَا اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا

تَعۡقِلُوۡنَ ○ [۱] ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

عقل سے کام نہیں لیتے ہو بلکہ کہتے ہو: مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ○ [۲] یہ تو تربیت یافتہ دیوانہ ہے۔ اتنی بھی عقل نہیں کرتے کہ دیوانے کی تربیت نہیں ہو سکتی۔

وَ لَقَدۡ رَاٰہُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲۳﴾ ۲۳۔ اور انہوں نے اس (فرشتہ) کو روشن افق پر دیکھا ہے۔

تفسیر آیات

رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل امین کو واقعی شکل میں دیکھا ہے۔ اس افق مبین پر جو تمام افقوں سے زیادہ واضح، غیر مبہم افق ہے۔ جہاں کسی اشتباہ کا کوئی امکان نہیں۔ اس روشن اور واضح افق کے بارے میں انسان تفصیل سے آگاہ نہیں ہے۔ اسی لیے اس میں اختلاف بہت ہے۔ لہٰذا جبرئیل ایک حقیقت ہے، کسی واہمے کا نام نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل کو قلب و بصر دونوں کی متفقہ رویت کے ساتھ دیکھا ہے:

مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ○ [۳] جو کچھ (نظروں نے) دیکھا اسے دل نے نہیں جھٹلایا۔

وَ مَا ہُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ ۲۴۔ اور وہ غیب (کی باتیں پہنچانے) میں بخیل نہیں ہے۔

وَ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ﴿۲۵﴾ ۲۵۔ اور یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کا قول نہیں ہے۔

تشریح کلمات

ضنین: (ض ن ن) بخل کرنا۔

تفسیر آیات

۱۔ رسول کریم ﷺ پر جو غیبی وحی نازل ہوتی ہے اس کے بیان میں کوتاہی نہیں کرتے۔ پوری صدق و امانت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں کسی پیغام وحی کو چھپا کر خیانت نہیں کرتے۔

۲۔ نہ ہی یہ قرآن شیطانی کلام ہے۔ اس کلام میں کوئی ایسا شائبہ نہیں ہے جس میں کاہنوں کے کلام کی طرح غیر واقعی یا اپنے مفاد کی بو آتی ہو۔ شیطان انسانی قدروں کی طرف دعوت نہیں دیتا، نہ ہی اسے اللہ کی

---

[۱] ۱۰ یونس: ۱۶ [۲] ۴۴ دخان: ۱۴ [۳] ۵۳ نجم: ۱۱

بندگی سے کوئی دلچسپی ہے۔

فَاَیۡنَ تَذۡہَبُوۡنَ ﴿۲۶﴾ — ۲۶۔ پھر تم کدھر جا رہے ہو؟

تفسیر آیات

پھر تم حق کو چھوڑ کر کس طرف جا رہے ہو؟ کس کھائی کی طرف جا رہے ہو۔

اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾ — ۲۷۔ یہ تو سارے عالمین کے لیے بس نصیحت ہے،

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ ﴿۲۸﴾ — ۲۸۔ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھی راہ چلنا چاہتا ہے۔

تفسیر آیات

یہ قرآن تو تمام عالمین کے لیے نجات و کامیابی کے پیغامات لے کر آیا ہے۔ البتہ اس نجات بخش نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو راہ راست پر چلنا چاہتے ہیں۔ یعنی جن میں نصیحت و ہدایت قبول کرنے کی اہلیت ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ ع — ۲۹۔ اور تم صرف وہی چاہ سکتے ہو جو عالمین کا پروردگار اللہ چاہے۔

تفسیر آیات

اللہ کی مشیت کے بغیر اس کائنات میں کوئی پر نہیں مار سکتا۔ یعنی اللہ کی مشیت سے ہٹ کر اور اللہ کی مشیت کے مقابلے میں کسی کی مشیت مؤثر نہیں ہے۔

چنانچہ انسان کے پاس دو چیزیں ہیں: ایک قوت، دوسرا ارادہ۔ قوت اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق انسان کو عنایت فرمائی اور ارادے میں انسان کو اپنی مشیت کے مطابق خود مختار رکھا۔ اگر اللہ چاہتا تو انسان خود مختار نہ ہوتا، اس پر جبر حاکم ہوتا لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا:

وَ لَوۡ شَآءَ لَہَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿﴾ [1] — اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کرتا۔

بلکہ انسان کو خود مختاری دی پھر مکلّف بنایا پھر اس سے حساب لیا جائے گا۔

---

[1] ۱۶ نحل: ۹

حضرت امام علی بن موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے روایت ہے:

من قال بالجبر فلا تعطوه من الزكاة شيئاً ولا تقبلوا له شهادة ابداً، ان الله تعالى لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ، ولا يحملها فوق طاقتها وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔[1]

جو جبر کا قائل ہے اس کو زکوۃ نہ دو نہ اس کی گواہی قبول کرو اللہ کسی کو اس کی وسعت و قدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر مسلط نہیں کرتا۔ کوئی کام جو بھی کرے اس کی باز پرس اسی سے ہو گی، اور کسی کا بوجھ کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔

مزید وضاحت کے لیے سورۃ المدثر آیت ۵۶ اور سورۃ الدھر آیت ۳۰ ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] عیون اخبار الرضا ۱: ۱۴۳

سُورَةُ الانفطار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلی آیت میں مذکور لفظ انۡفَطَرَتۡ سے ماخوذ ہے۔

کوئی ایسے شواہد موجود نہیں ہیں جن سے معلوم ہو سکے کہ یہ سورۃ مکی زندگی کے کس دور میں نازل ہوئی۔ تاہم مضمون کے اعتبار سے اس سورۃ کا مضمون سابقہ سورۃ تکویر سے مشابہ ہے۔ لہٰذا ہو سکتا دونوں سورتیں قریب قریب زمانے میں نازل ہوئی ہوں۔

سورۃ مبارکہ کا مضمون قیام قیامت کے موضوع سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں قیامت کے دن اس نظام حیات کی دگرگونی بیان کرنے کے بعد انسانی ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے: یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ ۔ اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کریم رب کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا کہ تجھے اپنی اس سنگین ترین عاقبت کی کوئی فکر نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿۱﴾	۱۔ جب آسمان شگافتہ ہو جائے گا۔
وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۙ﴿۲﴾	۲۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ ان آیات میں بھی ایک کائناتی انقلاب کا ذکر ہے۔ آسمان کے شگافتہ ہونے کا مطلب اس قوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے جس کے ذریعہ اجرام کائنات باہم مربوط ہیں۔

۲۔ اس قوت کے خاتمے سے ستارے بکھر جائیں گے اور کائنات درہم برہم ہو جائے گی۔ یہ قوت جاذبہ ہے جس کا مرکز ایک نظریہ کے مطابق بلیک ہول (Black hole) ہے اور شگافتگی بلیک ہول میں آئے

گی جس کے نتیجے میں کہکشائیں بکھر جائیں گی۔ یہ ایک مفروضہ ہے جس کی بنیاد پر ہم قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتے۔آیت سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آسمان میں ایک انفجار آئے گا جس سے ستارے بکھر جائیں گے۔

وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ﴿۳﴾		**۳۔اور جب سمندروں میں پھوٹ ڈالی جائے گی۔**

تفسیر آیات

سمندروں میں دھاکے کے نتیجے میں زیر زمین موجود آتشین لاوا اوپر آئے گا اور سمندر آتش اور بھاپ کی شکل اختیار کرے گا۔ جیسا کہ آیہ وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ [1] میں ذکر ہوا۔

وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ ۙ﴿۴﴾		**۴۔اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔**

تشریح کلمات

بُعۡثِرَتۡ : (ب ع ث ر) کے معنی کسی چیز کے الٹ پلٹ کرنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

قبروں سے مردوں کو اٹھایا جائے گا کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ انسان کے جسم کے جو اجزاء مٹی میں ملے ہوئے ہیں انہیں زیر خاک سے اس طرح اٹھایا جائے گا جس طرح سبزہ زمین کے شکم سے اگتا ہے۔ جیسے فرمایا:

یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا		جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا
کَاَنَّہُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ ﴿۲﴾		وہ کسی نشانی کی طرف بھاگ رہے ہوں۔

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ؕ﴿۵﴾		**۵۔اس وقت انسان کو معلوم ہوجائے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔**

تفسیر آیات

مذکورہ آیات میں ذکر شدہ واقعات پیش آنے کے بعد انسان کو جب حساب گاہ میں کھڑا کیا جائے گا اور اسے اپنے نامہ عمل کا سامنا کرنا پڑے گا، اس وقت انسان کو پتہ چلے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑ آیا تھا۔

---

[1] ۸۱ تکویر: ۶		[2] ۷۰ معارج: ۴۳

انسان کے اعمال خیر و بد دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں: ایک وہ اعمال جو اس نے اپنی زندگی میں بجا لائے، دوسرے وہ اعمال جو پیچھے چھوڑ آیا۔ جیسے مساجد و مدارس تعمیر کرنے والے کو مرنے کے بعد بھی ان کا ثواب ملتا رہے گا۔ جیسے آیت وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ....[1] میں ذکر ہو چکا۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ﴿۶﴾	۶۔ اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کریم پروردگار کے بارے میں دھوکے میں رکھا؟
الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾	۷۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے راست بنایا پھر تجھے معتدل بنایا۔
فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ﴿۸﴾	۸۔ اور جس شکل میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔

تفسیر آیات

۱۔ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ: اے انسان! اے ضمیر و وجدان کے مالک! اے صاحب عقل و شعور!

۲۔ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ: اس ذات کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا؟ جو تیرا رب ہے، تیرا مالک ہے۔ جس کے قبضۂ قدرت میں تیری جان ہے وہ تیرا رب ہے۔ ہر آن تو اس کا محتاج ہے۔ وہ تیرا رب ہے تجھ تک ہر آن اس کا فیض پہنچ رہا ہے۔

۳۔ الْكَرِيْمِ: وہ رب جو صاحب احسان و انعام ہے، جو تجھ پر لگاتار احسان کر رہا ہے، تجھ پر تیری ضرورت سے زیادہ احسان فرما رہا ہے۔ اس رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا:

- وہ تجھے نجات کی طرف دعوت دے رہا ہے تو اس سے منہ موڑ لیتا ہے۔
- وہ تجھ سے محبت کرتا ہے لیکن تجھے اس سے نفرت ہے۔
- وہ تجھ پر احسان کرنا چاہتا ہے مگر تو اسے قبول یہ نہیں کرتا۔
- وہ تجھے نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے تو اس کی نافرمانی میں کمال کرتا ہے۔
- وہ تجھے ہلاکتوں سے بچاتا ہے تو اس کے ساتھ بغاوتوں میں اضافہ کرتا ہے۔
- وہ تجھے ہر قسم کے خوف سے بچائے رکھتا ہے مگر تو ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔
- وہ تجھے عزت و توقیر سے نوازتا ہے تو اس کی ناقدری کرتا ہے۔
- وہ تیری توبہ قبول کرنے کے لیے حاضر ہے مگر تو اس کی طرف رخ نہیں کرتا۔
- وہ تجھے اپنی رحمتوں کی طرف بلاتا ہے تو اس کے عذاب کی طرف بھاگتا ہے۔

---
[1] ۳۶ یسٓ: ۱۲

۞ تجھے ایسے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا؟

۴۔ الَّذِیۡ خَلَقَکَ: پھر وہ رب کریم ہونے کے ساتھ ساتھ تیرا خالق ہے۔ تو اگر مشرک ہے تو بھی اللہ کو تو خالق تسلیم کرتا ہے کہ اس نے عدم سے تجھے وجود دیا ہے۔

۵۔ فَسَوّٰىکَ: خلق و ایجاد کے بعد تجھے راست بنایا۔ تیرے بیرونی و داخلی اعضاء کو درست اپنی اپنی جگہ پر رکھا۔ چنانچہ کسی عضو کے نامناسب جگہ پر ہونے کی وجہ سے انسان کو مشکلات سے دو چار ہونا نہیں پڑتا۔

۶۔ فَعَدَلَکَ: پھر ان اعضاء میں سے کوئی عضو کسی اور عضو سے متصادم نہیں ہے بلکہ ہر عضو دوسرے عضو کے لیے معاون ہے۔ مثلاً ایک لقمہ، شکم تک پہنچانے میں بیرونی و داخلی اعضاء ایک محیر العقل ہم آہنگی کے ساتھ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ کوئی عضو ایسا نہیں جو اس لقمے کے اپنے مقصد تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتا ہو۔

چنانچہ داخلی اعضا ایک دوسرے سے مل کر اس لقمے کو خون اور خون کو خلیہ (Cell) تعمیر کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اعضاء اور داخلی قوتوں میں اور سیلز (Cell) کی کارکردگی میں کسی جگہ تعادل اور اعتدال میں خلل نہیں آتا۔

۷۔ فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ: چنانچہ ایک ایسی مخلوق وجود میں آتی ہے جو اپنی شکل و صورت میں بھی اپنے خالق کا معجزہ ہے۔ فرمایا:

وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ....[1]　اور اس نے تمہاری صورت بنائی تو بہترین صورت بنائی.

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ؈[2]　تحقیق ہم نے انسان کو بہترین اعتدال میں پیدا کیا۔

ان تمام باتوں کے باوجود کیا تمہارا رب اور تمہاری زندگی کی تدبیر کرنے والا اللہ نہیں ہے؟ خلق و تدبیر ناقابل تفریق ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان آیات سے اپنی ربوبیت پر استدلال فرماتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ　تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غرّہ جھلہ اسے اس کی جہالت نے دھوکے میں رکھا۔[3]

کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ بِالدِّیۡنِ ۙ﴿۹﴾　۹۔ ہرگز نہیں! بلکہ تم (روز) جزا کو جھٹلاتے ہو۔

---

[1] ۶۴ تغابن: ۳　[2] ۹۵ تین: ۴　[3] مجمع البیان فی تفسیر القرآن ۱۰: ۶۸۲ ذیل آیہ

تفسیر آیات

۱۔ کَلَّا: ایسا ہرگز نہیں کہ تمہیں کسی نے دھوکہ دیا ہو بلکہ خود تم تکذیب آخرت کے ذریعے اللہ کے لطف و کرم سے محروم ہو رہے ہو اور جرائم در جرائم کا ارتکاب کر رہے ہو۔

وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ ۱۰۔ جب کہ تم پر نگران مقرر ہیں،

کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿ۙ۱۱﴾ ۱۱۔ ایسے معزز لکھنے والے،

یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ ۱۲۔ جو تمہارے اعمال کو جانتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ انسان اپنے اعمال کی گرفت میں ہیں اور ان کے اعمال کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔ انسان کے اعمال محفوظ رکھنے والے متعدد ہیں جیسا کہ حافظین سے ظاہر ہے:

ایک طرف انسان کا عمل انرجی ہونے کی وجہ سے انمٹ ہے۔

دوسری طرف اس کا عمل لوح کائنات پر ثبت ہو رہا ہے۔

تیسری طرف خود انسان کے اپنے اعضاء گواہ بن جائیں گے۔

چوتھی طرف اللہ کے مامور فرشتے انسان کے اعمال لکھ رہے ہیں۔

پانچویں: اللہ کے رسولؐ اور ائمہ علیہم السلام ہمارے اعمال کے شاہد ہیں۔

چھٹی طرف خود اللہ تعالیٰ ان سب کے اوپر حاضر و ناظر ہے۔

۲۔ کِرَامًا: یہ حافظین، اللہ کے نزدیک مقام عزت پر فائز ہیں۔ یہ منصب انہیں دیا جاتا ہے جو اللہ کے نزدیک بلند مقام رکھتے ہیں: کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ۔

۳۔ کَاتِبِیۡنَ: اعمال عباد لکھتے ہیں یعنی عین عمل ثبت کرتے ہیں۔ فرشتوں کی کتابت ان اوزار کے ذریعے نہیں ہو گی جو انسان استعمال کرتا ہے۔

یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۖۛ وَّ مَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ...[1] — اس دن ہر شخص اپنا نیک عمل حاضر پائے گا اسی طرح ہر برا عمل بھی۔

۴۔ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ: یہ لکھنے والے ایسے نہیں جو کسی قسم کی غلطی کر سکیں۔ جو کچھ وہ لکھتے ہیں

---

[1] ۳ آل عمران۔ ۳۰

تمہارے اعمال کے عینی شاہد اور علم حضوری کی بنیاد پر لکھتے ہیں۔

کتاب سعد السعود صفحہ ۲۲۵ میں مرسلاً ذکر ہے:

ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہیں۔ ایک اعمال خیر دوسرا اعمال شر لکھتا رہے گا۔ موت قریب آنے پر نیک مؤمن سے کہے گا: تجھے خدا جزائے خیر دے تو نے کتنے صالح اعمال ہمیں دکھائے اور کتنی اچھی محفلوں میں ہمیں بٹھایا۔ آج ہم تیری پسند کے مطابق تیری شفاعت کریں گے اور اگر یہ شخص نافرمان رہا ہے تو یہ فرشتہ اس سے کہے گا: خدا تجھے نہ بخشے۔ برے اعمال سے تو نے ہمیں کتنی اذیت دی۔ کتنی بری باتیں تو نے ہمیں سنائیں اور کتنی بری محفلوں میں تو نے ہمیں بٹھایا۔ آج تمہاری خواہش کے خلاف رب کے سامنے گواہ ہوں گے۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿۱۳﴾

وَ اِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ ﴿۱۴﴾

یَّصۡلَوۡنَہَا یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۱۵﴾

وَ مَا ہُمۡ عَنۡہَا بِغَآئِبِیۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۳۔ نیکی پر فائز لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔

۱۴۔ اور بدکار جہنم میں ہوں گے۔

۱۵۔ وہ جزا کے دن اس میں جھلسائے جائیں گے۔

۱۶۔ اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے۔

تشریح کلمات

الۡفُجَّارَ: (ف ج ر) الفجر شگافتہ کرنے کو کہتے ہیں۔ جس نے بندگی کی حدود کو شگافتہ کیا ہے اسے فاجر کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ: جو لوگ نیکی کرتے ہیں ان کی نیکی کو بِرُ کے لفظ سے تعبیر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ نعمتوں میں ہوں گے۔ چونکہ یہ لفظ یا تو برّ سے ہے جو عہد وقسم کو پورا کرنے یا قبول کے معنوں میں ہے جیسے کہتے ہیں: حج مبرور یا وسعت کے معنوں میں ہے۔ چنانچہ خشکی کے میدان کو بَرُ کہتے ہیں۔

۲۔ وَ اِنَّ الۡفُجَّارَ: جن لوگوں نے اللہ کے رسول کی تکذیب اور قیامت کا انکار کر کے اللہ کی بندگی کی حدود کو توڑا ہے ان کا ٹھکانہ جَحِیۡمٍ یعنی جہنم ہے۔

۳۔ یَّصۡلَوۡنَہَا: جزا وسزا کے دن یہ فاجر لوگ آتش جہنم میں جھلس جائیں گے۔ یہ لفظ (ص ل ی)

سے جھٹلانے کے معنوں میں ہے۔ (و ص ل) سے نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض مترجمین اور مفسرین کو اشتباہ ہوا ہے۔

۴۔ وَمَا هُمْ عَنْهَا: نہ یہ لوگ اس آگ سے بچ سکیں گے۔ اللہ کی حکومت سے نکل کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِۙ ۝۱۷ ۱۷۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا جزا کا دن کیا ہے؟

ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ۝۱۸ ۱۸۔ پھر آپ کو کس چیز نے بتایا جزا کا دن کیا ہے؟

تفسیر آیات

۱۔ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ: اس ترکیب کے بارے میں تفصیل سورہ حاقۃ آیت ۳ میں مذکور ہے یہ لفظ ایک ضرب المثل ہے جو کسی معین مخاطب کے لیے نہیں ہوتی۔ اسی لیے اس میں کاف ہمیشہ مفرد استعمال ہوتا ہے۔ تثنیہ، جمع ہوتا ہے، نہ تانیث۔ صرف مضمون کی اہمیت بیان کرنے کے لیے یہ ترکیب استعمال کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ قیامت کی حقیقت نہیں جانتے تھے، اسی لیے آپ کیا جانے کہا گیا۔'' بالکل درست نہیں ہے۔

۲۔ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىكَ: دوبارہ تاکیداً یہی تعبیر اختیار فرمائی۔ اس تکرار سے قیامت کی ہولناکی اور اہمیت کی طرف بیشتر متوجہ کرنا مقصود ہے، نہ یہ کہنا کہ آپ نہیں جانتے۔

يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـًٔا ؕ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝۱۹ ۱۹۔ اس دن کسی کو کسی کے لیے کچھ (کرنے کا) اختیار نہیں ہوگا اور اس دن صرف اللہ کا حکم چلے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ کسی کا بس چلے گا چونکہ اس دن تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ کچھ کرنے کے لیے کوئی وسیلہ ہاتھ نہیں آئے گا چونکہ وہاں اسباب و علل بھی غیر مؤثر ہو جائیں گے۔

۲۔ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ: اس دن صرف اور صرف اللہ کا حکم چلے گا۔ وہ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ہے کہ قیامت کے دن صرف اور صرف اللہ کا تصرف مؤثر ہوگا اور دوسرے تمام علل و اسباب اور وسائل غیر مؤثر ہوں گے۔ دنیا میں تو اللہ کی نافرمانی ہوتی رہی۔ اللہ کے حکم خلاف علل و اسباب اور وسائل بروئے کار لائے

جاتے رہے۔ چونکہ دنیا دار امتحان تھی اس لیے انسان کو خودمختاری دی گئی تھی مگر قیامت کا دن دار حساب ہے یہاں صرف اللہ کا حکم نافذ ہوگا۔

سُورَةُ الْمُطَفِّفِين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابن عباس کی روایت کے مطابق جو نسائی اور ابن ماجہ نے ذکر کی ہے، یہ سورہ مدنی ہے۔لیکن ابتدائی آیات مدنی ہوسکتی ہیں۔ اس پر خود آیت کے سیاق میں دلیل موجود ہے اور اس سورہ کے باقی مضامین مکی زندگی سے مربوط ہیں۔

چنانچہ ابو الجارود نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے:

> یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے تو دیکھا لوگ ناپ تول میں بہت زیادہ کمی بیشی کرتے ہیں۔ آیت کے نازل ہونے کے بعد ناپ تول کی حالت بہتر ہوگئی۔[1]

ان آیات میں انسان کی معاشرتی زندگی میں پیش آنے والی ناانصافیوں اور حق تلفیوں کے ذکر کے ساتھ عدل و انصاف کی ضرورت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان آیات سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اسلام صرف عبادت کا مذہب نہیں بلکہ عدل و انصاف پر مبنی ایک جامع نظام حیات پیش کرتا ہے۔

روئے زمین پر انسان کی معیشت اور دیگر امور زندگی کا بیشتر حصہ تجارت کے ساتھ مربوط ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے متعدد مقامات پر ناپ تول میں کمی کرنے کی سخت ممانعت کی ہے۔ ملاحظہ ہو آیات سورہ انعام آیت ۱۵۲، سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۵، سورہ رحمن آیت ۸۔ ۹

حدیث نبوی ہے:

---

[1] البرہان ۵: ۲۰۴

الرِّزْقُ عَشَرَةُ اَجْزَاءٍ تِسْعَةُ اَجْزَاءٍ فِی التِّجَارَۃِ وَ وَاحِدَۃٌ فِی غَیْرِھا۔[1]

رزق کے دس اجزاء ہیں۔ان میں سے نو اجزا تجارت میں ہیں باقی ایک جز دیگر چیزوں میں ہے۔

[1] الکافی ۵: ۳۱۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ﴿۱﴾	۱۔ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔
الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۫﴿۲﴾	۲۔ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا تولتے ہیں،
وَ اِذَا کَالُوۡہُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡہُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ ؕ﴿۳﴾	۳۔ اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔
اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّہُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴﴾	۴۔ کیا یہ لوگ نہیں سوچتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے،
لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۙ﴿۵﴾	۵۔ ایک بڑے دن کے لیے؟

تشریح کلمات

طفیف: (ط ف ف) کے معنی حقیر اور تھوڑی سی چیز کے ہیں۔ اسی سے ناقابل اعتنا چیز کو طفافه کہا جاتا ہے۔

اکۡتَالُوۡا: (ك ی ل) الکیل کے معنی غلّہ ناپنے کے ہیں۔ کِلۡتُ میں نے غلہ ناپ کر دیا۔ اکتلت علیه کے معنی ہیں میں نے اس سے ناپ کر لیا۔

وَیۡلٌ: (و ی ل) کے لغوی معنی حسرت و رسوائی کے ہیں۔ کہا جاتا ہے ویل جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام ہے۔ چنانچہ قرآن کریم یہ لفظ ان لوگوں کے بارے میں اکثر استعمال

فرماتا ہے جو جہنمی ہیں۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۔[1] حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

وَ لَمْ يَجْعَلِ الْوَيْلَ لِاَحَدٍ حَتّٰى يُسَمِّيَهُ كَافِراً...[2]
ویل کسی کے لیے قرار نہیں دیا گیا جب تک اسے کافر نہ کہا ہو (پھر مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی)۔

تفسیر آیات

۱۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ: ان لوگوں کے لیے وَيْلٌ ہے جو دوسروں سے لینا ہو تو پورا لیتے ہیں اور دوسروں کو دینا ہو تو کم کر کے دیتے۔

اس میں مقدار یا صفات میں کمی کرنا، سب شامل ہیں۔ چنانچہ دوسروں سے لینا ہو تو عمدہ لیتے ہیں اور دوسروں کو دنیا ہو تو گھٹیا مال دیتے ہیں یا دوسروں سے لینا ہو تو خالص لیتے ہیں اور دوسروں کو دینا ہو ملاوٹ کا مال دیتے ہیں۔ ہمارے زمانے کے محاورے کے مطابق، دوسروں سے لینا ہو تو نمبر ایک لیتے ہیں اور دوسروں کو دینا ہو تو نمبر دو دیتے ہیں۔

۲۔ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ: کیا یہ لوگ عقیدہ اور ایمان نہیں رکھتے کہ انہیں کل قیامت کے دن حساب دینے کے لیے اٹھایا جائے گا؟ یہ سوالیہ بتاتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور سوال ان لوگوں سے ہے جو روز حساب پر ایمان لاتے ہیں۔ ان سے سوال ہے ایسا لگتا ہے تو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتے۔

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

۶۔ اس دن تمام انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

تفسیر آیات

یعنی لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو رب العالمین کی بارگاہ عدالت میں اپنی پوری زندگی کا حساب دینے کے لیے حاضر ہونا ہوگا۔

اسی لیے احادیث میں انتہائی تاکید ہے کہ پہلے احکام تجارت میں کافی معلومات حاصل کرو پھر تجارت کرو۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے آپؑ نے منبر سے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ الْفِقْهَ ثُمَّ الْمُتْجَرَ الْفِقْهَ ثُمَّ الْمُتْجَرَ الْفِقْهَ ثُمَّ الْمُتْجَرَ...[3]
تاجر پیشہ لوگو! پہلے فقہ پھر بازار۔ پہلے فقہ پھر بازار۔ پہلے فقہ پھر بازار۔

---

[1] ۱۹مریم: ۳۷ [2] الکافی ۲: ۳۱ [3] الکافی ۵: ۱۵۰

آگے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ فَاجِرٌ وَ الْفَاجِرُ فِی النَّارِ اِلَّا مَنْ اَخَذَ الْحَقَّ وَ اَعْطَی الْحَقَّ۔[1] تاجر عام طور پر فاجر ہوتا ہے اور فاجر آتش میں ہے مگر یہ کہ حق لے اور حق دے دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ سے روایت ہے:

خمس بخمس پانچ کے بدلے پانچ، لوگوں نے عرض کیا: وہ کیا ہے؟ فرمایا:

i۔ عہد شکنی کی صورت میں دشمن مسلط ہو گا۔

ii۔ اللہ کے حکم کے خلاف فیصلہ کرنے سے تنگدستی آئے گی۔

iii۔ جب بھی فحش کاری عام ہو گی تو موت عام ہو جائے گی۔

iv۔ ناپ تول میں کمی کرنے سے خشک سالی اور قحط آئے گا۔

v۔ زکوۃ نہ دینے سے بارش نہ ہو گی۔[2]

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ ۝۷ ۷۔ ہرگز نہیں! بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ ۝۸ ۸۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا سجین کیا ہے؟

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۹ ۹۔ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ كَلَّآ: ایسا ہرگز نہیں کہ وہ حساب کے لیے نہیں اٹھائے جائیں گے۔

۲۔ ان فاجروں کا نامہ عمل سِجِّیْنٍ نامی کتاب میں بند ہے۔ سِجِّیْنٍ بعض کے نزدیک جہنم کی ایک جگہ کا نام ہے جو ظاہر آیت کے خلاف ہے۔

۳۔ سِجِّیْنٍ کی وضاحت میں فرمایا: سِجِّیْنٍ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ یہ آیت یعنی كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ، سِجِّیْنٍ کی وضاحت ہے۔ چنانچہ جہاں بھی وَمَآ اَدْرٰىكَ کی تعبیر اختیار فرمائی گئی ہے وہاں اس کے بعد اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ لہٰذا سِجِّیْنٍ کی خود قرآن نے وضاحت کی ہے کہ وہ ایک ضبط تحریر میں آئی ہوئی کتاب ہے۔ نامہ عمل پر مشتمل اس کتاب کو سِجِّیْنٍ اس لیے فرمایا ہو گا کہ یہ ایسی جگہ مقید اور بند ہے جہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں ہے چونکہ سِجِّیْنٍ، سبحن سے ہے جو قید خانے کے معنی میں ہے اور سِجِّیْنٍ قیدی کو کہتے ہیں۔ جیسے رجل مسکّیر کہا جاتا ہے۔

---

[1] الکافی ۵: ۱۵۰　[2] بحار الانوار ۷۰: ۳۷۰۔ الکشاف ۴: ۷۱۸

مذکورہ آیت میں کِتٰبٌ سے مراد بعض مفسرین جہنمیوں کے بارے میں اللہ کا حتمی فیصلہ لیتے ہیں جو نامہ عمل سے مختلف چیز نہیں ہے چونکہ ان کے اعمال کے مطابق حتمی فیصلہ ہوگا یا ان کے جرائم ہی حتمی فیصلہ کی بنیاد ہوں گے۔

وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ ۱۰۔اس روز تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے

الَّذِیۡنَ یُکَذِّبُوۡنَ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۱۱﴾ ۱۱۔ جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔

تفسیر آیات

ممکن ہے فجار کی وضاحت ہو کہ وہ فجار جو آخرت کی تکذیب کرتے تھے ان کے لیے ویل و ہلاکت ہے۔

وَ مَا یُکَذِّبُ بِہٖۤ اِلَّا کُلُّ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ ﴿۱۲﴾ ۱۲۔ اور اس روز کو تجاوز کار، گناہگار کے سوا کوئی نہیں جھٹلاتا۔

تفسیر آیات

جرائم کے ارتکاب میں حد سے تجاوز کرنے والے اور گنہگار روز قیامت قائم ہونے والی عدل و انصاف پر مبنی عدالت سے گریز کرتے ہیں اور اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے قیامت کی نشاندہی پر مبنی آیات سے تمسخر کرتے ہیں۔

اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۳﴾ ۱۳۔ جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے: یہ تو قصہ ہائے پارینہ ہیں۔

تشریح کلمات

اَسَاطِیۡرُ: کہتے ہیں یہ لفظ رومی زبان سے عربی میں داخل ہوا ہے۔ اصل میں یہ لفظ اسطورا ہے جو قصہ کہانی کو کہتے ہیں اور عربوں میں یہ لفظ سچ جھوٹ ہر بات پر مشتمل کہانیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

جب اس منکر شخص پر قیامت کے بارے میں قرآنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ شخص کہتا ہے: یہ پرانے لوگوں گھڑی ہوئی داستانیں ہیں جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ ہرگز نہیں! بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔

تشریح کلمات

رَانَ: (ر ی ن) زنگ کو کہتے ہیں جو کسی صاف چیز پر لگ جائے۔

تفسیر آیات

۱۔ كَلَّا: ایسا ہرگز نہیں کہ قرآنی آیات داستان ہائے پارینہ ہوں

۲۔ بَلْ رَانَ: بلکہ ان کے دل زنگ آلود ہو گئے ہیں اس لیے ان لوگوں کے دلوں پر حق کا اثر نہیں ہوتا۔ صاحب المیزان نے اس آیت سے چند ایک نکات اخذ کئے ہیں:

i۔ برے اعمال کی وجہ سے نفس انسانی پر کچھ نقوش ثبت ہوتے ہیں۔

ii۔ یہ نقوش، نفس کے حق سمجھنے میں مانع ہوتے ہیں۔

iii۔ نفس اپنی ذاتی طبیعت میں صاف و شفاف ہوتا ہے پھر زنگ لگتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

> جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کی، داغ ڈھل جاتا ہے۔ اگر استغفار کی تو صاف ہو جاتا ہے۔ اگر گناہ کا سلسلہ جاری رکھا تو زنگ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہی ران زنگ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔[۱]

كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ ہرگز نہیں! اس روز یہ لوگ یقیناً اپنے رب (کی رحمت) سے اوٹ میں ہوں گے۔

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ پھر وہ یقیناً جہنم میں جھلسیں گے۔

---

۱ توحید شیخ صدوق ص۳۶۵، سنن ترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۲۵۷

تفسیر آیات

۱۔ کَلَّآ: یہ سابقہ کَلَّا کی تاکید ہو سکتی ہے کہ ایسا ہرگز نہیں کہ قرآن داستانہائے پارینہ ہو بلکہ یہ لوگ اللہ کی رحمت کے شامل حال ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے اس لیے وہ دنیا میں کفر اختیار کرتے ہیں اور آخرت میں رحمت الٰہی سے اوٹ میں ہوں گے۔

۲۔ رحمت الٰہی سے دور ہونے کے بعد آتش جہنم میں جھلسنے کے علاوہ اور کوئی صورت نہ ہو گی۔ لَصَالُوا الصلی سے ہے جو آگ میں تپا دینے کے معنوں میں ہے۔

ثُمَّ یُقَالُ هٰذَا الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ بِهٖ تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۱۷﴾ | ۱۷۔ پھر کہا جائے گا: یہ وہی ہے جسے تم جھٹلاتے تھے۔

تفسیر آیات

جب وہ آتش جہنم میں جھلس جائیں گے، سوزش آتش کا مزہ چکھ لیں گے، قیامت اور عذاب برحق ہونے پر انہیں حق الیقین حاصل ہو جائے گا تو اس وقت ان سے از راہ تمسخر کہا جائے گا: یہ ہے وہ حقیقت جس کی تم دنیا میں تکذیب کرتے رہے۔

کَلَّاۤ اِنَّ کِتٰبَ الۡاَبۡرَارِ لَفِیۡ عِلِّیِّیۡنَ ﴿ؕ۱۸﴾ | ۱۸۔ (یہ جھوٹ) ہرگز نہیں! نیکی پر فائز لوگوں کا نامہ اعمال یقیناً علیین میں ہے۔

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا عِلِّیُّوۡنَ ﴿ؕ۱۹﴾ | ۱۹۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا علیین کیا ہے؟

کِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ﴿ۙ۲۰﴾ | ۲۰۔ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔

یَّشۡهَدُهُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿ؕ۲۱﴾ | ۲۱۔ مقرب لوگ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

تشریح کلمات

عِلِّیِّیۡنَ: بعض کے نزدیک یہ جمع ہے عِلِّیٌّ کی لیکن فراء کا کہنا ہے کہ یہ عِلِّیٌّ کی جمع نہیں بلکہ صیغہ جمع کے ساتھ نام قرار دیا گیا ہے۔ اس کا کوئی مفرد نہیں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ کَلَّآ: جس حقیقت کی تم نے تکذیب کی ہے وہ کذب ہرگز نہیں ہے۔

۲۔ عِلِّيِّينَ: کیا ہے؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں: عِلِّيِّينَ چوتھا آسمان ہے۔ ساتواں آسمان ہے۔ ساتویں کے اوپر عرش کا ستون ہے۔ سدرة المنتهى ہے۔ لامحدود بلندی ہے۔ بلند ترین مقام ہے۔ بعض نے کہا ہے عِلِّيِّينَ فرشتوں کے نامہ اعمال کی کتاب ہے۔ ان میں سے کسی قول پر کوئی سند نہیں ہے اور ہم خود سیاق آیات سے عِلِّيِّينَ کی تعیین کر سکتے ہیں۔

۳۔ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا عِلِّيُّوۡنَ: عِلِّيِّينَ کی اہمیت آشکار کرنے کے لیے یہ تعبیر اختیار فرمائی جیسا کہ اس کی جمع عقلاء کی جمع کی طرح بنائی۔

۴۔ كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ: یہ عِلِّيِّينَ کی تعریف ہے کہ عِلِّيِّينَ ضبط تحریر میں آئی ہوئی کتاب ہے۔ یہ نیکی کے مقام پر فائز لوگوں کا نامہ اعمال ہے یا ان کے بارے میں اللہ کا حتمی فیصلہ ہے۔ بہرحال ایک تحریر ہے۔ اس تحریر کی نوعیت کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔

۵۔ يَّشۡهَدُهُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ: اللہ کے مقرب لوگ اس کتاب کا مشاہدہ کریں گے۔ اس آیت سے عِلِّيِّينَ پر روشنی پڑتی ہے کہ عِلِّيِّينَ نام کی کتاب ایسے مقام پر ہے جہاں اللہ کے مقرب بندے اس کتاب کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مقرب کہا ہے: وَلَا الۡمَلٰٓئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ...[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقرب کہا ہے:

وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ○ [2] — اور مقرب لوگوں میں سے ہو گا۔

اور سابقین کو مقرب کہا ہے:

وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ○ اُولٰٓئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ○ [3] — اور سبقت لے جانے والے تو آگے بڑھنے ہی والے ہی ہیں۔ یہی مقرب لوگ ہیں۔

پھر فرمایا اس امت میں سابقین کی تعداد کم ہے:

ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ○ وَقَلِيۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ ○ [4] — ایک جماعت اگلوں میں سے اور تھوڑے لوگ پچھلوں میں سے ہوں گے۔

سابقین کون ہیں؟ تفسیر سورہ واقعة ملاحظہ فرمائیں۔

لہٰذا مقربین ملائکہ، انبیاء اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام پر مشتمل ہیں۔ ملائکہ، اعمال انسان ثبت کرنے والے ہیں اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام ہمارے اعمال کے شاہد ہیں۔ چنانچہ اس امت میں مقربین کی تعداد قلیل ہے۔

ایک نظریے کے مطابق تجسم اعمال کے تحت عِلِّيُّوۡنَ سے مراد بہشت برین ہے۔ یعنی ابرار کے اعمال مجسم ہو کر (انرجی کے مادے میں بدلنے سے) عِلِّيُّوۡنَ کی شکل اختیار کر گئے۔ یہ لکھی ہوئی کتاب

---

[1] ۴ نساء: ۱۷۲ [2] ۳ آل عمران: ۴۵ [3] ۵۶ واقعة: ۱۰۔۱۱ [4] ۵۶ واقعة: ۱۳۔۱۴

ضرور ہے مگر لکیروں سے نہیں بلکہ مقرب بندوں کے مشاہدے کی ایک عملی کتاب ہے۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿۲۲﴾ ۲۲۔ نیکی پر فائز لوگ یقینا نعمتوں میں ہوں گے۔

عَلَی الۡاَرَآئِکِ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ ۲۳۔ مسندوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ الۡاَبۡرَارَ یعنی اللہ کے نیک بندے جو فراواں نعمتوں کے درمیان ہوں گے۔ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ میں اشارہ ہے کہ نعمتوں کی ہر طرف سے فراوانی ہوگی۔

۲۔ ان نعمتوں میں سے اہم نعمت کا ذکر ہے کہ وہ مسندوں پر بیٹھ کر نظارہ کر رہے ہوں گے۔ یَنۡظُرُوۡنَ کے بعد اس چیز کا ذکر نہیں کیا جس کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے جن چیزوں کا وہ نظارہ کر رہے ہوں گے وہ شمار میں نہیں آسکتیں۔ چنانچہ وہ نظر کی لذت سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ جنت کی رونق و جمال، نعمتوں کی فراوانی اور باغات و ازواج کے حسن و جمال کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔ ساتھ دشمنان اسلام کو جہنم کے عذاب میں بھی دیکھیں گے۔ یہ نظارہ دل چسپ ہوگا۔ جو لوگ دنیا میں ان کا مذاق اڑاتے تھے انہیں عذاب میں تڑپتے دیکھ لیں گے۔ ان کی نظروں کے سامنے کوئی حجاب نہ ہوگا۔

چنانچہ سورہ صافات آیات ۵۱ تا ۵۵ میں ایک مومن اور اس کے کافر ساتھی کا ذکر ہے:

ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: میرا ایک ہم نشین تھا۔ جو (مجھ سے) کہتا تھا: کیا تم (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟ بھلا جب ہم مر چکیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں جزا ملے گی؟ ارشاد ہوگا: کیا تم دیکھنا چاہتے ہو؟

فَاطَّلَعَ فَرَاٰہُ فِیۡ سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ○[۱] پھر اس نے جھانکا تو اسے وسط جہنم میں دیکھے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت، جہنم والوں کو عذاب میں تڑپتا دیکھیں گے۔

تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ نَضۡرَۃَ النَّعِیۡمِ ﴿۲۴﴾ ۲۴۔ ان کے چہروں سے آپ نعمتوں کی شادابی محسوس کریں گے۔

تفسیر آیات

نعمتوں میں پلنے والوں کے چہرے پر جو رونق اور شادابی ہوتی ہے وہ غریبوں کے چہروں پر نہیں ہوتی۔ جنت میں رہنے والے جن نعمتوں سے مالا مال ہوں گے ان کی شادابی ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گی۔

---

[۱] ۳۷ صافات: ۵۵

يُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِيۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ﴿۲۵﴾　۲۵۔ انہیں سربمہر خالص مشروب پلائے جائیں گے۔

خِتٰمُهٗ مِسۡكٌ ؕ وَ فِيۡ ذٰلِكَ فَلۡيَتَنَافَسِ الۡمُتَنٰفِسُوۡنَ ﴿۲۶﴾　۲۶۔ جس پر مشک کی مہر لگی ہو گی اور سبقت کرنے والوں کو اس امر میں سبقت کرنی چاہیے۔

تشریح کلمات

رَّحِيۡقٍ:　(ر ح ق) خالص عمدہ شراب، جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ ایسی شراب سے ان کی پذیرائی ہو گی جس میں دنیوی شراب کی طرح کی منفی خاصیتیں نہ ہوں گی اور مختوم ہو گی۔ یعنی اس شراب پر مہر لگی ہو گی۔ ہماری دنیوی امور کے مطابق جب کسی اہم چیز کو کسی کی دست رسی سے دور اور ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ رکھنا مقصود ہو تو اس پر مہر لگا کر بند کر دیتے ہیں۔ یہ تعبیر اختیار فرما کر یہ بتانا منظور ہے کہ یہ شراب ہر قسم کی آمیزش سے پاک اور کسی اور کی دست رسی سے دور ہے۔ جس طرح حور العین کے بارے میں فرمایا: وہ ایسی ہوں گی جنہیں اس سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہو گا، نہ کسی جن نے۔

۲۔ وَ فِيۡ ذٰلِكَ: اگر کوئی عاقل انسان کسی کارآمد اور بیش بہا قدر و قیمت کی چیز کے حصول میں دوسروں پر سبقت لے جانا چاہتا ہے تو جنت کی ان نعمتوں کے حصول میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے چونکہ یہاں کی نعمتیں دائمی اور ابدی ہیں اور ان نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کے لیے صرف ارادہ کافی ہوتا ہے۔

تنافس: ایک دوسرے سے رشک و حسد اور سبقت لے جانے کو کہتے ہیں۔ اگر انسان اس دنیا کی زوال پذیر چیزوں پر دوسروں سے رشک و حسد کرتا ہے پھر اس سے بہتر صورت حال بنانے کی کوششیں کرتا ہے تو ابدی زندگی کی لازوال نعمتوں کے لیے ایک دوسرے سے آگے جانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے؟

اس مسابقت کی صورت یہ ہو گی کہ نیک اعمال کی طرف سبقت لے جائی جائے۔

فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ...[1]　لہٰذا نیک کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔

اللہ کی رضا جوئی اور قرب کے حصول کو تمام دیگر امور پر ترجیح دی جائے۔

وَ مِزَاجُهٗ مِنۡ تَسۡنِيۡمٍ ﴿۲۷﴾　۲۷۔ اس میں تسنیم (کے پانی) کی آمیزش ہو گی،

---

[1] ۵ مائدہ: ۴۸

تفسیر آیات

تَسۡنِیۡمٍ: کے لغوی معنی تو بلندی کے ہیں۔ شاید جنت کی اعلیٰ درجہ کی نہر یا شراب ہونے کی وجہ سے اسے تَسۡنِیۡمٍ کہا ہے۔ بعض روایات کے مطابق یہ پانی ابرار لوگوں کے گھروں کے اوپر سے حسب خواہش نازل کریں گے اس لیے اسے تسنیم کہا ہے۔

حدیث نبوی ہے:

قال هو اشرف شراب في الجنة يشربه محمد و آل محمد۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تسنیم جنت کی بہترین شراب ہے جسے محمد و آل محمد نوش فرمائیں گے۔

دوسری روایت میں آیا ہے:

قال تسنيم اشرف شراب فی الجنة يشربه محمد و آل محمد صرفاً و يمزج لأصحاب اليمين و سائر اهل الجنة۔[2]

فرمایا: تسنیم جنت کی بہترین شراب ہے جسے محمد و آل محمد خالص نوش فرمائیں گے۔ اصحاب یمین اور دوسرے اہل جنت کو تسنیم کے ساتھ مخلوط شراب دی جائے گی۔

یہ حدیث آیات کے مطابق ہے جن میں فرمایا: ابرار کو تسنیم کی آمیزش والی شراب ملے گی اور عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِہَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ کے مطابق تسنیم کا خالص شربت مقربین نوش فرمائیں گے۔

عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِہَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اس چشمے کی جس سے مقرب لوگ پئیں گے،

تفسیر آیات

تسنیم ایک ایسا چشمہ ہے جس کا پانی صرف مقرب ہستیاں نوش فرمائیں گی۔ یعنی خالص تسنیم کا پانی پئیں گے جب کہ ابرار تسنیم کی آمیزش والی شراب دی جائے گی۔

اس آیت سے بھی واضح ہو گیا ابرار کے مقام سے مقربین کا مقام بہت بلند ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا کَانُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَضۡحَکُوۡنَ ﴿۫ۖ۲۹﴾

وَ اِذَا مَرُّوۡا بِہِمۡ یَتَغَامَزُوۡنَ ﴿۫ۖ۳۰﴾

۲۹۔ جنہوں نے جرم کا ارتکاب کیا تھا، وہ مومنین کا مذاق اڑاتے تھے۔

۳۰۔ جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مار کر اشارہ کرتے تھے۔

---

[1] بحار الانوار ۸: ۱۵۰ [2] حوالہ سابق۔ شواھد التنزیل

تشریح کلمات

یَتَغَامَزُوْنَ: (غ م ز) الغمز کے معنی کسی کی عیب جوئی کرتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ یا پلک سے اشارہ کرنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

ایمان اور کفر کی پوری تاریخ میں کافروں میں یہی سوچ حاکم رہی کہ اہل ایمان معاشرے کے نچلے درجے کے لوگ ہوتے ہیں اور کوئی سمجھدار شخصیت کا مالک ان پیغمبروں کی باتوں میں نہیں آتا۔ قدیم سے حضرت نوح علیہ السلام نے کہا:

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۞ [1] انہوں نے کہا: ہم تم پر کیسے ایمان لے آئیں جب کہ ادنیٰ درجے کے لوگ تمہارے پیروکار ہیں۔

روح المعانی، تفسیر کبیر، الکشاف اور شواهد التنزیل میں آیا ہے:

الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا سے مراد قریش کے منافقین اور الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علی بن ابی طالب (علیہ السلام) ہیں۔

وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ ۟ۖ ۳۱۔ اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے تھے۔

وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۟ۙ ۳۲۔ اور جب ان (مومنین) کو دیکھتے تو کہتے تھے: یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں۔

تشریح کلمات

فَكِهِیْنَ: (ف ك ہ) الفکاهة خوش طبعی، خوش گپی کی باتیں کرنا۔

تفسیر آیات

وہ اپنے اس عمل پر خوش تھے کہ ہم نے ان مومنین کا مذاق اڑایا۔ اس سے وہ لذت محسوس کرتے اور خوش گپی میں اتراتے ہوئے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔

وہ اپنی بت پرستی کو ہدایت اور توحید پرستی کو گمراہی قرار دیتے تھے۔ روایت ہے:

حضرت علی (علیہ السلام) چند مومنین کے ہمراہ قریش کے کافروں کے پاس سے گزر رہے

---

[1] ۲۶ شعراء: ۱۱۱

تھے۔ یہ کافر لوگ حضرت علی (علیہ السلام) کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور انہیں کمتر سمجھنے لگے تو یہ آیات حضرت علی (علیہ السلام) کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس پہنچنے سے پہلے نازل ہو گئی تھیں۔[۱]

وَمَاۤ اُرۡسِلُوۡا عَلَیۡہِمۡ حٰفِظِیۡنَ ﴿۳۳﴾　　۳۳۔ حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے۔

تفسیر آیات

جب کہ ان کافروں کو مسلمانوں پر نگرانی کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا جس طرح مومنین کو یہ حکم ہے کہ کافروں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو کہ وہ ایمان لے آئیں۔

فَالۡیَوۡمَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنَ الۡکُفَّارِ یَضۡحَکُوۡنَ ﴿۳۴﴾　　۳۴۔ پس آج اہل ایمان کفار پر ہنس رہے ہیں۔

عَلَی الۡاَرَآئِکِ ۙ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾　　۳۵۔ مسندوں پر بیٹھے (کفار کا انجام) دیکھ رہے ہیں۔

ہَلۡ ثُوِّبَ الۡکُفَّارُ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ ع　　۳۶۔ کیا کفار کو ان کی حرکتوں کا بدلہ دیا گیا؟

تفسیر آیات

۱۔ دنیا میں چند دنوں کے لیے مومنین کا مذاق اڑاتے اور ان کی اہانت کرتے تھے۔ آج قیامت کے دن مومنین کافروں کی دائمی مذلت پر مذاق اڑا رہے ہوں گے۔ آج دنیا میں کافر لوگ مومنین کے ایمان کا مذاق اڑاتے تھے کل قیامت کے دن مومنین کافروں پر ہونے والے اہانت آمیز عذاب پر ہنس رہے ہوں گے۔ ان دونوں مذاقوں میں بڑا فرق ہے۔

۲۔ عَلَی الۡاَرَآئِکِ: مومنین مسندوں پر بیٹھ کر کافروں کو آتش عذاب میں تڑپتے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔ اس نظارے سے مومنین کیف و سرور کی حالت میں ہوں گے اور کافروں کو علم ہو گا کہ مومنین ہمارے رسوا کن عذاب کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ان پر یہ بات گراں گزرے گی۔

---

[۱] البحر المحیط ۱۰: ۴۳۱۔ شواھد التنزیل ذیل آیت۔ الکشاف۔ تفسیر کبیر رازی ذیل آیت

۳۔ ھَلۡ ثُوِّبَ الۡکُفَّارُ: مومنین اپنے نظارے میں یہ دیکھنا چاہیں گے کہ کفار کو اپنے جرائم کا ثواب مل گیا۔ اس میں ایک طنز ہے کہ وہ ان جرائم کو نیک کام تصور کرتے تھے تو اس نیک کام کا تمہیں عذاب کی شکل میں ثواب مل رہا ہے اور عذاب کو ثواب کہنے میں خود ایک تذلیل و تحقیر ہے جیسے کافروں کو طنزیہ طور پر کہا جائے گا:

ذُقۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ ○[1] چکھ (عذاب) بے شک تو (جہنم کی ضیافت میں) عزت والا اکرام والا ہے۔

---

[1] ۴۴ دخان: ۴۹

سُورَةُ الانْشِقَاق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلی آیت میں مذکور لفظ انۡشَقَّتۡ سے ماخوذ ہے۔

یہ سورۃ بھی ممکن ہے رسالت کے ابتدائی دنوں میں نازل ہوئی ہو جس میں قیامت کے موضوع پر زیادہ زور دیا گیا ہے چونکہ مشرکین تصور قیامت بڑے شد و مد سے مسترد کر رہے تھے۔ اس کے بعد انسان کے اللہ کے حضور پیش ہونے کے لیے تیزی سے چلنے کا ذکر ہے۔ انسان کو اس اہم راز سے آگاہ کیا گیا ہے کہ تو دن رات محنت و مشقت سے گزارتا ہے اور ایک سفر طے کر رہا ہے۔ اس سفر کا آخری مقصد و منزل اللہ کے حضور حساب کے لیے حاضری دینا ہے۔ پھر نامہ اعمال کا ذکر آتا ہے جس میں اس کی قسمت کا فیصلہ درج ہے۔

آیات کی تعداد کوفی قرائت کے مطابق ۲۵ ہے جو عاصم کے ذریعے حضرت امیر المومنین علیہ السلام منقول ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾	۱۔ جب آسمان پھٹ جائے گا،
وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ﴿۲﴾	۲۔ اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گا جو اس کا حقدار ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اس آیت کی تفسیر میں باب مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام کا ایک علمی معجزہ نہایت قابل توجہ ہے۔ جس میں آپ نے دنیائے فلکیات میں پہلی بار یہ انکشاف کیا کہ جن ستاروں کو ہم آسمان میں دیکھ رہے ہیں وہ کہکشاں ہے۔ قیامت کے دن یہ ستارے کہکشاں سے جدا ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا۔ فرمایا:

انها تنشق من المحرة۔[1] یہ آسمان کہکشاں سے پھٹ جائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام پہلے کسے گمان تھا کہ آسمان کہکشاں کا حصہ ہے۔

سورہ انفطار میں اس کی مزید وضاحت ہے جہاں فرمایا:

وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۝[2] جب ستارے بکھر جائیں گے۔

۲۔ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ: یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تکوینی ہے جس کی تعمیل میں کس قسم کی تاخیر یا کوتاہی قابل تصور نہیں ہے۔ یہ حکم کن فیکون ہے۔ جس چیز کا اللہ نے ارادہ فرمایا وہ ہو جاتی ہے۔ وَحُقَّتۡ کا معنی سزاوار سے کیا جاتا ہے۔ شاید مناسب یہ ہے کہ حُقَّتۡ سے مراد تحقق پذیری لیا جائے۔

وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۝۳ ۳۔ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔

وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا وَ تَخَلَّتۡ ۝۴ ۴۔ اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی۔

تفسیر آیات

کائنات کی دگرگونی کی وجہ سے زمین کا موجودہ توازن ختم ہو جائے گا اور زمین کے مختلف حصوں کا آپس میں ربط وکشش بھی ختم ہو جائے گی۔ اسی لیے زمین کا پھیل جانا قدرتی بات ہے۔ زمین کا بیرونی خشک ٹائٹل محدود اور مختصر ہے اور زمین کے اندر دو مراکز ہیں: ایک اندر والا ٹھوس مرکز ہے اور اور دوسرا اس کے باہر والا مرکز جو مائع شکل میں ہے اس پر بیرونی خشک ٹائٹل کا دباؤ ہے۔ لہٰذا کائنات کی دگرگونی کی صورت میں زمین کے بیرونی ٹائٹل کا دباؤ کم ہونے کی وجہ سے زمین کی مائع شکل کا حصہ سطح زمین کی طرف آ سکتا ہے۔ وَتَخَلَّتۡ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین اپنا شکم خالی کر دے گی۔ جیسے فرمایا:

وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَہَا ۝[3] اور زمین اپنا بوجھ نکال دے گی۔

مفسرین اس آیت کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ زمین اپنے شکم میں موجود اموات باہر نکال دے گی۔ چنانچہ اموات بھی مَا فِیۡہَا میں شامل ہیں۔

وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۝۵ ۵۔ اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گی جو اس کے لیے سزاوار ہے۔

تفسیر آیات

پہلے بھی ذکر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی حکم فوری نافذ ہوتا ہے۔

---

[1] بحار الانوار ۵۵:۸۲ [2] ۸۲ انفطار:۲ [3] ۹۹ زلزال:۲

جس طرح آسمان کے لیے جو حکم ہوا تھا اس کی تعمیل ہوگی، زمین کے لیے حکم کی بھی تعمیل ہوگی۔

یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ ۚ﴿۶﴾

۶۔ اے انسان! تو مشقت اٹھا کر اپنے رب کی طرف جانے والا ہے، پھر اس سے ملنے والا ہے۔

تشریح کلمات

کَادِحٌ: (ك د ح) کے معنی کوشش کرنے اور مشقت اٹھانے کے ہیں۔

تفسیر آیات

انسان اپنی زندگی گزارنے کے لیے جو مشقت اٹھاتا، مشکلات کا مقابلہ کرتا اور لوازم حیات کے حصول میں دن رات ایک کرتا ہے، یہ سب کچھ انسان اپنے خیال میں آسودہ زندگی اور عیش و آرام کے لیے کرتا ہے لیکن فی الواقع وہ زندگی کے اس سفر کو جاری رکھنے اور اس عمر کو گزارنے کے لیے کرتا ہے جس نے بالآخر اس انسان کو اپنے رب کی بارگاہ تک لے جانا ہے۔

انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ زندگی گزار رہا ہے لیکن وہ فی الواقع ایک پر مشقت سفر طے کر رہا ہے جو اسے اللہ کی بارگاہ میں پیش دے گا۔ وہ چاہے یا نہ چاہے اس نے یہ سفر طے کرنا ہے اور اپنے رب کو حساب دینا ہے۔

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ ۙ﴿۷﴾

فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ﴿۸﴾

وَّ یَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾

۷۔ پس جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا،

۸۔ اس سے عنقریب ہلکا حساب لیا جائے گا۔

۹۔ اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوشی سے پلٹے گا.

تفسیر آیات

۱۔ لقائے رب کا مطلب اللہ کی عدالت میں برائے حساب حاضر ہونا ہے۔ یہاں فیصلہ ہوگا کہ کس کا نامہ عمل اس کے دایاں ہاتھ دیا جائے گا۔ دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے نجات حاصل ہے اور حساب بھی ہلکا ہوگا اور اپنے اہل کی طرف مسرت کے ساتھ پلٹے گا۔

راوی کہتا ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت میں مذکور اَهۡلِهٖ کے بارے پوچھا تو فرمایا:

اھلہ فی الدنیاھم اھلہ فی الجنۃ ان کانوا مومنین۔[1] جو دنیا میں اس کے اہل ہیں وہی جنت میں اس کے اہل ہوں گے بشرطیکہ یہ مومن ہوں۔

لہٰذا وہ حساب سے فارغ ہو کر اپنے خاندان کے افراد والدین اور اولاد کے پاس خوشحالی کے ساتھ لوٹے گا۔ اللّٰھم اجعلنی ممن ینقلب الی اھلہ مسروراً۔

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَہۡرِہٖ ﴿۱۰﴾ ۱۰۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا،

فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ﴿۱۱﴾ ۱۱۔ پس وہ موت کو پکارے گا،

وَّ یَصۡلٰی سَعِیۡرًا ﴿۱۲﴾ ۱۲۔ اور وہ جہنم میں جھلسے گا۔

اِنَّہٗ کَانَ فِیۡۤ اَہۡلِہٖ مَسۡرُوۡرًا ﴿۱۳﴾ ۱۳۔ بلاشبہ یہ اپنے گھر والوں میں خوش رہتا تھا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَرَآءَ ظَہۡرِہٖ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ ان کافروں کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس آیت میں فرمایا اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ ان دونوں میں تضاد اس لیے نہیں ہے کہ قرآن میں یہ بات بھی بتا دی گئی ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡہًا فَنَرُدَّہَا عَلٰۤی اَدۡبَارِہَاۤ ....[2] اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی تھی اس پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے جو تمہارے پاس موجود کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہے قبل اس کے کہ ہم (بہت سے) چہروں کو بگاڑ کر ان کی پیٹھ کی طرف پھیر دیں۔

لہٰذا عین ممکن ہے کہ ان کے چہرے پشت کی طرف ہوں اور نامہ اعمال بایاں ہاتھ میں دیا جائے۔

۲۔ اپنے نامۂ اعمال دیکھ کر وہ چیخ اٹھیں گے ہائے ہلاکت! یا یہ موت کو پکاریں گے۔ سورہ فرقان آیت ۱۴ میں ہے ایسے لوگوں کو کہا جائے گا:

لَا تَدۡعُوا الۡیَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا وَّ ادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا کَثِیۡرًا ﴿۰﴾ (تو ان سے کہا جائے گا) آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی اموات کو پکارو۔

یعنی زندگی نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ ہر طرف موت ہی کی ہولناکی ہوگی۔

---

[1] بحار الانوار ۷: ۳۲۴ [2] ۴ نساء: ۴۷

۳۔ اِنَّہٗ کَانَ فِیۡۤ اَہۡلِہٖ مَسۡرُوۡرًا: وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ دنیاوی لذتوں میں مگن رہتا تھا۔ کسی قسم کی فکر اسے لاحق نہیں تھی۔ نہ حلال و حرام، نہ جائز و ناجائز کا خیال تھا، نہ ظلم و زیادتی سے دور رہتا تھا۔ وہ تمام اخلاقی قدریں پامال کر کے خوشی اور مسرت حاصل کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتا تھا چونکہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ جب کہ متقین قیامت کے بارے میں فکرمند رہتے تھے اور ہمیشہ اس خوف میں رہتے تھے کہ کیا ہمارے اعمال قبول ہوتے ہیں؟ کیا ہمارے گناہ بخشے گئے ہیں؟ وہ اپنی دنیوی زندگی میں اس خوف میں رہتے تھے کہ اگر ہمارے اعمال قبول نہ ہوئے اور گناہ بخشے نہ گئے تو قیامت کے دن ہمارا کیا حال ہو گا۔

دنیوی زندگی میں اس خوف نے قیامت کے دن کے ہولناک حالات سے انہیں بچا لیا۔ چنانچہ دنیا میں جس خوف نے ان متقین کو قیامت کے دن امن دیا ہے وہ اس کا ذکر کرتے ہوں گے:

قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا قَبۡلُ فِیۡۤ اَہۡلِنَا مُشۡفِقِیۡنَ ۝[1] کہیں گے: پہلے ہم اپنے گھر والوں کے درمیان ڈرتے رہتے تھے۔

معانقۃ ۱۷

اِنَّہٗ ظَنَّ اَنۡ لَّنۡ یَّحُوۡرَ ﴿ۚ۱۴﴾ ۱۴۔ بے شک اس کا یہ گمان تھا کہ اسے لوٹ کر (اللہ کی طرف) جانا ہی نہیں ہے۔

بَلٰۤی ۚ اِنَّ رَبَّہٗ کَانَ بِہٖ بَصِیۡرًا ﴿ؕ۱۵﴾ ۱۵۔ ہاں! اس کا پروردگار یقیناً اس (کے عمل) کو دیکھ رہا تھا۔

تشریح کلمات

یَّحُوۡرَ: (ح و ر) الحور کے اصل معنی پلٹنے کے ہیں۔ یہاں دوبارہ زندگی کی طرف پلٹنا مراد ہے۔

تفسیر آیات

دنیوی زندگی میں اس کے جرائم اور آج کی بدبختی کی بنیاد، انکار آخرت ہے کہ وہ کسی حساب و کتاب اور سزا و جزا کا قائل نہ تھا۔ اس لیے وہ بے فکر ہو کر جرائم کا ارتکاب کرتا تھا لیکن اس کا رب اس کے عمل کو ثبت کر رہا تھا۔ آج اسے اپنے جرائم کا حساب دینا ہو گا۔

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿ۙ۱۶﴾ ۱۶۔ مجھے قسم ہے شفق کی،

---

[1] ۵۲ طور: ۲۶

وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ ۱۷۔ اور رات کی اور اس کی جسے وہ سمیٹ لیتی ہے،

وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ اور چاند کی جب وہ کامل ہو جائے،

لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ ۱۹۔ تمہیں مرحلہ بہ مرحلہ ضرور گزرنا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ شفق: سورج کے غروب کے وقت جب سورج کی روشنی رات کی تاریکی کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو خفیف سی سرخی چھا جاتی ہے۔ اسے شفق کہتے ہیں۔

۲۔ وَسَقَ: کے معنی متفرق چیزوں کو یکجا کرنے کے ہیں۔ چنانچہ رات کے وقت انسان اپنے گھروں، پرندے اپنے گھونسلوں اور دیگر جانور اپنے بلوں میں چلے جاتے ہیں۔ اس لیے اسے سمیٹنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۔ اتَّسَقَ: یہ بھی یکجا ہونے کے معنوں میں ہے چونکہ وَسَقَ سے باب افتعال ہے۔ یعنی چاند کی روشنی جب مجتمع ہو کر مکمل ہو جائے گی۔

ان مظاہر قدرت کی قسم! جن سے اللہ کی ربوبیت، قادریت اور قہاریت نمایاں ہوتی ہے اور ان مظاہر میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و تدبیر بھی نمایاں ہے۔ ان مظاہر میں کائنات کی بے ثباتی اور ایک مستحکم نظام کا درس ہے۔ تمہیں یہ باور کرانے کے لیے کہ قیامت آنے والی ہے۔

۴۔ لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ: اور تمہیں متعدد مراحل سے گذرنا ہے۔ بعض مراحل اس دنیا اور بعض اہم مراحل عالم آخرت میں۔ نطفہ، جنین، بچہ، جوان، بوڑھا، قبر، برزخ، حساب اور صراط وغیرہ۔ حدیث میں آیا ہے:

لا یزول قدم عبد یوم القیمة حتی یسأل عن اربع عن جسده فیما أبلاه و عن عمره فیما أفناه و عن ماله مما اکتسبه و فیما أنفقه و عن حبنا اهل البیت۔[1]	قیامت کے دن بندے کا کوئی قدم آگے نہیں بڑھے گا جب تک چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے: جسم کس چیز میں استعمال کیا۔ عمر کس چیز میں ختم کی۔ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور ہم اہل بیت کی محبت کے بارے میں۔

حضرت سلمان رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

یا سلمان حب فاطمة ینفع فی مائة موطن أیسر تلك المواطن الموت	اے سلمان! فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کی محبت ایک سو مقامات پر فائدہ دے گی۔ ان میں آسان ترین مقامات

---

[1] بحار الانوار ۷: ۲۶۱

و القبر و المیزان و الحشر و الصراط و المحاسبة...[1] — موت، قبر، میزان اعمال، محشر، صراط اور حساب ہے۔

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کو عالم آخرت میں کتنے مشکل مراحل سے گزرنا ہے۔

ایک تفسیر یہ کی جاتی ہے: تم سابقہ امتوں کی روش پر چلو گے۔ جن حرکتوں کی قدیم امتیں مرتکب ہوتی رہی ہیں تم بھی مرتکب ہو گے۔ چنانچہ اہل سنت کی صحیح اسانید مذکور ہے:

لترکبن سنن من کان قبلکم حذو القذة بالقذة حتی لو دخلو حجر ضب لدخلتموه۔[2] — تم سابقہ امتوں کی روش پر قدم بقدم چلو گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی گھس جاؤ گے۔

فَمَا لَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ — ۲۰۔ پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۲۱﴾ — ۲۱۔ اور جب انہیں قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

السجدۃ

تفسیر آیات

۱۔ ایک طرف اسلام کی حقانیت، دلیل و برہان میں کوئی خامی نہیں کہ وہ ایمان نہ لائیں دوسری طرف ایمان نہ لانے کی صورت میں قیامت کی ہولناکیوں میں کوئی کمی نہیں کہ انہیں نظر انداز کریں۔ پس ان سب باتوں کے باوجود ایمان نہ لانے کا کوئی عقلی جواز نہیں ہے۔

۲۔ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ: جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو کلام الٰہی سن کر دل میں ایمان کی طرف جھکاؤ آنا چاہیے تھا لیکن نہیں آتا۔ لَا يَسۡجُدُوۡنَ کے معنی لا یخضعون بیان کرتے ہیں چونکہ تلاوت قرآن کے وقت مطلقاً سجدہ واجب نہیں ہے، صرف چار مقامات پر واجب ہے۔ قرآن سن کر زندہ ضمیر لوگوں کے دلوں میں خضوع آجاتا ہے اور ایمان لے آتے ہیں۔

بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۲﴾ — ۲۲۔ بلکہ یہ کفار تکذیب کرتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُوۡعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ — ۲۳۔ اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۴﴾ — ۲۴۔ پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیجیے۔

---

[1] بحار الانوار ۲۷: ۱۱۶ [2] تفسیر ابن کثیر ذیل آیہ

تفسیر آیات

۱۔ بلکہ کافر قرآن سننے کے بعد خضوع و خشوع دل میں آنے نہیں دیتے۔ اس کی جگہ وہ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں۔

۲۔ جن محرکات کی بنا پر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ان محرکات کو اللہ خوب جانتا ہے۔ وہ اس لیے نہیں کہ اسلام کی حقانیت ان پر واضح اور ثابت نہیں ہوئی بلکہ ایمان نہ لانے کے محرکات ان کے دنیوی مفادات ہیں۔

حجت پوری ہونے پر ایمان نہ لانے والوں کے لیے عذاب ابدی ہے۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۲۵﴾ ع

۲۵۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور صالح اعمال بجالائے، ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

تفسیر آیات

عذاب الیم سے بچنے کی واحد صورت ایمان اور عمل صالح ہیں۔ نہ صرف ایمان، نہ صرف عمل صالح۔ وہ ایمان نہیں ہے جس کا کردار پر کوئی اثر نہ ہو اور اعمال صالحہ بجا نہ لائیں۔ چنانچہ اس کے اعمال صالحہ نہیں ہیں جس کے دل میں ایمان نہ ہو۔

سُورَةُ البُرُوجِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلی آیت میں مذکور لفظ الۡبُرُوۡجِ سے ماخوذ ہے۔

زمان نزول کا تعین کرنا مشکل ہے تاہم مضمون سے عندیہ ملتا ہے کہ یہ سورۃ مکہ میں مشرکین کی طرف سے مظالم میں دن بدن اضافہ ہونے کے دوران نازل ہوئی ہے۔

مضمون میں اصحاب الاخدود کا ذکر ہے جنہیں کافروں نے آگ کے گڑھوں میں پھینک دیا پھر بھی انہوں نے اپنے دین سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ ان پر مظالم ڈھائے، ان کا دین کمزور نہ ہوا۔ مشرکین خواہ کتنا ظلم کریں یہ دین کمزور نہ ہوگا۔ قربانیوں سے تحریکوں میں جان آیا کرتی ہے، کمزوری نہیں آتی۔

بنام خدائے رحمٰن رحیم	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
۱۔ قسم ہے برجوں والے آسمان کی،	وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ﴿۱﴾
۲۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے،	وَ الۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۙ﴿۲﴾
۳۔ اور حاضر ہونے والے کی اور اس (دن) کی جس میں حاضری ہو،	وَ شَاہِدٍ وَّ مَشۡہُوۡدٍ ؕ﴿۳﴾

تشریح کلمات

الۡبُرُوۡجِ: (ب ر ج) کے معنی قصر کے ہیں چونکہ قصر دیگر عمارتوں کی بہ نسبت نمایاں ہوتے ہیں۔ یہاں سے ہر نمایاں چیز کو برج کہا گیا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ الۡبُرُوۡجِ: سے مراد علم ہیئت کی اصطلاح کے بارہ برج لینا قطعی درست نہیں ہے۔ جیسا کہ صاحب المیزان نے بھی کہا ہے چونکہ قرآن آسمان کے ستاروں کو بروج کہتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ زَیَّنّٰہَا لِلنّٰظِرِیۡنَ ۙ[1]　اور تحقیق ہم نے آسمانوں میں نمایاں ستارے بنا دیے اور دیکھنے والوں کے لیے انہیں زیبائی بخشی۔

۲۔ وَالۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ: اور روز قیامت کی قسم! جو وعدۂ الٰہی کے مطابق یقینی ہے۔

۳۔ وَشَاہِدٍ وَّمَشۡہُوۡدٍ: اس آیت کی تفسیر نہایت مشکل اور اقوال تیس سے زیادہ ہیں۔ ہم کسی قول کو اعتنا میں لائے بغیر صرف معصومین علیہم السلام کی احادیث کی روشنی میں اس آیت کی تفسیر کریں گے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے چند ایک طرق سے روایات ہیں۔ بعض میں شَاہِدٍ سے مراد یوم جمعہ فرمایا ہے اور بعض دیگر کے مطابق شَاہِدٍ سے مراد یوم عرفہ ہے۔ بعض دیگر روایات میں ہے: شَاہِدٍ یوم جمعہ، مَشۡہُوۡدٍ یوم عرفہ اور الۡمَوۡعُوۡدِ قیامت ہے۔[2]

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ﴿۴﴾　۴۔ خندقوں والے ہلاک کر دیے گئے۔

النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ﴿۵﴾　۵۔ وہ آگ تھی جو ایندھن والی ہے،

اِذۡ ہُمۡ عَلَیۡہَا قُعُوۡدٌ ۙ﴿۶﴾　۶۔ جب وہ اس (کے کنارے) پر بیٹھے تھے،

وَّ ہُمۡ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ شُہُوۡدٌ ؕ﴿۷﴾　۷۔ اور وہ مومنین کے ساتھ روا رکھے گئے اپنے سلوک کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

تشریح کلمات

الۡاُخۡدُوۡدِ: (خ د د) کے معنی ہیں زمین میں مستطیل اور گہرا گڑھا (خندق)۔

تفسیر آیات

۱۔ قُتِلَ: یہ تعبیر بد دعا ہے اخدود کے واقعہ کے مرتکب لوگوں کے لیے کہ وہ ہلاکت میں جائیں۔ جواب قسم کے بارے میں کئی اقوال ہیں: جواب محذوف ہے یعنی کفار قریش ملعون ہیں۔ جیسے اصحاب اخدود ملعون ہیں۔ بعض کے نزدیک جواب اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ ہے۔ بعض کے نزدیک اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا ہے۔

واقعہ اس طرح منقول ہے:

> یمن کا یہودی بادشاہ حمیری خاندان کا تھا۔ اس کا نام ذونواس تھا۔ اس نے نجران پر (جو اس وقت نصاریٰ کا مرکز تھا) حملہ کر دیا اور وہاں کے لوگوں کو یہودیت قبول کرنے کی دعوت دی مگر انہوں نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور قتل ہونا قبول کیا۔ اس ظالم

---

[1] ۱۵ حجر: ۱۶　[2] الفقیہ ۱: ۴۲۶۔ الوسائل ۷: ۳۷۸۔ ۱۳: ۵۴۸۔ ۵۴۹

بادشاہ نے لوگوں کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک دیا۔ بعض کو قتل کیا۔ اس طرح بیس ہزار افراد کو قتل کیا۔

بعض سیاحوں نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ نجران کے لوگوں میں اب تک وہ جگہ معروف ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

روایت ہے کہ وہاں سے ذوثعبان نامی ایک شخص نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے قیصر روم سے یا دیگر روایت کے مطابق حبش کے بادشاہ نجاشی سے یہ واقعہ بیان کیا تو حبش کے بادشاہ نے یمن پر حملہ کر کے ذونواس کو قتل کیا۔ یہودی حکومت ختم ہونے کے بعد یمن حبشی عیسائی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

تفہیم القرآن میں ہے: یہ ۵۲۳ء میں پیش آیا اور حبش کے بادشاہ نے ۵۲۵ھ میں یمن پر حملہ کر دیا۔ لکھتے ہیں: اس کی تصدیق حصین غراب کے کتبے سے ہوتی ہے جو یمن میں موجودہ زمانے کے محققین آثار قدیمہ کو ملا ہے۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۸﴾	۸۔ اور ان (ایمان والوں) سے وہ صرف اس وجہ سے دشمنی رکھتے تھے کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے تھے جو بڑا غالب آنے والا، قابل ستائش ہے۔
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۙ﴿۹﴾	۹۔ وہی جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

تفسیر آیات

119

یہ اس زمانے کی بات ہے جب روئے زمین پر عیسائی مذہب اپنے صحیح خد و خال میں لوگوں میں رائج تھا۔ اسی لیے اللہ نے انہیں مؤمنین کہا ہے۔

صرف ایمان وعقیدے کی بنیاد پر لوگوں کا قتل بہت بڑا جرم ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بھی کسی کو صرف اس کے عقیدے کی بنیاد پر قتل کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ یہود یا نصاریٰ کیوں نہ ہوں۔ قتل ان کافروں کو کیا جاتا ہے جو مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں اس واقعہ کو زندہ رکھنا چاہتا ہے کیونکہ انہیں صرف اس جرم میں جلا دیا گیا کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ ان لوگوں کا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے جو محض برائے خدا اپنے ایمان پر صبر و استقامت کے ساتھ جان فدا کر دیتے ہیں۔

چونکہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کا ایمان منطقی اور عقلی اعتبار سے نہایت وزنی ہے۔ چونکہ وہ اس ذات پر ایمان لاتے ہیں جو کل کائنات کا مالک ہے جس کی ملکیت اور حکومت سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا فَلَہُمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ وَ لَہُمۡ عَذَابُ الۡحَرِیۡقِ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ جن لوگوں نے مومنین اور مومنات کو اذیت دی پھر توبہ نہیں کی ان کے لیے یقیناً جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۬ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡکَبِیۡرُ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ آپ کے پروردگار کی پکڑ یقیناً بہت سخت ہے۔

اِنَّہٗ ہُوَ یُبۡدِئُ وَ یُعِیۡدُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ یقیناً وہی خلقت کی ابتدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرتا ہے۔

تشریح کلمات

بَطۡش: (ب ط ش) کے معنی کوئی چیز زبردستی لے لینا کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اس میں اشارہ ہے مشرکین کی عاقبت کی طرف کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شدید ترین گرفت میں آنے والے ہیں۔ رَبِّکَ آپ کا رب فرما کر یہ عندیہ دیا ہے کہ جو آپ کا رب ہے اور آپ کی پشت پر ہے اس کی پکڑ شدید ہے کہ آپ کے دشمن ایک دن میری گرفت میں آنے والے ہیں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بڑی تسلی ہے۔

۲۔ اِنَّہٗ ہُوَ یُبۡدِئُ: آپ رب کی گرفت شدید ہے جو خالق ہے اور تخلیق کے تمام مراحل پر قدرت رکھتا ہے۔ خواہ تخلیق کی ابتدا ہو یا اعادۂ تخلیق۔ اس قدرت سے اللہ تعالیٰ ناچیز کو چیز اور ناتواں کو توانا بنا دیتا ہے۔

وَ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور وہ بڑا معاف کرنے والا، محبت کرنے والا ہے۔

ذُو الۡعَرۡشِ الۡمَجِیۡدُ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ بڑی شان والا، عرش کا مالک ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ وہ جو چاہتا ہے اسے خوب انجام دینے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جہاں اللہ کی پکڑ ظالموں کے لیے شدید ہے وہاں اللہ کی طرف آنے والوں سے وہ نہایت محبت کرنے والا ہے۔ صرف یہ نہیں کہ ان کے گناہوں سے درگزر فرمائے گا بلکہ اس کے بعد محبت بھی فرمائے گا۔ جب کہ صرف گناہوں کا معاف کر دینا بہت بڑا احسان ہے۔

۲۔ یہ درگزر اور محبت اس ذات کی طرف سے جو صاحب عرش ہے۔ تدبیر کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کے مقام تدبیری کا نام ہے۔

۳۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ: اس کا ارادہ کائنات میں نافذ ہے۔ اسے مجرموں کو گرفت میں لینے کے لیے صرف ارادہ کرنا ہوتا ہے۔ ارادے کے علاوہ کوئی اور وسائل بروئے کار لانے نہیں پڑتے۔ وہ ایک ارادے سے گرفت میں لیتا ہے اور ایک ارادے سے معاف کر دیتا ہے۔ اس کے ارادے کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡجُنُوۡدِ ﴿۱۷﴾ ۱۷۔ کیا آپ کے پاس لشکروں کی حکایت پہنچی ہے؟

فِرۡعَوۡنَ وَ ثَمُوۡدَ ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ فرعون اور ثمود کی؟

بَلِ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فِیۡ تَكۡذِیۡبٍ ﴿۱۹﴾ ۱۹۔ بلکہ کفر اختیار کرنے والے تو تکذیب میں مشغول ہیں۔

وَّ اللّٰهُ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ مُّحِیۡطٌ ﴿۲۰﴾ ۲۰۔ اور اللہ نے ان کے پیچھے سے ان پر احاطہ کیا ہوا ہے۔

تفسیر آیات

ابتدائی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی گرفت کے شدید ہونے کی ایک دو مثالیں تاریخ کے شواہد کے ساتھ بیان فرمائیں:

> جو اپنے وقت کے رسولوں کے مقابلے میں آئے اور ظلم کی انتہا کر دی اور رسولوں نے بھی صبر و استقامت کے ساتھ ان طاغوتی طاغتوں کا مقابلہ کیا پھر کس طرح اللہ نے ان طاغوتوں کو اپنی گرفت میں لیا اور فرعون کو پانی میں غرق کر دیا اور ثمود پر عذاب نازل کر

کے نابود کر دیا۔

اے رسول! آپ نے ان کی داستان سن لی ہے تو آپ بھی صبر سے کام لیں۔آپ کے دشمن کا انجام بھی وہی ہوگا جو فرعون و ثمود کا ہوا۔

۲۔ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: بلکہ آپ کی قوم میں سے جو لوگ کفر اختیار کر رہے ہیں وہ گزشتہ اقوام سے بدتر ہیں چونکہ گزشتہ اقوام کے سامنے منکرین کے انجام کی عبرتناک داستانیں نہیں تھیں۔ ثانیاً گزشتہ اقوام نے تکذیب کی اور آپ کی قوم پر تو تکذیب نے احاطہ کیا ہوا ہے۔ فِيْ تَكْذِيْبٍ کی تعبیر سے احاطہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۳۔ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ: اور اللہ نے ان کافروں کو اپنے احاطہ قدرت و علم میں لیا ہوا ہے۔ان کے سامنے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ ۲۱۔ بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے۔

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ ۲۲۔لوح محفوظ میں (ثبت) ہے۔

تفسیر آیات

ا۔یہ قرآن کذب نہیں ہے بلکہ یہ وہ قرآن ہے جو شرف و عزت اور عنایتوں والا ہے۔

۲۔ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ: یہ قرآن کسی کا ساختہ نہیں بلکہ لوح محفوظ میں موجود ایک دستور ہے۔

ہم نے سورہ انعام آیت ۵۹ کے ذیل میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ اس کائنات میں موجود ہر شے اور یہاں رونما ہونے والے ہر واقعہ کے ماوراء ایک ایسی اہم ترین شے کا ذکر فرماتا ہے جسے ایک نظام کے لیے ایک آئین کی حیثیت حاصل ہے کہ اس عالم شہود وعیاں میں جو کچھ ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے وہ سب اس آئین کے آرٹیکلز کے مطابق ہے جو اس بنیادی آئین میں لکھا ہوئے ہیں۔اس آئین کو لوح محفوظ، کتاب مبین، ام الکتاب، کتاب مکنون وغیرہ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

چنانچہ سورہ حدید۲۲ میں فرمایا:

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

کوئی مصیبت زمین پر اور تم پر نہیں پڑتی مگر یہ کہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے وہ ایک کتاب میں لکھی ہوتی ہے، اللہ کے لیے یقیناً یہ نہایت آسان ہے۔

یہ کتاب یا یہ لوح ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان اس کے وجود میں آنے سے پہلے ہے اس لیے مبین کہا گیا ہے اور تمام کائنات کے معاملات کے بارے میں یہی اصل اور بنیاد ہے اس لیے اسے ام الکتاب کہا گیا ہے۔

قرآن مجید اس لوح محفوظ میں موجود آئین کی دفعات میں سے ایک اہم ترین آرٹیکل ہے۔ اس لیے فرمایا: یہ قرآن زمین پر منصۂ شہود میں آنے سے پہلے اس لوح پر ثبت ہے جو ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔

سُورَةُ الطَّارِق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلی آیت میں واقع لفظ الطَّارِقِ سے ماخوذ ہے۔

یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور زمانہ نزول کا تعین نہیں ہو سکتا۔

سورۃ مبارکہ اس کی نئی تخلیق کی طرف توجہ مبذول کرا رہی ہے کہ منکرین قیامت اعادۂ حیات کس طرح ناممکن سمجھتے ہیں جب کہ یہ انسان خود اس نطفے سے پیدا ہوا جو انسان کے وجود میں بنتا ہے تو کیا وہ خالق، کائنات کے وجود میں بکھرے ہوئے ذروں سے اس انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کو چمکنے والے کی۔
وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾	۲۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا رات کو چمکنے والا کیا ہے؟
النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾	۳۔ وہ روشن ستارہ ہے۔

تشریح کلمات

الطَّارِقِ: (ط ر ق) کا معنی راستے پر چلنے والا ہے مگر عرف میں بالخصوص اس مسافر کو کہتے ہیں جو رات میں آئے۔ ستارے کو بھی الطارق کہا جاتا ہے کیونکہ بالخصوص رات کو ظاہر ہوتا ہے۔

الثَّاقِبُ: (ث ق ب) اتنا روشن کہ جس چیز پر اس کی کرنیں پڑیں اسے چھید کر پار گزر جائیں۔

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ نے آسمان اور الطارق کے ساتھ قسم کھانے کے بعد طارق ستارے کی اہمیت واضح

کرنے کے لیے وہی محاورہ استعمال فرمایا جو ہر اہم چیز کے بارے میں استعمال فرمایا ہے۔ یعنی وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ کس نے آپ کو بتایا یا آپ کیا جانیں محاورہ ہے۔ جس میں مخاطب کو مراد نہیں لیا جاتا کہ مخاطب کو اس کا علم نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ طارق کیا ہے، نہایت نادرست بات ہے۔ عرب لفظ طارق ستارے کے لیے عام استعمال کرتے تھے:

نحن بنات طارق
نمشي علی النمارق

مَاۤ اَدۡرٰىكَ کے بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سورہ حاقہ۔

اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَیۡہَا حَافِظٌ ؃ ۴۔ کوئی نفس ایسا نہیں جس پر نگہبان نہ ہو۔

تفسیر آیات

آیت میں اِنۡ نافیہ ہے اور لَّمَّا اِلَّا کے معنی میں ہے اور یہ آیت سورہ کی ابتدا میں قسموں کا جواب ہے۔ یعنی قسم ہے آسمان کی اور ستارے کی کوئی نفس ایسا نہیں جس پر نگہبان نہ ہو۔

ہر نفس پر نگہبان ہے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے اس کے اعمال ثبت کر کے حفظ کرنے والا ہے مگر یہاں نفس کی بات ہے، عمل کی نہیں۔

دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے: حَافِظٌ سے مراد اسے ہر حادثے سے بچانے والے موکل فرشتے ہیں۔ خصوصاً بچپن کی عمر میں۔ جیسے فرمایا:

لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ یَحۡفَظُوۡنَہٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ ...[1]

ہر شخص کے آگے اور پیچھے یکے بعد دیگرے آنے والے پہرے دار (فرشتے) مقرر ہیں جو بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

تیسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ نفس کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کو دوام حاصل ہے۔ یہ نفس وجود میں آنے کے بعد معدوم ہونے والا نہیں ہے۔ انسان کو دوام و بقا حاصل ہے۔ جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے:

انما خلقتم للبقاء لا للفناء...[2] تم بقا کے لیے خلق کیے گئے ہو، فنا کے لیے نہیں۔

صاحب تفسیر المیزان اس جگہ فرماتے ہیں:

اس سے وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو اعادۂ حیات پر کیا جاتا ہے کہ انسان کا بعینہ دوبارہ زندہ کرنا محال ہے چونکہ جو دوبارہ زندہ ہو گا وہ بعینہ پہلا انسان نہیں بلکہ اس

---

[1] ۱۳ رعد: ۱۱ [2] غرر الحکم: ۲۲۹۱

جیسا انسان ہے چونکہ پہلا انسان معدوم ہو گیا ہے۔
جواب یہ ہوا کہ نفس انسانی معدوم نہیں ہوتا چونکہ انسان کی شخصیت نفس سے محفوظ ہے،
بدن سے نہیں۔ اگر مان لیا جائے کہ بدن معدوم ہوا ہے، نفس معدوم نہیں ہوتا۔ انتہی
اس کے بعد کی آیات میں ان مراحل کا ذکر ہے جن میں انسان کی شکلیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۵ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۶ یَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَیۡنِ الصُّلۡبِ وَ التَّرَآئِبِ ۷

۵۔ پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔
۶۔ وہ اچھلنے والے پانی سے خلق کیا گیا ہے،
۷۔ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔

تشریح کلمات

دَافِقٍ : (د ف ق) کے معنی سرعت کے ساتھ بہنے کے ہیں۔
التَّرَآئِبِ: (ت ر ب) سینہ کی پسلیاں۔

تفسیر آیات

منکر معاد کو دعوت دی جا رہی ہے کہ وہ اپنے وجود پر غور کرے کہ وہ خلقت کے کن مراحل سے گزر کر ایک تام الخلقت انسان بنا ہے۔ وہ اس حقیر اور ناتواں جرثومہ پدر اور تخم مادر سے وجود میں آیا ہے جو پیٹھ ااور سینوں کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔

ہم نے بلاغ القرآن کے حاشیہ پر بعض اہل تحقیق کے حوالہ سے لکھا تھا:

صلب اور ترائب دونوں کا تعلق مرد سے ہے۔ چونکہ اچھلنے والا پانی مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ عورت کا تخم تو مقاربت سے پہلے تخم دان سے جدا ہو چکا ہوتا ہے۔ پانچ دن تک انتظار میں رہتا ہے اس اثنا میں مقاربت ہوئی تو حمل ٹھہر سکتا ہے۔

پھر ہم نے لکھا تھا:

بہر حال یہ قرآن کا اعلان ہے جس کی حقیقت کا انکشاف آنے والی نسلیں کریں گی۔

بعد میں تفسیر المراغی میں بعض طبی ماہرین کا ایک مقالہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تو پتہ چلا اس قرآنی حقیقت کا انکشاف ہو چکا ہے۔ اس مقالے میں لکھا ہے:

مَّآءٍ دَافِقٍ اچھلنے والا پانی مرد اور عورت دونوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ چنانچہ عورت کا تخم

بھی تخم دان سے اچھلنے والے پانی کے ساتھ نکلتا ہے اور رحم سے پرے نالی میں جرثومہ پدر کا انتظار کرتا ہے۔ جرثومہ پدر اور تخم مادر دونوں کا سرچشمہ، دونوں کی غذا، دونوں کی تشکیل کا منبع صلب و ترائب کے درمیان ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے قرآن نے بیان کیا ہے۔

تفصیل کے لیے تفسیر المراغی کی طرف رجوع کریں۔

اِنَّهٗ عَلٰی رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ — ۸۔ بے شک اللہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

تفسیر آیات

جو ذات اس حقیر پانی سے انسان کو خلق کرنے پر قادر ہے وہ اسے دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَ هُوَ اَهۡوَنُ عَلَیۡهِ ...[1] — اور وہی خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرتا ہے اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔

یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ — ۹۔ اس روز تمام راز فاش ہو جائیں گے۔

فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ — ۱۰۔ لہٰذا انسان کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔

تفسیر آیات

۱۔ دنیا میں تو ستار العیوب ہے کیونکہ دنیا دار الامتحان ہے لیکن دار الجزا میں بہت سے لوگوں کے راز فاش ہو جائیں گے۔ دعا میں ہے:

ولا تفضحنی علی رؤس الاشهاد۔[2] — اے اللہ مجھے بھرے مجمع میں رسوا نہ کر۔

اور حضرت خلیل علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَ لَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ ۙ﴿۸۷﴾[3] — اور مجھے اس روز رسوا نہ کرنا جب لوگ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔

یعنی حق بندگی ادا نہ ہونے پر اپنے مقرب بندوں میں رسوا نہ کر۔

---

[1] ۳۰ روم: ۲۷ [2] بحار الانوار ۹۴: ۲۲۸ [3] ۲۶ الشعراء: ۸۷

آیت کے مطمح نظر میں کافروں کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دنیا میں نیک اور صالح بن کر لوگوں کو دھوکہ دیتے رہے ہوں۔ وہ قیامت کے دن رسوا ہو جائیں گے۔

جب قیامت کے دن ان کا باطن فاش ہو جائے گا تو نہ تو کوئی قوت ان کی ہمدردی کے لیے موجود ہوگی، نہ کوئی مددگار آئے گا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ﴿۱۱﴾ ۱۱۔ قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی،

وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿۱۲﴾ ۱۲۔ اور (دانہ اگانے کے لیے) شق ہونے والی زمین کی،

تشریح کلمات

الرَّجۡعِ: (ر ج ع) بارش کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

آسمان کی بارش اور زمین کی روئیدگی کے ساتھ قسم کھا کر یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ جس نے آسمان سے پانی برسا کر اور زمین کو روئیدگی دے کر تمہاری زندگی کا سامان فراہم کیا اور جس سے مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔

اِنَّہٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿۱۳﴾ ۱۳۔ یہ (قرآن) یقیناً فیصلہ کن کلام ہے،

وَّمَا ہُوَ بِالۡہَزۡلِ ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے۔

تشریح کلمات

الھزل: (ھ ز ل) کے معنی لاحاصل اور بے نتیجہ بات کے ہیں۔

تفسیر آیات

اعادۂ حیات کے مظاہر پیش کرنے کے بعد فرمایا: قرآن نے اعادۂ حیات کے بارے میں جو اعلان کیا ہے وہ ایک فیصلہ کن اور حق و باطل کو جدا کرنے والا قول ہے اور قرآن کا اعلان قیامت، لاحاصل اور بے معنی بات نہیں، ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

اِنَّہُمۡ یَکِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ بے شک یہ لوگ اپنی چال چل رہے ہیں

وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ اور میں بھی تدبیر کر رہا ہوں۔

تفسیر آیات

۱۔ مشرکین مکہ مٹھی بھر مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ہر حربہ استعمال کر رہے ہیں، ان کے خلاف تمام وسائل بروئے کار لا رہے ہیں۔ اسلامی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے اپنی پوری طاقت خفیہ اور علانیہ استعمال کر رہے ہیں اور ہر قسم کی بہتان تراشیوں کے ذریعے شبہات پیدا کرنے کی ہر کوشش کر رہے ہیں۔

۲۔ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا: فرمایا: ان کی سازشوں کے مقابلے اللہ تعالیٰ بھی اپنی چال چل رہا ہے اور اپنی تدبیر کے ذریعے ان کی ہر سازش کو ناکام بنا رہا ہے:

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ [1] اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، میری تدبیر یقیناً نہایت مضبوط ہے۔

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ع ۱۷۔ پس کفار کو مہلت دیں اور کچھ دیر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

تفسیر آیات

اے رسول! کافروں کو مہلت دو کہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر کے دیکھ لیں اور ساتھ ساتھ اپنے جرم میں روز اضافہ کرتے جائیں، نتیجتاً سخت ترین گرفت میں مبتلا ہو جائیں۔

لفظ رُوَيْدًا (تھوڑا) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے نوید فتح ہے اور مشرکین کی نابودی کی پیشینگوئی ہے۔ چنانچہ زیادہ وقت نہیں گزرا ان مشرکین میں سے کچھ مارے گئے اور کچھ طلقاء کا طوق گردن پر لے کر زندہ رہے۔

---

[1] ۷ اعراف: ۱۸۳

سُوۡرَةُ الۡاَعۡلٰى

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلی آیت میں مذکور لفظ الۡاَعۡلٰی سے ماخوذ ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے آخر میں قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ۙ﴿۱۴﴾ وَ ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ میں زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ زکوٰۃ کا حکم مدینہ میں نازل ہوا ہے اس لیے آخری آیات مدنی ہیں لیکن مکی آیات میں بھی لفظ زکوٰۃ کا ذکر ملتا ہے جو مطلق تزکیۂ مال کے معنوں میں ہے۔ البتہ یہاں ایک روایت بھی موجود ہے جس میں زکوٰۃ سے مراد فطرہ ہونے کا ذکر ہے۔ اس روایت کی صحت کی صورت میں یہ آیات مدنی ثابت ہو سکتی ہیں۔

ابتدائی آیات میں اللہ کی خلاقیت کے اہم راز تخلیق و ہدایت کا ذکر ہے کہ خلق کے بعد ہر جاندار میں اس کی بقا و ارتقا کے لوازمات کی ہدایت ودیعت ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو قرآن پڑھانے کا ذکر ہے کہ اللہ کا پڑھانا تلقینی نہیں بلکہ تکوینی ہے جو قابل فراموشی نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴿۱﴾	۱۔ (اے نبی) اپنے پروردگار اعلیٰ کے نام کی تسبیح کرو
الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ﴿۲﴾	۲۔ جس نے پیدا کیا اور توازن قائم کیا،
وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَہَدٰی ۪ۙ﴿۳﴾	۳۔ اور جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔
وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۪ۙ﴿۴﴾	۴۔ اور جس نے چارہ اگایا،
فَجَعَلَہٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ؕ﴿۵﴾	۵۔ پھر (کچھ دیر بعد) اسے سیاہ خاشاک کر دیا،

تشریح کلمات

الۡمَرۡعٰی: (ر ع ی) اصل میں حیوان یعنی جاندار چیز کی حفاظت کو کہتے ہیں۔ خواہ غذا کے ذریعے ہو جو اس کی زندگی کی محافظ ہے یا اس کے دشمن کو دفع کرنے کے ذریعے ہو۔ مرعی چراگاہ کو کہتے ہیں۔

غُثَآءً: (غ ث و) اس کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں جسے سیلاب بہا کر لاتا ہے اور یہ ہر اس چیز کے لیے ضرب المثل ہے جسے ضائع ہونے دیا جائے تو اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔

اَحْوٰی: (ح و ی) سیاہ، مائل بہ سبزی۔

تفسیر آیات

ا۔ اے رسول! اپنے رب کی تسبیح کرو۔ یعنی اسم خدا کو ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک قرار دو۔ اللہ کے اسم کی طرف عاجزی، جہالت، ظلم اور جبر کی نسبت نہ دو یا اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خلق، رزق، موت و حیات کا اختیار دینے والی باتیں نہ کرو یا اللہ کے ساتھ کسی اور کو رب کہہ دینا بھی تسبیح کے خلاف ہے چونکہ اس قسم کی باتیں توحید کے خلاف ہیں اور جو توحید کے خلاف ہے وہ اللہ کی تنزیہ و تقدیس کے خلاف ہے۔ سب سے زیادہ اللہ کی تنزیہ و تقدیس کے خلاف شرک ہے۔ لہٰذا جب اللہ کا نام لو تو شرک کے بغیر لو:

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا[1] اور جب آپ قرآن میں اپنے یکتا رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت سے اپنی پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔

۲۔ رَبِّكَ: جسے آپ نے اپنا رب تسلیم کیا اس کے نام کی تسبیح کرو۔ اس کا مطلب یہ بنتا ہے: اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو رب تسلیم نہ کرو چونکہ تسبیح عبادت ہے اور عبادت صرف رب کی ہوتی ہے۔

۳۔ الْاَعْلَى: اس رب کے اسم کی تسبیح کرو جس کی بلندی وصف و بیان کی حد سے بڑھ کر ہے۔ یہاں بھی الْاَعْلَى کے معنی بیان کرتے ہوئے "سب سے بلند" کہنا درست نہیں ہے، جس طرح اللہ اکبر میں "سب سے بڑا" کہنا درست نہیں ہے۔ چونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے مخلوقات کے ساتھ موازنہ لازم آتا ہے جو بذات خود تقدیس و تسبیح کے منافی ہے۔

۴۔ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى: تخلیق کے ساتھ توازن اور تناسب قائم کیا۔ چنانچہ اس کائنات میں کوئی شے کسی شے سے متصادم نہیں ہے۔ یہ کائنات اپنے حسن و جمال میں ایسی شکل میں ہے کہ اس سے بہتر قابل تصور نہیں ہے۔ جیسے فرمایا:

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ...[2] جس نے ہر اس چیز کو جو اس نے بنائی بہترین بنایا۔

چنانچہ انسان، حیوانات، نباتات، اجرام سماوی، کل کائنات اسی تناسب اور توازن پر قائم ہے۔ عناصر کے توازن کے بغیر کوئی پودا نہیں اُگ سکتا اور خلیوں کی باہمی ہم آہنگی کے بغیر کوئی مخلوق وجود میں نہیں آ سکتی۔ چنانچہ توازن بحسب زمان خلقت کے ساتھ اور خلقت کے بعد بھی ہے۔ البتہ بلحاظ رتبہ خلقت پہلے، توازن بعد میں ہے۔

---

[1] ۱۷ بنی اسرائیل: ۴۶ [2] ۳۲ سجدہ: ۷

۳۔ وَالَّذِیۡ قَدَّرَ: اس رب کی تسبیح کرو جس نے تقدیر سازی کی۔ صرف تخلیق نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کے لیے منصوبہ بندی کی اور ہر مخلوق کی حدود و قیود کا تعین کیا۔ اس کی ذات وصفات اور افعال کے لیے قانون اور دستور وضع کیا جس سے تجاوز کرنا ممکن نہ ہو۔ تقدیر کے موضوع پر اس سے پہلے کئی بار گفتگو ہو گئی ہے۔

۴۔ فَهَدٰی: ہر مخلوق کے لیے آئندہ کی منصوبہ بندی کے ساتھ اس میں آئندہ اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے اصول وضوابط اور لوازم کے حصول کی ہدایت بھی ودیعت فرمائی اور عبودیت و بندگی کے تقاضے بھی اس کی فطرت میں ودیعت فرمائے۔

۵۔ الۡمَرۡعٰی: اپنے اس رب کی تسبیح کرو جس نے چارہ اگا کر تمہارے لیے متاع حیات فراہم کیا:

مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ۝[۱] جو تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زیست ہیں۔

۶۔ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی: یہ اللہ کی قدرت و تدبیر کا ایک نمونہ ہے جس چیز کو سرسبزی بخشی ہے وہی چیز دوسرے وقت خس و خاشاک، بے قیمت ہو جاتی ہے۔ پس قیمتی بنانے اور بے قیمت کرنے والی اللہ کی ذات ہے۔

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤی ۙ۶ ۶۔ (عنقریب) ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے،

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا يَخۡفٰی ۷ ۷۔ مگر جو اللہ چاہے، وہ ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو یقیناً جانتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لی ہے۔ لہٰذا قرآن کے تحفظ کا اولین مرحلہ یہی ہے کہ جس ہستی کے سینے پر قرآن نازل کیا جا رہا ہے اس سینہ میں وہ حفظ ہو جائے اور عدم نسیان اس کا لازمہ ہے۔ ہم نے پہلے بھی کئی بار اس بات کی وضاحت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ وحی اپنے حواس ظاہری کے ذریعے وصول نہیں کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ وحی اپنے پورے وجود کے ساتھ وصول فرماتے تھے۔ اپنے وجود کو بھولا جا سکتا ہے نہ اس میں غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن تکویناً پڑھایا ہے، تکوینیات میں اللہ کا حکم فوری نافذ ہوتا ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] ۸۰ عبس: ۳۲

لہٰذا صحیح بخاری کی وہ روایت صریحاً قرآن کے خلاف ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک آیت کی فراموشی کی نسبت دی گئی ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں آیہ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ .... بقرہ آیت ۱۰۶ کے ذیل میں ابن عباس کی طرف نسبت دی ہے:

كان مما ينزل على النبى صلى الله عليه وسلم الوحى بالليل و ينساه بالنهار۔	نبی ﷺ پر نازل ہونے والی وحی میں کچھ وحی ایسی بھی تھی جو رات کو نازل ہوتی تھی اور دن کو بھول جاتے تھے۔

یہ روایت بھی قرآن کی نص صریح کے خلاف ہے۔

۲۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ: کا استثنا صرف اس بات کا اظہار ہے کہ اگر اللہ اس وحی کو قلب رسول سے سلب کرنا چاہے تو پھر آپ بھول سکتے ہیں مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۶۔۸۷ میں فرمایا:

وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیۡنَا وَکِیۡلًا ﴿ۙ﴾ اِلَّا رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ کَانَ عَلَیۡکَ کَبِیۡرًا ﴿﴾	اور اگر ہم چاہیں تو ہم نے جو کچھ آپ کی طرف وحی کی ہے وہ سب سلب کر لیں، پھر آپ کو ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہیں ملے گا۔ سوائے آپ کے رب کی رحمت کے، آپ پر یقیناً اس کا بڑا فضل ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے ہوتے ہوئے یہ وحی سلب نہیں ہو سکتی۔

وَنُیَسِّرُکَ لِلۡیُسۡرٰی ﴿۸﴾	۸۔ اور ہم آپ کے لیے آسان طریقہ فراہم کریں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ اور ہم آسان بنائیں گے آپ کے لیے آسان طریقے کا حصول۔ یسری ایسر کی تانیث یعنی الطریقة اليسرى آسان تر طریقہ۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم آپ کو تبلیغ رسالت کے بارے میں پیش آنے والی حوصلہ شکن مشکلات کو آسان طریقہ سے حل کرنے کے لیے راہ ہموار کریں گے۔

چنانچہ کفر و شرک اور اسلام میں کوئی قدر مشترک نہیں تھی۔ اسلام کا مطلب سو فیصد انقلاب تھا۔ اس انقلاب کے لانے والے نہایت بے سر و سامان ہیں۔ جب کہ کفر و شرک اپنی پوری طاقت میں ہے۔ ایسے حالات اور ایسے تاریک ترین معاشرے میں اسلام کا روشن ترین انقلاب لانا نہایت مشکل کام تھا بلکہ بادی النظر

میں ناممکن دکھائی دیتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان مشکلات کو آسان بنا دیا اور جزیرۂ عرب میں اسلامی انقلاب کا سورج اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ طلوع ہو گیا۔

فَذَكِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّكۡرٰی ﴿۹﴾ ۹۔ پس جہاں نصیحت مفید ہو نصیحت کرتے رہو۔

تفسیر آیات

جب ہماری طرف سے ہونے والی وحی آپ کے دل میں نقش ہو جائے گی اور مشکلات بھی آسان ہو جائیں گی تو آپ اپنی ناصحانہ تحریک شروع کریں اور ان لوگوں کا انتخاب کریں جن پر آپ کی نصیحت اثر کرتی ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ عالمین کے لیے رحمت ہیں تاہم اس رحمت سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں:

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا ؎۱ پس آپ اس سے منہ پھیر لیں جو ہمارے ذکر سے منہ پھیرتا ہے اور صرف دنیاوی زندگی کا خواہاں ہے۔

سَیَذَّكَّرُ مَنۡ یَّخۡشٰی ﴿۱۰﴾ ۱۰۔ جو شخص خوف رکھتا ہے وہ جلد نصیحت قبول کرتا ہے۔

تفسیر آیات

جس کا ضمیر اور وجدان زندہ ہے، اس دعوت اسلامی کو سن کر اس کے دل میں ایک خوف پیدا ہو گا کہ دیکھو یہ دعوت اگر حق پر مبنی ہے تو ہمارے انکار سے ہماری عاقبت تباہ ہو جائے گی۔ جیسے فرمایا:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ... ؎۲ اللہ کے بندوں میں سے صرف اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

علم سے بیداری آتی ہے اور بیدار انسان خطرات کا احساس کرتا ہے۔

وَیَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَی ﴿۱۱﴾ ۱۱۔ اور بدبخت اس سے گریز کرتا ہے،

الَّذِیۡ یَصۡلَی النَّارَ الۡكُبۡرٰی ﴿۱۲﴾ ۱۲۔ جو بڑی آگ میں جھلسے گا۔

ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلَا یَحۡیٰی ﴿۱۳﴾ ۱۳۔ پھر اس میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔

؎۱ ۵۳ نجم: ۲۹ ؎۲ ۳۵ فاطر: ۲۸

تفسیر آیات

۱۔ اور جس کا دل غافل اور بدبخت ہے وہ اس نصیحت سے دور رہنا چاہتا ہے۔ ضمیر مردہ ہونے کی وجہ سے اس کے ہاں خوف نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ آیت میں فرمایا: الۡاَشۡقَی شقی ترین شخص اس نصیحت سے دور رہے گا۔ اشقی وہ ہے جو اس نصیحت کے نزدیک کسی صورت میں آنے والا نہیں ہے۔ رہا اشقی اور سعید کے درمیان شقی، جو شقی ترین نہیں، اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے راہ راست پر آنے کا امکان ہے اور اشقی سے ملحق ہونے کا بھی امکان ہے۔

۲۔ النَّارَ الۡکُبۡرٰی: جہنم کی آتش ہے جو دیگر آتشوں کے مقابلے میں بڑی آتش ہے۔ اس آتش کی حدت انسانی تصور سے بھی زیادہ ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہے۔

۳۔ ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَ لَا یَحۡیٰی: جہنم والے اس طرح وقت گزاریں گے کہ نہ وہ مردہ ہوں گے کہ عذاب کا احساس نہ ہو۔ یعنی عذاب چکھنے کی حد تک وہ مردہ نہیں ہوں گے۔ نہ ہی زندگی کے آثار میں سے کوئی ایک ان میں ہو گا کہ اپنے عزم و ارادے کے مالک ہوں۔ ان کی حیثیت زندہ لاش کی ہو گی۔

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾　　۱۴۔ تحقیق جس نے پاکیزگی اختیار کی وہ فلاح پا گیا،

وَ ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾　　۱۵۔ اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔

تفسیر آیات

۱۔ فلاح و نجات اس شخص کے لیے ہے جو اپنے آپ کو دنیا پرستی سے پاک رکھتا ہے۔ یعنی اگر دنیا اور آخرت میں تصادم ہو تو آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور دنیوی مفادات سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ یہ نفس کی پاکیزگی کی علامت ہے۔ حدیث ہے:

حُبُّ الدُّنۡیَا رَأۡسُ کُلِّ خَطِیۡئَۃٍ...[۱]　　دنیا پرستی ہر گناہ کی جڑ ہے۔

۲۔ جب نفس حب دنیا کے پردوں کے پرے نہ ہو گا۔ بلکہ پاک و شفاف ہو گا تو اس کا ضمیر اور وجدان بیدار ہو گا۔ نماز کے اوقات میں نام خدا یاد آئے گا پھر نماز کے لیے دوڑے گا۔

بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۱۶﴾　　۱۶۔ بلکہ تم تو دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو،

وَ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ﴿۱۷﴾　　۱۷۔ حالانکہ آخرت بہترین ہے اور بقا والی ہے۔

---

[۱] الکافی ۲: ۳۱۶

تفسیر آیات

۱۔ اس آیت سے معلوم ہوا تزکیہ نفس دنیا پرستی نہ کرنا ہے۔ فرمایا: تم اپنے نفس کو دنیا کی غلاظت سے پاک نہیں رکھتے جس کی وجہ سے تم ذکر خدا اور نماز سے دور رہتے ہو۔ ہم نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو نہ صرف خود نماز سے دور رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو نماز سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ بھی ہم نے دیکھا ہے کہ اس جرم کا اصل محرک حب دنیا ہے۔

۲۔ جب کہ آخرت دنیا کے مقابلے میں بہتر ہے۔ زندگی کے اعتبار سے، نعمتوں کے اعتبار سے بلکہ ہر اعتبار سے دنیا اور آخرت میں موازنہ نہیں ہو سکتا۔

۳۔ وَّ اَبۡقٰی: آخرت کی زندگی زوال پذیر نہیں ہے۔ دائمی زندگی ہے جہاں بیماری، فقر اور موت قسم کی کسی چیز کا خوف نہیں ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ پہلے صحیفوں میں بھی یہ بات (مرقوم) ہے۔

صُحُفِ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ مُوۡسٰی ﴿۱۹﴾ ۱۹۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ هٰذَا: یہ اشارہ ہے آخری چار آیتوں کے مضمون کی طرف۔ بعض کہتے ہیں وَالۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی کی طرف اشارہ ہے کہ

۲۔ لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی: صحف اولیٰ یعنی قدیم صحیفوں کے بارے میں روایت ہے کہ ان کی تعداد ایک سو چار کتب ہیں۔ ملاحظہ ہو المیزان۔ الکشاف ذیل آیہ۔

۳۔ صُحُفِ اِبۡرٰهِیۡمَ: صحف اولیٰ کی تشریح ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہونے والی آسمانی کتابیں سرفہرست ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی آسمانی کتابیں صحف اخیرہ شمار ہوں گی۔

سُورَةُ الغَاشِيَة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام الۡغَاشِیَۃِ اس لیے مقرر ہوا کہ پہلی آیت میں اس لفظ کا ذکر آیا ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سورۃ کے مضامین مکی سورتوں کی طرح عقائد پر مشتمل ہیں۔ خاص کر وقوع قیامت کے موقع پر دو گروہوں کا ذکر ہے: نجات پانے والوں اور جہنم جانے والوں کا۔ اس کے بعد اللہ کی تدبیری و ربوبی آیات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا مطالعہ کر کے اپنے رب کو پہچاننے کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ ؕ﴿۱﴾

۱۔ کیا آپ کے پاس (ہر چیز پر) چھا جانے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے؟

تفسیر آیات

قیامت ایک ایسا عظیم حادثہ ہے جس کی زد میں تمام مخلوقات اور پوری کائنات آتی ہے۔ اسی لیے اسے غاشیۃ چھا جانے والی کہا گیا ہے۔ اس روز کی اہمیت کے پیش نظر سوالیہ جملے میں رسول کریم ﷺ سے خطاب فرمایا ہے۔

وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَۃٌ ۙ﴿۲﴾

۲۔ اس دن کچھ چہرے خوار ہوں گے۔

تفسیر آیات

کچھ چہروں پر ناامیدی اور ذلت و خواری، خوف و وحشت کے آثار ظاہر ہو رہے ہوں گے اور ایک

دردناک عذاب کے انتظار میں ہوں گے۔ انہیں علم ہوا ہو گا کہ ہر آنے والا لمحہ گزشتہ لمحے سے بدتر ہو گا۔

عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ ۝۳　　۳۔ وہ مصیبت سہ کر تھکے ہوئے ہوں گے،

تفسیر آیات

۱۔ عَامِلَۃٌ: کے ایک معنی یہ کیے گئے ہیں: قیامت کے دن مصیبتیں اٹھا اٹھا کر تھکے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں: دنیا میں ان کے سارے اعمال باطل اور بے سود رہ گئے۔ سوائے تھکاوٹ کے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں مل رہا ہو گا۔ یعنی مذاہب باطلہ کے پیروکار لوگ جو عبادت کرتے ہیں اس سے انہیں سوائے تھکاوٹ کے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً ۝۴　　۴۔ دہکتی آگ میں جھلس رہے ہوں گے،

تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَۃٍ ۝۵　　۵۔ وہ سخت کھولتے ہوئے چشمے سے سیراب کیے جائیں گے،

لَیْسَ لَہُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ۝۶　　۶۔ خاردار جھاڑی کے سوا ان کے لیے غذا نہ ہو گی،

لَّا یُسْمِنُ وَ لَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷　　۷۔ جو نہ جسامت بڑھائے نہ بھوک مٹائے۔

تشریح کلمات

حَامِیَۃً: (ح م ی) الحمی وہ حرارت جو گرم جواہر جیسے آگ، سورج وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اٰنِیَۃٍ: (ا ن ی) انتہائی حرارت کا پانی۔

ضَرِیْعٍ: (ض ر ع) خاردار جھاڑی۔ بعض نے سرخ بدبودار گھاس معنی کیا ہے۔ بعض نے اس سے شبرق نامی کانٹا مراد لیا ہے جو زہر قاتل ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جہنم والوں کو بھوک کا بھی عذاب دیا جائے گا جس کی وجہ سے وہ کھانے کی کوئی چیز تلاش کریں گے تو انہیں ایسی غذا دی جائے گی جس سے عذاب میں اضافہ ہو اور بھوک نہ مٹے۔

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ ۝۸　　۸۔ اس دن کچھ چہرے شاداب ہوں گے۔

لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿۹﴾ ۹۔ اپنے عمل پر خوش ہوں گے،

تفسیر آیات

ا۔ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ذلت و خواری والے چہروں کے مقابلے میں کچھ چہرے ایسے ہوں گے جو نعمتوں سے مالا مال ہوں گے:

تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ نَضۡرَۃَ النَّعِیۡمِ ۚ﴿﴾ [1] ان کے چہروں سے آپ نعمتوں کی شادابی محسوس کریں گے۔

۲۔ دنیوی زندگی میں اللہ کی رضایت کے حصول کے لیے جو جدوجہد کی ہے اس کے اچھے نتائج دیکھ کر مطمئن ہوں گے۔ اپنے نامۂ عمل میں تھوڑے سے عمل کا جو قبول بارگاہ ہوا ہے بہت بڑا ثواب دیکھ کر خوشی و مسرت کا جو عالم ہو گا وہ ناقابل وصف و بیان ہو گا۔

فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿ۙ۱۰﴾ ۱۰۔ بہشت بریں میں ہوں گے،

لَّا تَسۡمَعُ فِیۡہَا لَاغِیَۃً ﴿ؕ۱۱﴾ ۱۱۔ وہ وہاں کسی قسم کی بیہودگی نہیں سنیں گے،

فِیۡہَا عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ ﴿ۘ۱۲﴾ ۱۲۔ اس میں رواں چشمے ہوں گے۔

فِیۡہَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ ﴿ۙ۱۳﴾ ۱۳۔ اس میں اونچی مسندیں ہوں گی،

وَّ اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ ﴿ۙ۱۴﴾ ۱۴۔ اور پیالے رکھے ہوں گے،

وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَۃٌ ﴿ۙ۱۵﴾ ۱۵۔ اور ترتیب سے رکھے ہوئے تکیے ہوں گے،

وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَۃٌ ﴿ؕ۱۶﴾ ۱۶۔ اور نفیس فرش بچھے ہوئے ہوں گے۔

تشریح کلمات

نَمَارِقُ: چھوٹے تکیے۔

زَرَابِیُّ: (ز ر ب) زرب کی جمع ہے جو عمدہ قسم کا کپڑا ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ وہ ایسی بلند درجہ جنت میں ہوں گے جو ہر لحاظ سے بلندی پر ہو گی۔ جگہ کے اعتبار سے اور درجہ کے اعتبار سے۔

---

[1] ۸۳ مطففین: ۲۴

۲۔ لَاغِيَةً: لغو اور بیہودہ باتیں نہیں ہوں گی۔ دنیا میں ہماری باہمی گفتگو بیہودگی اور فتنہ انگیزی یا غیبت وحسد وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ جنت میں باہمی گفتگو میں بھی لذت، فرحت اور روحانی تسکین ہوگی۔

۳۔ جنت میں جو چشمے ہوں گے وہ اہل جنت کے صرف ارادے سے پھوٹ پڑیں گے: يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا۔[۱] اسے (جیسے چاہیں) جاری کریں گے۔

۴۔ اس کے بعد اہل جنت کی بود و باش اور سطح زندگی کے بارے میں فرمایا:

الف: وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ: ساغر آمادہ رکھے ہوئے ہوں گے جب چاہیں پی لیں۔

ب: تکیوں کا ترتیب سے رکھا ہوا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ محفل سجی ہوئی ہوگی جس میں ان تکیوں سے ٹیک لگائے احباب بیٹھے ہوں گے۔ جیسے فرمایا:

عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝[۲]		وہ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

ج: جہاں محفل ہوگی وہاں نفیس قسم کے فرش بچھے ہوئے ہوں گے جو ان کی شان و شوکت کی علامت ہے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷		۱۷۔ کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں؟

تفسیر آیات

مومنین کے لیے جنت کی نعمتوں کے ذکر کے بعد ان آیات و شواہد کا ذکر فرمانا شروع کیا جن سے اللہ کی ربوبیت اور تدبیر حیات میں صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت کا نافذ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں خاص کر اونٹ کا ذکر فرمایا۔ چونکہ مشرکین اپنے دیوتاؤں کو تدبیر حیات کا مالک سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کے محسوسات میں سے واضح محسوس چیز سامنے رکھی کہ تمہاری زندگی کے کتنے لوازم ہیں جو اس مخلوق کی خلقت میں ودیعت کیے ہیں۔ مشرکین چونکہ اللہ کو خالق تسلیم کرتے ہیں تو اس مخلوق کی خلقت میں موجود تدبیر کا ذکر ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ تخلیق اور تدبیر قابل تفریق نہیں ہیں۔ چنانچہ اونٹ کے صرف خلق میں نہیں کیفیت خلق میں بھی تدبیر ہے۔ اونٹ جیسی تدبیر حیات انسانی کے لیے درکار خاصیتیں کسی اور جانور میں نہیں ہیں:

i۔ اس کا گوشت، دودھ، سواری اور بار برداری سب کارآمد ہیں۔

ii۔ سات سے دس دن تک پیاس برداشت کرتا ہے، بھوک اس سے زیادہ۔

iii۔ اسے صحرائی کشتی بھی کہتے ہیں۔ ایک دن میں طویل مسافت طے کرتا ہے۔

---

[۱] ۷۶ انسان: ۶	[۲] ۳۷ صافات: ۴۴

iv۔ تھوڑے سے چارے سے سیر ہو جاتا ہے۔

v۔ سخت موسمی حالات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

vi۔ ایسا فرماں بردار کو ایک بچہ بھی اونٹوں کے پورے قافلہ کو قابو کر سکتا ہے۔

وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے اٹھایا گیا ہے؟

تفسیر آیات

کیا تم آسمان کی طرف نگاہ فکر نہیں کرتے کہ اس کا خالق تمہاری زندگی کے لوازم کی فراہمی کے لیے آسمان کو بلند کر کے کیا کیا رحمتیں یہاں سے نازل فرما رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ۝ [1] اور تمہاری روزی آسمان میں ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ ۱۹۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے گاڑ دیے گئے ہیں؟

تفسیر آیات

پہاڑ بھی انسانی زندگی کے لوازم کی فراہمی کے لیے بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ زمین کو استقرار دینے کے علاوہ دنیا میں موجود تمام دریاؤں کا منبع پہاڑ ہیں۔ پہاڑوں پر موجود گلیشیئر، برف، چشمے انسان کے لیے زندگی کے وسائل فراہم کرتے ہیں۔

وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ ۲۰۔ اور زمین کی طرف کہ وہ کیسے بچھائی گئی ہے؟

تفسیر آیات

زمین کی ساخت کے سلسلے میں اس سے پہلے کئی بار گفتگو ہو گئی ہے۔ زمین کو ہم مہربان ماں کہہ سکتے ہیں جو اپنے دامن میں انسانوں کے لیے بے شمار نعمتیں فراہم کرتی ہے۔

ان مذکورہ تمام مظاہر میں خلقت کے ساتھ تدبیری امور بھی ودیعت ہیں۔ لٰہذا اللہ تعالیٰ صرف خالق نہیں ہے جیسے مشرکین کہتے ہیں بلکہ اس مخلوق کی کیفیت پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے

---

[1] ۵۱ ذاریات: ۲۲

کہ تخلیق اور تدبیر ناقابل تفریق ہیں۔ یعنی تخلیق میں تدبیر ودیعت ہے۔

فَذَکِّرۡ ۟ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿ؕ۲۱﴾ لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ ﴿ۙ۲۲﴾

۲۱۔ پس آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ فقط نصیحت کرنے والے ہیں۔
۲۲۔ آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف تعبیروں میں واضح کر کے بیان فرمایا ہے کہ رسول کا کام اللہ کا پیغام لوگوں تک بغیر کسی ابہام کے پہنچانا ہے:

وَمَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿﴾ [1]
اور رسول کی ذمے داری بس یہی ہے کہ واضح انداز میں تبلیغ کرے۔

اس آیت میں بھی فرمایا: آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ اللہ کا پیغام اور نصیحت لوگوں تک پہنچانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ منوانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے:

فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ وَ عَلَیۡنَا الۡحِسَابُ ﴿﴾ [2]
بہرحال آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچانا اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے۔

۲۔ لَسۡتَ: ان پر اسلام مسلط کرنا، انہیں ایمان لانے پر مجبور کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ عقیدہ و ایمان کا تعلق دل سے ہے اور دل جبر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتا چونکہ دل جبر کی منطق سمجھتا ہی نہیں۔ چنانچہ متعدد آیات میں اس بات کو بھی غیر مبہم لفظوں میں واضح فرمایا ہے کہ اس جگہ طاقت استعمال نہیں ہوتی:

وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِجَبَّارٍ ۟ فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ [3]
اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں، بس آپ اس قرآن کے ذریعے اس شخص کو نصیحت کریں۔

اَفَاَنۡتَ تُکۡرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿﴾ [4]
پھر کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر سکتے ہیں؟

لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ ۟ۙ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ ۚ ... [5]
دین میں جبر و اکراہ نہیں، تحقیق ہدایت اور ضلالت میں فرق نمایاں ہو چکا ہے۔

اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰی وَ کَفَرَ ﴿ۙ۲۳﴾

۲۳۔ البتہ جو منہ موڑے گا اور کفر اختیار کرے گا۔

---

[1] ۲۹ عنکبوت: ۱۸ [2] ۱۳ رعد: ۴۰ [3] ۵۰ ق: ۴۵ [4] ۱۰ یونس: ۹۹ [5] ۲ بقرہ: ۲۵۶

تفسیر آیات

یہ استثناء فَذَكِّرْ کے محذوف مفعول کا ہے یعنی فذکرھم الا من تولی نصیحت ان لوگوں کے لیے مفید ہے جو ہدایت چاہتے ہیں لیکن جو لوگ کسی بھی صورت میں نصیحت قبول کرنے والے نہیں ہیں انہیں نصیحت کرنا فائدہ مند نہیں ہوگا۔ جیسے فرمایا:

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ○[1] — پس جہاں نصیحت مفید ہو نصیحت کرتے رہو۔

فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ — ۲۴۔ سو اللہ اسے سب سے بڑے عذاب میں مبتلا کرے گا۔

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ — ۲۵۔ انہیں یقیناً ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے،

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ — ۲۶۔ پھر ان کا حساب لینا یقیناً ہمارے ذمے ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ آپ کی نصیحت سے منہ موڑنے والوں کو عذاب اکبر ہو گا۔ جہنم والے اگر کافر نہیں ہیں، گناہ زیادہ ہونے کی وجہ سے جہنم میں ہیں تو انہیں عذاب اکبر نہ ہو گا۔ اگر اہل جہنم کافر ہیں تو انہیں عذاب اکبر ہو گا۔

۲۔ تہدید آمیز لہجے میں فرمایا: منکروں کو بالآخر ہماری بارگاہ میں آنا ہے۔ ان کے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ پھر ہماری عدالت میں حاضر ہو کر اپنے جرائم کا حساب دینا ہے۔ یہ حساب لینا اللہ کے عدل و انصاف کے تحت ایک ضروری امر ہے۔ اس لیے فرمایا: حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔

---

[1] ۸۷ اعلیٰ: ۹

سُوْرَةُ الْفَجْرِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورہ مبارکہ کا نام اَلْفَجْرِ اس لفظ کے ابتدائی آیت میں مذکور ہونے کی مناسبت سے مقرر ہوا۔

یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ آیات کی تعداد تیس ہے۔

سورۃ کی ابتداء میں چند مظاہر قدرت کی قسم کھا کر فرمایا: غافل انسان گزشتہ اقوام کے عبرت انگیز انجام سے سبق کیوں نہیں سیکھتا۔ خاص کر ارم کا ذکر ہے جس کی مثال اس زمانے کی عمارتی دنیا میں نہیں ملتی تھی۔ وہ آج نابود ہے۔

اس کے بعد انسانی قدروں کی پاسداری نہ کرنے والوں کا ذکر ہے جو مال سے جی بھر کے محبت کرتے ہیں، یتیم کو احساس محرومیت سے نکالنے کی فکر نہیں کرتے اور انہیں غریبوں کی بھوک پر ترس نہیں آتا۔

فضیلت: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اقْرَءُوا سُورَةَ الْفَجْرِ فِي فَرَائِضِكُمْ وَ نَوَافِلِكُمْ فَإِنَّهَا سُورَةٌ لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ع مَنْ قَرَأَهَا كَانَ مَعَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي دَرَجَتِهِ مِنَ الْجَنَّةِ...[1]

سورۃ الفجر اپنی فریضہ اور نفل نمازوں میں پڑھا کرو چونکہ یہ حسین بن علی علیہما السلام کی سورۃ ہے۔ جو اسے پڑھے گا وہ قیامت کے دن حسین علیہ السلام کے ساتھ ایک درجہ میں ہوگا۔

بنام خدائے رحمن رحیم	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
۱۔ قسم ہے فجر کی،	وَ الۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾
۲۔ اور دس راتوں کی،	وَ لَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾
۳۔ اور جفت اور طاق کی،	وَّ الشَّفۡعِ وَ الۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾
۴۔ اور رات کی جب جانے لگے۔	وَ الَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ﴿۴﴾

[1] وسائل الشیعة ۶: ۱۴۴۔ ثواب الاعمال: ۱۲۳

تشریح کلمات

یَسۡرِ: (ی س ر) گزر جانے کے معنوں میں ہے۔

حِجۡرٍ: (ح ج ر) انسانی عقل کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَالۡفَجۡرِ: فجر شگاف کو کہتے ہیں۔ صبح کی روشنی رات کی تاریکی کو چیرتے ہوئی نکلتی ہے۔ اس لیے اسے فجر کہتے ہیں۔ فجر ایک جدید دن کا آغاز ہے۔ زندگی فعال ہو جاتی ہے اور کارزار حیات میں رات کی خاموشی کے بعد رونق لوٹ آتی ہے۔

بعض کے نزدیک عید الضحی اور بعض کے نزدیک محرم کی پہلی تاریخ قابل تطبیق ہے چونکہ پہلی محرم اسلامی سال کا پہلا دن ہے۔

۲۔ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ: ابن عباس کی ایک روایت کے مطابق دس راتوں سے مراد ذوالحجۃ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ بعض اس کو محرم کی پہلی دس راتوں پر بھی تطبیق کرتے ہیں۔

۳۔ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ: جفت اور طاق سے مراد کیا ہے؟ اقوال و روایات مختلف ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ سے مراد مطلق جفت اور طاق ہے۔ ان مختلف روایات میں اس کے مصادیق کا ذکر ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں شفع قربانی کا دن اور وتر عرفہ کا دن ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ دونوں سے مراد نماز ہے۔ کچھ نمازیں الشَّفۡعِ جفت ہیں اور کچھ نمازیں الۡوَتۡرِ طاق ہیں۔ تیسری روایت میں آیا ہے الشَّفۡعِ ترویہ کا دن ہے اور الۡوَتۡرِ عرفہ کا دن ہے۔

ایک حدیث کے مطابق الشَّفۡعِ حسن وحسین اور الۡوَتۡرِ امیرالمومنین علی علیہم السلام ہیں۔[1]

۴۔ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ: رات میں ٹھہراؤ نہیں ہے۔ ہر لحہ رات گزر رہی ہوتی ہے تا کہ دن اس کی جگہ لے لے۔ رات کو تدبیر حیات میں انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ اگر رات نہ ہوتی، ہمیشہ دن ہوتا تو حیات ممکن نہ تھی۔ اسی طرح اگر ہمیشہ رات ہوتی، دن نہ ہوتا تو بھی زمین پر حیات ممکن نہ تھی۔ اسی لیے رات کا وجود اور اس کا جانا دونوں آیات الٰہی میں سے اہم آیات ہیں۔

رہا یہ سوال کہ یہاں الَّیۡلِ سے مراد مطلق رات ہے یا کوئی خاص رات؟ اکثر مفسرین کے نزدیک مطلق رات ہے۔

هَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾ ۵۔ یقیناً اس میں صاحب عقل کے لیے قسم ہے۔

---

[1] تفسیر القمی ۲: ۴۱۹ ذیل آیہ

تفسیر آیات

اگر کوئی صاحب عقل و خرد ہے تو ان مظاہر و قدرت کے ساتھ قسم کھانے میں بڑی معقولیت ہے۔ یہ معقولیت عصر نزول قرآن کے لوگوں کے لیے ان مظاہر قدرت کی سطحی معلومات میں ہے کہ ان مظاہر قدرت میں غور وفکر کرنے سے ان کے خالق کا ربّ اور مدبر ہونا واضح ہو جاتا ہے جس سے جواب قسم پر روشنی پڑتی ہے۔

جواب قسم آنے والی آیات سے معلوم ہو جاتا ہے: یہ کہ قرآن نے جو جزا و سزا کی خبر دی ہے وہ درست ہے۔ اس کی صداقت معلوم کرنے کے لیے سرکش قوموں کی سرنوشت کا مطالعہ کیا جائے کہ ان کی سرکشی کا انجام کیا ہوا۔

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۪ۙ﴿۶﴾ ۶۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟

اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ۪ۙ﴿۷﴾ ۷۔ ستونوں والے ارم کے ساتھ،

الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُہَا فِی الۡبِلَادِ ﴿۸﴾ ۸۔ جس کی نظیر کسی ملک میں نہیں بنائی گئی،

تفسیر آیات

۱۔ اَلَمۡ تَرَ: کیا آپ نے نہیں دیکھا! خطاب رسول ﷺ سے ہے اور ” دیکھا“ سے مراد علم شہودی ہے۔ یعنی حضورؐ کے لیے اس قدر واضح ہے گویا کہ بہ چشم خود دیکھا ہے۔

۲۔ رَبُّکَ: کی تعبیر سے یہ بات ذہن نشین کرنا مقصود ہے کہ جزا و سزا دینے والا اور اس پر قدرت رکھنے والا ہی ربّ ہوتا ہے۔

۳۔ بِعَادٍ: عاد سامی اقوام میں سے ایک قوم کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔ عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح۔

جس قوم عاد کو تباہ کر دیا گیا اسے کو عاد اولیٰ کہتے ہیں جیسا کہ سورہ نجم ۵۰ میں فرمایا:

وَ اَنَّہٗۤ اَہۡلَکَ عَادَا ۨالۡاُوۡلٰی ۙ﴿﴾ اور یہ کہ اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا۔

عاد اولیٰ کی ہلاکت کے بعد باقی ماندہ قوم کو عاد اخری کہتے ہیں۔

۴۔ اِرَمَ: عاد کا بدل یا عطف بیان ہے۔ یعنی عاد ارم۔ اِرَمَ کا لفظ بعض کے نزدیک قوم عاد کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔ ارم بن سام بن نوح لیکن اکثر مفسرین اس لفظ کو ایک مقام کا نام قرار دیتے ہیں۔

یہی درست ہے چونکہ کلمہَ ارم کو مؤنث قرار دیا ہے۔ ذَاتِ الۡعِمَادِ فرمایا ذو العماد نہیں فرمایا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اِرَمَ کو ستونوں والا فرمایا ہے۔ ایک ''مقام'' ہے جو ستونوں والا ہے ورنہ شخص ستون والا نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اِرَمَ ایک شخص کا نام ہو بعد میں ایک مقام اس کے نام سے موسوم ہو گیا ہو۔ یعنی ممکن ہے قوم عاد نے ایک مقام کو اپنے جد اعلیٰ کے نام سے موسوم کیا ہو۔

۵۔ ذَاتِ الۡعِمَادِ: ستونوں والے کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شاندار عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ذات العماد کون سی جگہ ہے۔ مختلف اقوال ہیں۔ کسی قول کی کوئی سند نہیں ہے۔

۶۔ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا: اس زمانہ کا ترقی یافتہ ترین شہر تھا جس کی اس زمانے میں مثال نہیں ملتی تھی۔ بهشت شداد داستان سازوں کی تخلیق ہے۔ یہ کعب الاحبار یہودی اور وهب بن منبه جیسے لوگوں کی ساختہ و بافتہ ہے۔

وَ ثَمُوۡدَ الَّذِیۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ۪ۙ﴿۹﴾ ۹۔ اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں،

تشریح کلمات

جَابُوا: (ج و ب) الجوب کے اصل معنی قطع کرنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا؟ قوم ثمود ایک تمدن کی مالک قوم تھی اور پہاڑوں کو تراش کر محلات بناتی تھی۔ چنانچہ سورہ شعراء آیت ۱۴۹ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

وَ فِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ﴿۪ۙ۱۰﴾ ۱۰۔ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ،

الَّذِیۡنَ طَغَوۡا فِی الۡبِلَادِ ﴿۪ۙ۱۱﴾ ۱۱۔ ان لوگوں نے ملکوں میں سرکشی کی۔

فَاَکۡثَرُوۡا فِیۡهَا الۡفَسَادَ ﴿۪ۙ۱۲﴾ ۱۲۔ اور ان میں کثرت سے فساد پھیلایا۔

فَصَبَّ عَلَیۡهِمۡ رَبُّکَ سَوۡطَ عَذَابٍ ﴿ۚۙ۱۳﴾ ۱۳۔ پس آپ کے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

تفسیر آیات

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ذِی الۡاَوۡتَادِ فرعون کے ساتھ کیا کیا؟ فرعون کو

ذِی الْاَوْتَادِ میخوں والا ممکن ہے اس لحاظ کہا گیا ہو کہ فرعون کا لشکر میخوں کی طرح تھا کہ اس کی حکومت کو برقرار رکھتا تھا۔ چنانچہ مضبوط حکومتوں کو راسخ الاوتاد کہنا محاورہ ہے یا فرعون کی طرف سے مخالفین کو میخ کوبی کے ذریعے سزا دینے کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ فرعونی اپنے مخالفین کے ہاتھ پاؤں اور سینے پر میخ کوبی کرتے تھے۔

۲۔ فرعون کی طغیانی اور سرکشی، بادشاہوں کے مظالم میں سب سے زیادہ ہے۔ چنانچہ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ اور علاقوں میں کثرت سے فساد پھیلایا میں اکثروا (کثرت سے) کی تعبیر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی طغیانی اور فساد معمول سے بہت زیادہ تھا۔

۳۔ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ: صب کا لفظی معنی ''برسایا'' ہے۔ سَوْطَ تازیانے کو کہتے ہیں۔ اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ان پر پے در پے عذاب کا تازیانہ برسایا گیا جیسا کہ فرعونیوں پر آنے والے مسلسل عذاب کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ جیسے طوفان، ٹڈی دل اور مینڈکوں کی بہتات، پانی کا خون میں تبدیل ہونا قحط وغیرہ۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ یقیناً آپ کا رب تاک میں ہے۔

تشریح کلمات

المرصاد: (ر ص د) الرصد گھات لگا کر بیٹھنا۔ المرصاد گھات لگانے کی جگہ۔

تفسیر آیات

آپ کا رب ہر مجرم، ہر ظالم، ہر سرکش اور فسادی کی تاک میں ہے۔ اس کی ہر حرکت اور ہر قول و فعل شش جہت سے نگرانی میں لیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ مجرم اپنے جرم کا ارتکاب اس ذات کے سامنے کر رہا ہے جس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے، نہ کوئی مجرم اس کی گرفت سے بچ سکتا ہے۔

اوائل وحی میں یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نوید فتح ہے اور ظالموں کے لیے دنیا میں شکست و خواری اور آخرت میں عذاب ابدی کی خبر ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

وَلَئِنْ اَمْهَلَ الظَّالِمَ فَلَنْ يَفُوتَ اَخْذُهُ وَهُوَ لَهُ بِالْمِرْصَادِ عَلَى مَجَازِ طَرِيقِهِ وَبِمَوْضِعِ الشَّجَا مِنْ مَسَاغِ رِيقِهِ۔[1]

اگر اللہ نے ظالم کو مہلت دے رکھی ہے تو وہ اس کی گرفت سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔ اللہ اس کی گزرگاہ اور گلے میں ہڈی پھنسنے کی جگہ پر موقع کا منتظر ہے۔

---

[1] نہج البلاغۃ خ ۹۷

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ۬ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ۞

۱۵۔ مگر جب انسان کو اس کا رب آزماتا ہے پھر اسے عزت دیتا ہے اور اسے نعمتیں عطا فرماتا ہے تو کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے۔

وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ۬ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ۞

۱۶۔ اور جب اسے آزماتا ہے اور اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے میری توہین کی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ: اللہ اگر کسی کو امتحان میں ڈالنے کے لیے اسے عزت دیتا اور وافر نعمتوں سے نوازتا ہے تو نادان انسان اسے امتحان و آزمائش خیال کرنے کی جگہ یہ تصور کرتا ہے: میں اللہ کا چہیتا بن گیا ہوں۔ اس لیے مجھے اپنی عنایتوں سے نوازا ہے۔ مجھے مال و دولت اقتدار و سلطنت اس لیے دی ہے کہ مجھ ہی کو اس کا اہل سمجھا ہے۔ اس غلط تصور کی بنیاد پر وہ غرور میں آ کر سرکش ہو جاتا ہے، انسانوں پر حکمرانی اپنا حق تصور کرتا ہے اور اس کے ظالمانہ حکم کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں اس پر مظالم کا پہاڑ توڑ دیتا ہے۔ اگر وہ اسے امتحان سمجھتا تو اس نعمت سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا، عدل و انصاف سے کام لیتا اور کسی پر ظلم نہ کرتا۔

۲۔ آزمائش کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس پر روزی تنگ کر کے دیکھا جاتا ہے کہ یہ صبر کرتا ہے اور اللہ کے فیصلے پر راضی اور شاکر رہتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے مجھے نظر انداز کیا ہے۔ فلاں کو دولت سے مالا مال کیا اور مجھے فقر و تنگدستی میں ڈال کر مجھے ذلیل کیا۔ اگر وہ اسے امتحان تصور کرتا تو اس پر صبر و شکر کرتا اور اس آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلنے کی سعی کرتا۔

ان دو آیات سے معلوم ہوا دولت اور غربت دونوں اللہ کی طرف سے امتحان ہیں۔ نہ دولت قرب الٰہی کی علامت ہے، نہ تنگدستی اللہ سے دوری کی علامت ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ ....[1]

اور ہم امتحان کے طور پر برائی اور بھلائی کے ذریعے تمہیں مبتلا کرتے ہیں۔

---

[1] ۲۱ انبیاء: ۳۵

دولت کو انسان خیر اور غربت و تنگدستی کو شر سمجھتا ہے۔ ان دونوں آزمائشوں میں مشکل، خیر کے ذریعے آزمائش ہے۔ چنانچہ غربت اور تنگدستی میں صبر اور شکر کرنے والے بہت ملیں گے لیکن دولت کی فراوانی اور اقتدار کی آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلنے والے بہت کم ہوں گے۔

ان دو آیات سے یہ بات واضح ہو گئی مال و دولت اس صورت میں اللہ کا فضل و کرم بن سکتی ہے اگر انسان اس امتحان میں کامیاب ہو جائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرے۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾	۱۷۔ ہرگز نہیں! بلکہ تم خود یتیم کی عزت نہیں کرتے،
وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾	۱۸۔ اور نہ ہی مسکین کو کھلانے کی ترغیب دیتے ہو،
وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾	۱۹۔ اور میراث کا مال سمیٹ کر کھاتے ہو،
وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾	۲۰۔ اور مال کے ساتھ جی بھر کر محبت کرتے ہو۔

تشریح کلمات

تَحَاضُّوْنَ: (ح ض ض) حض ترغیب دینا۔

لَمًّا: (ل م م) جمع کرنا۔

تفسیر آیات

۱۔ كَلَّا: ایسا نہیں ہے کہ عزت و نعمت ملنے سے تم اللہ کے ہاں عزیز ہو گئے ہو یا رزق میں تنگی سے اللہ تمہاری اہانت کرنا چاہتا ہے بلکہ تمہاری اہانت یتیموں کی عزت نہ کرنے، مساکین کو اہمیت نہ دینے، میراث کا مال کھانے، مال کے ساتھ جی بھر کر محبت کرنے میں ہے۔ عزت ان مذکورہ امور میں نفس پرستی نہ کرنے میں ہے۔

۲۔ لَّا تُكْرِمُوْنَ: تم یتیموں کو میراث سے محروم کر کے انہیں احترام آدمیت سے محروم کرتے ہو۔ چونکہ زمان جاہلیت میں لوگ یتیموں کو باپ کی میراث سے محروم رکھتے تھے اور ان چھوٹے بچوں کو کربناک حالت پر چھوڑ دیتے تھے۔

یتیم کو سب سے پہلے پیار و محبت کی ضرورت ہے۔ باپ کا سایہ اٹھنے کے بعد اس کی شخصیت میں میں آنے والے احساس محرومیت کو دور کرنے کا واحد ذریعہ پیار و محبت ہے۔

یہی وجہ ہے حدیث میں آیا ہے:

جو شخص یتیم کے سر پر مہربانی کا ہاتھ پھیر دے تو قیامت کے دن ہر بال کے مقابلے میں اللہ ایک نور عنایت فرمائے گا۔[1]

۳۔ وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰی طَعَامِ: نہ ہی تم بھوکے مساکین کو کھانا کھلانے کے لیے ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا صرف خود کھلانا کافی نہیں ہے بلکہ دوسروں کو بھی ترغیب دینی چاہیے تاکہ معاشرے میں غریب پروری کا شعور پیدا ہو جائے۔

۳۔ وَتَاۡکُلُوۡنَ التُّرَاثَ: یتیموں کی میراث سمیٹ کر کھاتے ہو اور انہیں اپنے باپ کی میراث سے محروم کرتے ہو۔

۴۔ وَّتُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا: مال کی محبت انسان میں اس طرح رچی بسی ہوتی ہے کہ اس سے ہاتھ اٹھانا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ مال انسان کی بڑی کمزوری ہے اور مال کی محبت انسانی ذہن کے حساس ترین گوشے میں ہوتی ہے۔ اس جگہ مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کا مروی فرمان قابل توجہ ہے فرمایا:

يَنَامُ الرَّجُلُ عَلَى الثُّكْلِ وَلَا يَنَامُ عَلَى الْحَرَبِ۔[2]	اولاد کے مرنے پر آدمی کو نیند آ جاتی ہے مگر مال کے چھن جانے پر اسے نیند نہیں آتی۔

اسی لیے انفاق کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ آیت ۲۶۱ کے مطابق انفاق کا اجر سات سو گنا ہے اور بعض خاصان خدا کے انفاق کا اجر اس سے دو گنا یعنی چودہ سو ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الۡاَرۡضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾	۲۱۔ ہرگز نہیں! جب زمین کوٹ کوٹ کر ہموار کی جائے گی،

تفسیر آیات

۱۔ کَلَّاۤ: تمہاری قائم کردہ عزت و ذلت کا یہ معیار ہرگز درست نہیں ہے۔

۲۔ اِذَا دُکَّتِ الۡاَرۡضُ: اس کا علم قیام قیامت کے موقع پر ہو گا جب زمین کوٹ کوٹ کر ہموار کی جائے گی اور حساب کا میدان تیار ہو گا۔

وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾	۲۲۔ اور آپ کے پروردگار (کا حکم) اور فرشتے صف در صف حاضر ہوں گے۔

---

[1] الفقیہ ۱: ۱۸۰۔ مسند احمد حدیث ۳۱۱۳۲۔ مسند میں نور کی جگہ حسنہ کا ذکر ہے۔ [2] نہج البلاغۃ حکمت: ۲۰۷

تفسیر آیات

ا۔ وَّ جَآءَ رَبُّكَ: جَآءَ کے معنی ہیں آ گیا۔ ”آنا“ ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے قابل تصور نہیں ہے کیونکہ اس سے اللہ کا جسم ہونا، محدود ہونا اور مکان کا محتاج ہونا لازم آتا ہے اور آیہ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ...[1] ”اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے“ سے اس آیت کی تفسیر ہو سکتی ہے کہ اللہ کا جسم ہونے اور اس کے متحرک ہونے سے اللہ کے بے مثل ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم وَّ جَآءَ کے بعد ایک لفظ اضافہ کریں جسے تاویل کہتے ہیں اور یہ کہیں جَآءَ اَمۡرُ رَبِّکَ ...[2] ”آپ کے رب کا حکم آ گیا“۔ جیسا کہ اللّٰہَ مَعَنَا ...[3] ”اللہ ہمارے ساتھ ہے“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ اپنی جگہ چھوڑ کر ہمارے پاس بیٹھا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ○[4] ہم رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح ہمارے جسم کے ساتھ ہے جیسے رگ گردن ہے۔

وَ جِایۡٓءَ یَوۡمَئِذٍۭ بِجَہَنَّمَ ۬ۙ یَوۡمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَ اَنّٰی لَہُ الذِّکۡرٰی ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور جس دن جہنم حاضر کی جائے گی، اس دن انسان متوجہ ہو گا، لیکن اب متوجہ ہونے کا کیا فائدہ ہو گا؟

تفسیر آیات

ا۔ وَجِایۡٓءَ یَوۡمَئِذٍۭ بِجَہَنَّمَ: بعض آیات میں فرمایا کافروں کو جہنم کی طرف چلا جائے گا:

وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَہَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡہَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُہَا ...[5] اور کفار گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

بعض دیگر آیات میں ہے کہ جہنم کو نمایاں کر دیا جائے گا:

وَبُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِلۡغٰوِیۡنَ ○[6] اور جہنم گمراہوں کے لیے ظاہر کی جائے گی۔

اس آیت میں فرمایا: جہنم کو لایا جائے گا۔ کیا اس سے مراد جہنم کا نمایاں کرنا ہے جیسا کہ سورہ زمر کی آیت میں فرمایا کہ کافروں جہنم کی طرف چلائے جائیں گے اور جب وہ جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے تو فُتِحَتۡ اَبۡوَابُہَا جہنم کے دروازے کھول دے جائیں گے۔

---

[1] ۴۲ شوریٰ: ۱۱ [2] ۱۱ ہود: ۱۰۱ [3] ۹ توبہ: ۴۰ [4] ۵۰ ق: ۱۶ [5] ۳۹ زمر: ۷۱ [6] ۲۶ شعراء: ۹۱

اس طرح فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا اور وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے لہٰذا وَجِایۡٓءَ کا مطلب بھی یہی لینا چاہیے جہنم کو سامنے کر دیا جائے گا۔

لہٰذا مفسرین کا یہ فرمانا درست نہیں ہے کہ لفظ جِایۡٓءَ کو اپنے ظاہری معنی پر ہی حمل کرنا چاہیے اس کی توجیہ غیر ضروری ہے۔

۲۔ يَوۡمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ: جب جہنم کا معائنہ کرنے کی نوبت آ جائے گی تو اس وقت یہ کافر ان باتوں، جو انبیاء علیہم السلام ان سے کہتے رہے ہیں، کی طرف متوجہ ہو گا کہ وہ مبنی برحق تھیں لیکن آج اس توجہ اور ایمان قبول کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

۳۔ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكۡرٰى: کہاں سے اسے فائدہ ملے گا۔ اَنّٰى کلمہ استفہام ہے جو اَيۡنَ کے معنوں میں ہے۔ یہ جملہ استفہامیہ ہے جو انکار کے معنوں میں آتا ہے، یعنی فائدہ نہیں ہے۔ اصل میں معنی اس طرح ہیں: این له نفع الذکری۔

يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِيۡ قَدَّمۡتُ لِحَيَاتِيۡ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کہے گا: کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے آگے کچھ بھیجا ہوتا۔

تفسیر آیات

قیامت کے دن حقائق سے پردہ اٹھنے کے بعد کافر اپنی حسرت و ندامت کا اظہار کرے گا کہ کاش دنیا کی زندگی سے اس دن کے لیے کچھ بھیجا ہوتا۔ آخرت کی کچھ تیاری کی ہوتی۔ لِحَيَاتِيۡ سے معلوم ہوا کہ کافر پر یہ بات منکشف ہو جائے گی کہ حیات صرف یہاں آخرت میں ہے جو ختم نہ ہونے والی زندگی ہے۔ دنیا کی زندگی تو اس حد تک ناچیز ثابت ہوئی کہ اسے تو حیات کا نام نہیں دینا چاہیے۔

فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح عذاب دینے والا کوئی نہ ہو گا۔

وَّلَا يُوۡثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور اللہ کی طرح جکڑنے والا کوئی نہ ہو گا۔

تفسیر آیات

ایک تفسیر یہ ہے کہ عَذَابَهٗۤ اور وَثَاقَهٗۤ کی دونوں ضمائر اللہ تعالیٰ کی طرف ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ بنتے ہیں: قیامت کے دن جو عذاب اللہ کی طرف سے ہو گا اور جن زنجیروں میں اسے جکڑ دیا جائے گا اس جیسا عذاب دینے والا اور جکڑنے والا کوئی نہ ہو گا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ دونوں ضمائر اس مجرم انسان کی طرف ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: جو عذاب اور جکڑ اس مجرم کافر کی ہوگی وہ کسی اور کی نہ ہوگی۔

پہلی تفسیر قابل ترجیح ہے چونکہ قرآن متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کو شدید العقاب کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اَخۡذَہٗۤ اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ ؁[1] — اس کی گرفت یقیناً دردناک اور سخت ہوا کرتی ہے۔

یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ﴿٭ۖ۲۷﴾ — ۲۷۔ اے نفس مطمئنہ!

ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ﴿ۚ۲۸﴾ — ۲۸۔ اپنے رب کی طرف پلٹ آ اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہو۔

فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ ﴿ۙ۲۹﴾ — ۲۹۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہو جا۔

وَ ادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ﴿٪۳۰﴾ — ۳۰۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

تفسیر آیات

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہے اس نفس کے لیے جو ایمان و ایقان کی اس منزل پر فائز ہے جہاں دنیا میں شک کے اضطراب سے محفوظ اور مطمئن اور آخرت میں خوف و حزن سے محفوظ اور مطمئن ہے۔ جس نے عبودیت کا راز سمجھ لیا اور نفس کی معرفت حاصل کی تو اسے رب کی معرفت حاصل ہوئی۔ پھر نفس مطمئن ہو گیا۔ جس نے راز خلقت سمجھ لیا، پھر خالق کی رضا جوئی کے لیے تڑپ گیا، اسے رضائے رب ملنے پر اطمینان حاصل ہو گیا:

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ؁[2] — اور یاد رکھو! یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے

۲۔ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ: یہاں حکم ہے رب کی طرف رجوع کرنے کا۔ یعنی دنیا کی زندگی ترک کر کے اللہ کی بارگاہ کی طرف رجوع کرنے اور اللہ کی ضیافت میں آنے کا۔ رجوع کی دو قسمیں ہیں: رجوع اضطراری اور رجوع اختیاری۔ رجوع اضطراری کے تحت کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ؁[3] ہر شخص کو قہراً اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے۔

رجوع اختیاری شہداء کی موت ہے جو اپنے اختیار سے جان، جان آفرین کے سپرد کرتے ہیں۔ آیت میں ارۡجِعِیۡۤ پلٹ آ کا حکم تکوینی ہے۔ یہ حکم موت کے وقت سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک پر محیط ہے۔ چونکہ اِلٰی رَبِّکِ سے مراد الی رحمة ربك ہے اور ہر مرحلے میں رحمت الٰہی اس کے شامل

---

[1] ۱۱ ہود: ۱۰۲ [2] ۱۳ رعد: ۲۸ [3] ۲۱ انبیاء: ۳۵

ہو گی۔

۳۔ رَاضِیَۃً: وہ دنیا میں اللہ کے ہر فیصلے پر راضی تھا۔ اس کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع تھی۔ عندالموت اللہ کی طرف جانے پر راضی ہے۔ بعد الموت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر راضی ہے۔

۴۔ مَّرۡضِیَّۃً: اللہ اس سے راضی ہے۔ اللہ کی رضایت کا حصول اس کا بنیادی سرمایہ ہو گا۔ چنانچہ فرمایا: وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ.... [1] اللہ کی خوشنودی ایسی نعمت ہے جو وصف و بیان سے بڑھ کر ہے۔

۵۔ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ: جن لوگوں نے بندگی کا حق ادا کیا ہے اور عبودیت کی معراج پر فائز ہوئے ہیں ان میں شامل ہو جا۔ سیاق آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہاں عِبٰدِیۡ سے مراد عباد صالحین ہیں۔

۶۔ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ: ''میری جنت'' فرما کر اس جنت کی شان واضح فرمائی جس میں داخل ہونے کا حکم ہے۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو پوچھا:

کیا مومن قبض روح کو ناپسند کرتا ہے؟

فرمایا: قسم بخدا! نہیں۔ جب ملک الموت قبض روح کے لیے آتا ہے تو مومن پریشان ہو جاتا ہے۔ ملک الموت اس سے کہیں گا: اے ولی خدا! گھبراؤ نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ کو مبعوث کیا ہے میں تجھ پر احسان اور شفقت میں مہربان باپ سے زیادہ ہوں۔ اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ امیرالمومنین فاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام اور ان کی اولاد میں سے ائمہ علیہم السلام کو حاضر دیکھے گا۔ اس سے کہا جائے گا: یہ پاکیزہ ہستیاں تیری رفیق ہوں گی۔ جب آنکھیں کھول کر ان کو دیکھ لیتا ہے تو اس وقت منادی اس کی روح کو پکارے گا: یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ اے محمد و علی پر اطمینان حاصل کرنے والے ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً ولایت پر راضی ہو کر اور مَّرۡضِیَّۃً ثواب سے پسندیدہ ہو کر فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ میرے بندوں محمد و اہل بیتؑ میں شامل ہو جا وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ تو اس وقت اس کے لیے قبض روح سے زیادہ پسندیدہ چیز نہ ہو گی۔ [2]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو مراد لیا ہے۔ [3]

واضح رہے اس قسم کی روایات کا مطلب اس آیت کے مصادیق میں سے صریح ترین مصداق کا تعین ہے۔ چنانچہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اس آیت کے صریح ترین مصداق ہیں۔

---

[1] ۹ توبۃ: ۷۲　[2] الکافی ۳: ۱۲۷　[3] بحار الانوار ۲۴: ۳۵۰

سُورَةُ الْبَلَدِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ مبارکہ کی ابتدا میں لفظ اَلۡبَلَدِ مذکور ہونے کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ البلد ٹھہرا۔
یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے۔ آیات کی تعداد بالاتفاق بیس ہے۔
اس سورۂ مبارکہ میں انسان کے لیے دستور حیات اور نظام زندگی صرف ایک آیت میں بیان فرما دیا ہے۔ وہ ہے:

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ ؕ — تحقیق ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔

یعنی انسان کی بقا و ارتقا کا سامان مفت میں میسر نہیں آتا۔ اس کی دنیوی اور اخروی حیات دونوں محنت اور مشقت کی مرہون منت ہیں۔

چنانچہ انسان کی ساخت و بافت بھی اس پر شاہد ہے کہ مشقت اور جنبش نہ ہو تو اس کے اعصاب کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، صحت گر جاتی ہے اور زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جو بچہ ابھی گہوارے میں ہوتا ہے وہ آرام سے نہیں بیٹھتا۔ بار بار ہاتھ پیر مارتا رہتا ہے۔ چلنے کے دور میں داخل ہو تو دوڑتا رہتا ہے، اپنے جسم کی ساخت کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ اسی طرح انسان کو تازیست مشقت کرنا پڑتی ہے۔ اس کے انسانی اعضاء کا ذکر فرمایا جن سے انسان مشقت کارآمد بنا سکتا ہے۔ اس مشقت سے مطلوبہ فائدہ اٹھانے کے لیے فرمایا:

وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ ؕ — اور ہم نے دونوں راستے (خیر و شر) اسے دکھائے۔

اس کے بعد زندگی کا کامیاب سفر طے کرنے کے راستے میں جو گھاٹیاں سامنے آتی ہیں ان کی نشان دہی کی ہے۔ وہ ہیں انسانوں کی خدمت، یتیم اور مسکین پر رحم کرنا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾	۱۔ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی،
وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾	۲۔ جب اس شہر میں آپ کا قیام ہے،

وَ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾		۳۔ اور قسم کھاتا ہوں باپ اور اولاد کی،

تفسیر آیات

۱۔ لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ: اس آیت میں بلد سے مراد سب کے نزدیک شہر مکہ ہے اور سورۃ البلد بھی مکی ہے لہٰذا لفظ ھذا سے مکہ ہی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

۲۔ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ: حَلٌّ بفتح حاء کا معنی گرہ کشائی ہے: وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ۔[1] حَلٌّ جو نزول کے معنوں میں ہے اس میں بھی یہی معنی ملحوظ ہیں چونکہ مسافر کسی جگہ نزول کرتا ہے تو وہ سامان کھول دیتا ہے۔ بعد میں صرف نزول کے معنوں میں استعمال ہونے لگا:

وَمَنۡ یَّحۡلِلۡ عَلَیۡہِ غَضَبِیۡ فَقَدۡ ہَوٰی ﴿﴾[2]	اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تحقیق وہ ہلاک ہو گیا۔

حِلٌّ بکسر حاء حلال کرنے کے معنوں میں ہے۔ یہ بھی اصل معنی گرہ کشائی سے استعارہ ہے، چونکہ حلال وہ ہے جس میں ممنوعیت کی گرہ کھول دی گئی ہو۔ اس آیت کی تین تفسیریں ہیں:

الف: اس شہر مکہ کی قسم جب آپ اس شہر میں مقیم ہوں۔ یہ تفسیر اس صورت میں درست ہے جب لغت اور استعمالات میں لفظ حِلٌّ (بکسر حاء) قیام کے معنوں میں استعمال ہونا ثابت ہو جب کہ یہ بات ثابت نہیں ہے۔ جن لوگوں نے کہا ہے حِلٌّ صفت یا مصدر ہے، بمعنی حالٌّ ہے اور حِلٌّ بمعنی نَزَلَ آتا ہے اور لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے ھو حِلٌّ بموضع کذا۔ جیسے کہا جاتا ہے ھو حالٌّ بموضع کذا لیکن ان استعمالات کے اثبات کے لیے لغت سے کوئی شواہد پیش نہیں کیے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں: حلول سے حالٌّ کہا جاتا ہے۔ حِلٌّ نہیں کہا جاتا اور حِلٌّ جب نزول کے معنوں میں آتا ہے تو اس کا مصدر الحلول ہوتا ہے اور حَلٌّ جب (بفتح حاء) ہو تو نزول کے معنوں میں ہے۔

صاحب روح المعانی نے اس بات کو قلت تتبع کا نتیجہ قرار دے کر رد کیا ہے لیکن انہوں نے اپنا تتبع پیش نہیں کیا۔

ب: دوسری تفسیر یہ ہے: قسم ہے اس شہر کی جب اس شہر میں لڑائی آپ کے لیے حلال ہو گی۔ اس صورت میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ کے دن حرم میں قتل کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا یحل لاحد قبلی و لا یحل لاحد بعدی ولم یحل لی الا	حرم میں قتل کرنا نہ مجھ سے پہلے، نہ بعد میں کسی کے لیے حلال ہے اور میرے لیے صرف دن کے ایک

---
[1] ۲۰ طٰہ: ۲۷	[2] ۲۰ طٰہ: ۸۱

ساعة من نهار[1] حصے کے لیے حلال قرار دیا ہے۔

ج: تیسری تفسیر یہ ہے کہ قسم ہے اس شہر کی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کو حلال سمجھا جا رہا ہے کہ اہل مکہ آپ کو قتل کرنا یا اس شہر سے نکالنا جائز سمجھتے ہیں جب کہ یہ لوگ یہاں جانوروں کا شکار اور درختوں کا کاٹنا حرام سمجھتے تھے۔ اس صورت میں حَلٌّ اسم مصدر ہو گا اَحلّ کا۔ یعنی مباح اور حلال قرار دینا۔

یہی تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ یہ تفسیر روایت اور لغت دونوں کے موافق ہونے کی وجہ سے قابل ترجیح ہے۔

۳۔ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ: شہر مکہ کے ساتھ قسم کھانے کی مناسبت سے باپ اور اولاد سے مراد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام ہو سکتے ہیں جنہوں نے اس شہر کو آباد کیا اور بیت اللہ کی تعمیر کی۔ چنانچہ اکثر مفسرین نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ ۴۔ بتحقیق ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔

تشریح کلمات

کَبَدٍ: (ك ب د) جگر کو کہتے ہیں۔ الکبد کے معنی مشقت کے بھی آتے ہیں۔ العین میں آیا ہے: الکبد: شدة العیش۔ زندگی کی سختیوں کے معنی میں آتا ہے۔

تفسیر آیات

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ: یہ بظاہر جواب ہے ان قسموں کا جن کا ذکر اس سورہ مبارکہ کے شروع میں فرمایا۔ یعنی قسم ہے اس شہر مکہ کی اور قسم ہے والد اور اولاد کی، ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی جفاکشی اور مشقت میں مضمر ہے بلکہ ہر انسان کے لیے اس دنیا کی زندگی اللہ نے عیش و آرام کے لیے قرار نہیں دی۔ انسان کے جسم کی ساخت بھی مشقت مانگتی ہے۔ مشقت نہ کرے تو جسم مفلوج ہو جاتا ہے۔ تسخیر طبیعت کے بغیر انسان اپنے لیے سامان زیست فراہم نہیں کر سکتا۔ یہ کام بھی مشقت و جفاکشی سے ممکن ہے۔ اگر کسی کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ ہر قسم کے دکھ درد سے دور خوش و خرم زندگی گزارتا ہے، یہ نہایت سطحی نظر ہے۔ ہو سکتا ہے یہ شخص اپنے اندر آتش میں جل رہا ہو۔

اس کائنات پر حاکم نظام قدرت میں ہے کہ انسان مشقت و جفاکشی میں زندگی گزارے چونکہ یہاں کسی چیز کا حصول اس کے علل و اسباب کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ گندم کا ایک دانہ حاصل کرنے

---

[1] مجمع البیان ذیل آیت

کے لیے متعدد علل و اسباب عبور کرنا پڑتے ہیں۔ یہ عبور کرنا مشقت سے عبارت ہے۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵ ۵۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کو اختیار حاصل نہیں ہے؟

تفسیر آیات

یہ انسان جو جفاکشی اور مشقت میں زندگی بسر کرتا ہے اور سامان زیست کے لیے علل و اسباب کا محتاج ہے، کیا اس حصار سے نکل سکتا ہے کہ علل و اسباب اور مشقت و جفاکشی کے بغیر زندگی گزارے؟ مشکلات کے لیے اس کی طرف کوئی راستہ نہ ہو، دشواری کا مفہوم اس کے لیے اجنبی ہو، وہ تمام امور پر حاکم ہو اور کسی کے بھی اس پر مسلط ہونے کی کوئی راہ نہ ہو اور یہ کہہ سکے کہ کسی کا اس پر قابو پانا ممکن نہیں ہے؟

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶ ۶۔ کہتا ہے: میں نے بہت سا مال برباد کیا۔

تشریح کلمات

لُّبَدًا: (ل ب د) بہت سامان۔

تفسیر آیات

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایمان لے آیا اور کچھ مال راہ خدا میں خرچ کیا۔ یہ شخص اپنا انفاق جتا رہا ہے اور جو مال راہ خدا میں خرچ کیا اسے تلف شمار کر رہا ہے۔ کہتا ہے: میں نے اپنا مال تباہ کر دیا۔ صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں:

> یہ شخص حرث بن عامر بن نوفل تھا۔ اس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو فرمایا: کفارہ دے دو۔ یہ شخص کہنے لگا: جب سے میں محمد کے دین میں آیا ہوں میرا بہت سا مال کفارات و انفاق میں تباہ ہو گیا۔

بعض دیگر روایت کے مطابق یہ بات کرنے والا کافر تھا اور کہتا تھا میں نے محمد ﷺ کے خلاف بہت سا مال تباہ کیا۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝۷ ۷۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا؟

تفسیر آیات

کیا یہ جتانے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کے انفاق کو کسی نے دیکھا نہیں ہے کہ کسی کو علم نہ ہونے کی

وجہ سے اسے اس کی جزا نہیں ملے گی حالانکہ اللہ اس انفاق کو دیکھ رہا ہے اور اسے جزا دے گا۔ دوسری روایت کے مطابق رسول ﷺ کی دشمنی میں صرف ہونے والا مال اللہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ اس کی سزا دے گا۔

اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ۙ﴿۸﴾	۸۔ کیا ہم نے اس کے لیے نہیں بنائیں دو آنکھیں؟
وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ۙ﴿۹﴾	۹۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ؟
وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ﴿۱۰﴾	۱۰۔ اور ہم نے دونوں راستے (خیر و شر) اسے دکھائے،

تشریح کلمات

النَّجۡدَیۡنِ: (ن ج د) النجد کے معنی بلند اور سخت جگہ کے ہیں۔

تفسیر آیات

ربط کلام اس طرح ہے: جس ذات نے تمہیں بینائی عنایت کی، اظہار خیال کے لیے زبان اور ہونٹ دیے اور خیر و شر میں تمیز کرنے کی قوت عنایت کی، اس ذات کی راہ میں انفاق تو ضیاع سمجھتا ہے؟

۱۔ انسان دونوں آنکھوں سے اپنے وجود سے باہر کی دنیا کو درک کر سکتا ہے۔ بیرونی دنیا کی چیزوں کے حجم، شکل اور رنگ کو درک کر لیتا ہے۔ آنکھوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی صناعیت میں ایک محیر العقول صنعت ہے اور دیگر اعضاء میں آنکھ بہت سے امتیازات کی حامل ہے کہ بڑی تیزی سے اشیاء کی شکل، رنگ، دور نزدیک، خوبصورت یا بدشکل اور بڑی چھوٹی ہونے کو دماغ کے لیے حاضر کر دیتی ہے۔

صرف اس ظاہر بینی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان آنکھوں کے ماوراء دو بصیرت کی آنکھیں بھی عنایت فرمائیں جن سے ان قدروں کا ادراک ہوتا ہے جو چشم ظاہر نہیں دیکھ سکتی۔ وہ ہے: وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ خیر و شر کا ادراک۔

۲۔ وَ لِسَانًا: زبان ایک مختصر عضو ہے جو انسانی زندگی کے لیے متعدد خدمات انجام دیتی ہے:

i۔ قوت ذائقہ اسی زبان کے ذریعے فراہم کی گئی ہے جس سے شیرین، تلخی و ترشی کا ادراک ہوتا ہے۔

ii۔ طعام کو دائیں بائیں دانتوں کے حوالے کرنے کے لیے چمچ کا کام دیتی ہے۔

iii۔ حلق سے نکلنے والی آواز کو حروف کی شکل میں لانے کے لیے زبان بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور ان حروف کو جوڑ کر کلمات پھر کلام وجود میں آتا ہے جس سے انسان بیرونی دنیا کے لیے اپنا مدعا بیان کر سکتا ہے۔

۳۔ وَّ شَفَتَیۡنِ: ہونٹ انسان کے بیرونی دنیا سے اتصال قائم کرنے کے لیے اہم کردار ادا کرتے

ہیں۔ اس کے بند، کھول، سکڑاؤ اور پھلاؤ سے بہت سے حروف تشکیل پاتے ہیں اور کلام وجود میں آتا ہے۔ اگر زبان اور لب اللہ نے انسان کے لیے مسخر نہ کیے ہوتے تو حلق سے نکلنے والی آواز سے حروف نہ بنتے بلکہ بیل کی آواز کی طرح رہ جاتی۔

۴۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ: ہم نے دو سطح مرتفع کی راہنمائی کی ہے۔ اس سے مراد خیر و شر کا راستہ ہے۔ اسے دشوار گزار ہونے کی وجہ سے نجدین کہا ہے چونکہ خیر کی سمجھ تو آسان ہے لیکن اس کا حصول آسان نہیں ہے۔ نفس کے خلاف ایک جنگ جیتنے کے بعد اس کا حصول ممکن ہے۔ شر کو خیر کے ساتھ نجد کہا ہے۔ جیسے قمر کے ساتھ سورج کو بھی قمر کہا جاتا ہے اور قمرین کہتے ہیں۔

اس آیت سے انسان کا اپنے ارادے میں خود مختار اور آزاد ہونا بھی ثابت ہے جیسے فرمایا:

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىہَا ۪ۙ فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا ۪ۙ[1] — اور (قسم ہے) نفس کی اور اس کی جس نے اسے معتدل کیا، پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے خیر و شر کی راہ دکھا دی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔

خیر و شر کا ادراک اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت اور جبلت میں ودیعت فرمایا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ روم آیت ۳۰

فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَۃَ ﴿۱۱﴾ — ۱۱۔ مگر اس نے اس گھاٹی میں قدم ہی نہیں رکھا۔

تشریح کلمات

اقۡتَحَمَ: (ق ح م) کے معنی کسی خوف ناک جگہ میں گھس جانے کے ہیں۔

تفسیر آیات

یہ شخص جو کہتا ہے میں نے بہت مال تباہ کر دیا ہے، اس نے تو ابھی انفاق مال کی دشوار گزار گھاٹی میں قدم ہی نہیں رکھا۔ انفاق مال کو دشوار گزار گھاٹی اس لیے فرمایا کہ مال سے درگزر کرنا بہت دشوار ہے۔ مال کی محبت انسانی دماغ کے حساس ترین جگہ پر ہے۔ اس لیے آگے فرمایا:

وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡعَقَبَۃُ ﴿۱۲﴾ — ۱۲۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟

تفسیر آیات

مَاۤ اَدۡرٰىکَ کہہ کر اس گھاٹی کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔

---

[1] ۹۱ شمس: ۷۔۸

فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾	۱۳۔ گردن کو (غلامی سے) چھڑانا،
اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾	۱۴۔ یا فاقہ کے روز کھانا کھلانا،
يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾	۱۵۔ کسی رشتہ دار یتیم کو،
اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾	۱۶۔ یا کسی خاک نشین مسکین کو۔

تشریح کلمات

مَسْغَبَةٍ: (س غ ب) السغب بھوک کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

جو لوگ کچھ مال خرچ کر کے اسے جتانے لگتے یا ریاکاری کرتے ہیں ان کے لیے تنبیہ ہے کہ مال خرچ کرنا ہے تو درج ذیل انسانی مسائل کے لیے ہونا چاہیے:

۱۔ فَكُّ رَقَبَةٍ: غلام آزاد کرنا اس دشوار گھاٹی کو عبور کرنے کا اہم اور پہلا زینہ ہے۔ انسان کو انسان کی غلامی سے چھڑانا اسلامی تعلیمات اور قانون میں بہت بڑی نیکی ہے اور اسلامی قوانین میں جابجا غلام کی آزادی کے احکام نظر آتے ہیں۔ اسلام انسان کی غلامی قبول نہیں کرتا۔ ہر شخص آزاد پیدا ہوا ہے وہ کسی اور انسان کا غلام اور مال نہیں بن سکتا۔

اسلام صرف ایک مقام پر انسان کو غلام بنانے کا قائل ہے۔ وہ ہے کہ کافر کو میدان جنگ میں اسیر بنایا جائے۔ اس صورت میں نہ اسے قتل کرنا درست ہے، نہ کافروں کو واپس کرنا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں یہ اسیر یعنی غلام رہے۔ اگر یہ کافر غلام مسلمان ہوجاتا ہے تو فقہی ابواب پُر ہیں رقبۃ مؤمنۃ مومن غلام کو آزاد کرنے کے احکام سے۔

۲۔ اگر کبھی قحط سالی یا غربت کی وجہ سے فاقہ کے ایام آئیں تو اس صورت میں دیگر صاحبان استطاعت افراد پر فرض ہے کہ اس فاقہ کش کو کھانا کھلائیں۔ اگر اس فاقہ کش کی جان کو خطرہ ہے تو یہ فرض مالی واجبات خمس و زکوۃ کے علاوہ ہے۔

۳۔ یتیم اگر قریبی رشتہ دار ہو تو دونوں حوالوں سے اس بھوکے یتیم کو کھلانا فرض بنتا ہے یا عام طور یتیموں کا مال قریبی رشتہ دار لوگ ہتھیا لیتے ہیں اس لیے ممکن ہے خصوصی طور پر رشتہ داروں کا ذکر فرمایا ہو۔ ورنہ یتیم اگر رشتہ دار نہیں ہے پھر بھی اس پر رحم کرنے کا حکم ہے۔

۴۔ خاک نشین مسکین اس بات کی نشاندہی کے لیے فرمایا ہے کہ اس کی غربت کا یہ عالم ہے کہ وہ خاک پر سوتا ہے۔ اس کے پاس بچھانے کے لیے کوئی شے نہیں ہے۔ ایسے مسکینوں کو ترجیح دیتے ہوئے ان کا

ذکر فرمایا ورنہ ہر مسکین کو کھلانے کا حکم ہے۔

ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ پھر یہ شخص ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کرنے کی نصیحت کی اور شفقت کرنے کی تلقین کی۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ گھاٹی اس وقت عبور ہو سکتی ہے اور یہ انفاق اس وقت فائدہ دے سکتا ہے کہ یہ کام ایمان کے ساتھ ہو اور ایسے کام کرنے والا مومن ہو۔ ہم نے پہلے بھی کئی بار اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کوئی عمل نیک نہیں ہوتا جب تک عمل کرنے والا خود نیک نہ ہو۔ عمل کرنے والا اس وقت نیک ہو سکتا ہے جب وہ مومن ہو۔ کافر اور منکر کا کوئی عمل نیک نہیں ہوتا۔

۲۔ وَ تَوَاصَوۡا: صرف ایمان کا دعویٰ بھی کافی نہیں ہے جب تک اس کا عمل اس کے ایمان کی گواہی نہ دے۔ اس ایمان کی بھی کوئی قیمت نہیں جس کا اس کے کردار پر کوئی اثر نہ ہو۔

ایمان کے کردار پر ظاہر ہونے والے دو اثرات کا ذکر ہے: ایک یہ کہ واجبات پر عمل کرنے اور محرمات سے بچنے میں جو دقت پیش آتی ہے اس پر صبر کی تلقین کرے۔ اس میں امر بمعروف و نہی از منکر آ جاتا ہے جو اسلامی تعلیمات کی روح ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک دوسرے پر رحم کرنے کی تلقین کرے۔ معاشرے کے پسے ہوئے لوگوں پر رحم کھانا ایمان کی علامت ہے۔ اس طرح مومن وہ ہوتا ہے جو خالق اور مخلوق دونوں سے اپنا رشتہ مضبوط رکھے۔

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ (جو اس گھاٹی میں قدم رکھتے ہیں) یہی لوگ دائیں والے ہیں۔

تفسیر آیات

الۡمَیۡمَنَۃِ: دائیں طرف کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ یمن سے ماخوذ ہے جو برکت و سعادت کے معنوں میں ہے۔ دائیں ہاتھ کو یمین اسی لیے کہا گیا کہ یہ ہاتھ زیادہ مفید ہے۔ چنانچہ اہل جنت کو اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ اور اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ کہا ہے اور اہل جہنم کو اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ اور وَ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ کہا ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا ہُمۡ اَصۡحٰبُ

۱۹۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہ

الۡمَشۡـَٔمَةِ ۝۱۹ بدبخت لوگ ہیں۔

عَلَیۡہِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَۃٌ ۝۲۰ ۲۰۔ ان پر ایسی آتش مسلط ہو گی جو ہر طرف سے بند ہے۔

تشریح کلمات

مُّؤۡصَدَۃٌ: (و ص د) اس احاطہ کو کہتے ہیں جو مویشیوں کے لیے پہاڑ میں پتھروں سے بنایا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ کے مقابلے میں اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ کا ذکر ہے۔ الۡمَشۡـَٔمَۃِ بائیں ہاتھ کے معنوں میں ہے جو شوم و نحوست کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے دایاں ہاتھ خیر و برکت کے لیے ہوتا ہے۔

۲۔ یہ لوگ آتش کے ایک ایسے احاطہ میں ہوں گے جو ہر طرف سے بند ہو گا۔ نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو گا۔ اللّٰھم قنا عذاب النار

سُوۡرَةُ الشَّمۡسِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلی آیت میں مذکور لفظ الشَّمۡسِ کی مناسبت سے مقرر ہوا۔

یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے۔ آیات کی تعداد مکی قرائت کے مطابق سولہ، دوسری قرائتوں کے مطابق پندرہ ہے۔ کوفی قرائت ان میں شامل ہے۔ یہی معتبر ہے۔

بہت سے مظاہر قدرت کے ساتھ قسم کھانے کے بعد ایک اہم ترین راز قدرت کی طرف اشارہ فرمایا: فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی میں بدکاری اور اس سے بچنے کی سوجھ بوجھ ودیعت فرمائی۔ اسے ہدایت تکوینی کہتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰہَا ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے سورج اور اس کی روشنی کی،

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ جب کسی اہم موضوع کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے تو مظاہر قدرت میں سے اہم مظاہر کی طرف توجہ مبذول فرماتا ہے:

الف: وَ الشَّمۡسِ: اول تو خود سورج کی قسم ہے جو ہمارے نظام شمسی کا مرکز ہے۔ اسی کے گرد ہمارا نظام گھومتا اور اسی کی کشش میں ہمارا نظام قائم ہے۔ یعنی جس سیارے (زمین) پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اس کا اس فضائے بیکراں میں معلق رہ کر گردش کرنا اور روز و شب کا وجود وغیرہ سورج کے وجود سے مربوط ہے۔

ب۔ وَ ضُحٰہَا: ضحی کے اصل معنی دھوپ پھیل جانے اور دن چڑھ آنے کے ہیں۔ سورج کی

روشنی زمین پر بسنے والے جانداروں اور پودوں کے لیے منبع اور سرچشمۂ حیات ہے۔ لٰہذا زمین پر زندگی سورج کی روشنی کی مرہون منت ہے۔ اس طرح روشنی کے ساتھ قسم کھانا ایسا ہے جیسے زندگی کے ساتھ قسم کھائی ہو۔

وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا ۪ۙ﴿۲﴾　۲۔ اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے،

تفسیر آیات

چاند، سورج کے پیچھے آنے سے مراد اکثر مفسرین نے یہ لیا ہے کہ چاند جب چودھویں کا ہوتا ہے تو غروب آفتاب کے بعد نکلتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چودھویں کے چاند کی قسم کھائی ہے۔

چاند فی الواقع سورج کے تابع کا تابع ہے۔ زمین سورج کی تابع ہے کہ سورج کے گرد گھومتی ہے۔ اور چاند زمین کے تابع ہے کہ زمین کے گرد گھومتا ہے اس اعتبار سے بھی چاند، سورج کے پیچھے ہے۔

وَالنَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا ۪ۙ﴿۳﴾　۳۔ اور دن کی جب وہ آفتاب کو روشن کر دے،

تفسیر آیات

قسم ہے دن کی، جب دن آفتاب کو ظاہر کر دیتا ہے۔ چونکہ آفتاب دن میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے محل کی طرف مجازاً نسبت دی ہے۔ روشن دن میں زندگی فعال ہو جاتی ہے اور حیات رونق پکڑتی ہے۔

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰہَا ۪ۙ﴿۴﴾　۴۔ اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے،

تفسیر آیات

قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو چھپا دے۔ سورج کا چھپانا بھی اہل ارض کے لیے اتنا اہم ہے جتنا سورج کا ظاہر ہونا۔ چونکہ اگر ہمیشہ دن رہے یا ہمیشہ رات رہے زمین پر زندگی کا برقرار رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کے سامان زیست اور لوازم حیات کے ساتھ قسم کھا رہا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىہَا ۪ۙ﴿۵﴾　۵۔ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اسے بنایا،

وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰىہَا ۪ۙ﴿۶﴾　۶۔ اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے بچھایا،

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ ۷۔ اور نفس کی اور اس کی جس نے اسے معتدل کیا،

تفسیر آیات

۱۔ ان تین آیات میں ما موصولہ ہے۔ آیات کے معنی یہ بنتے ہیں: والسمآء والقادر الذی بناھا۔ اسی طرح دیگر دو آیتوں میں بھی ماء الذی کے معنوں میں ہے۔ وَالسَّمَآءِ قسم ہے آسمان کی۔ آسمان کے ساتھ قسم کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ عظیم قرار دیا ہے:

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ ۝ [1] میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مقامات کی۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ یقیناً بہت بڑی قسم ہے

۲۔ اس زمین کی بھی قسم ہے جس کی پشت پر انسان کو بسایا ہے۔ پھر اس ذات کی قسم ہے جس نے اس زمین کو زندگی کے لیے ہموار بنایا۔

۳۔ نفس انسانی کی قسم اور اس ذات کی جس نے اس نفس کو معتدل بنایا۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ انفطار آیات ۷۔ ۸

فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا ۝ ۸۔ پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی،

تشریح کلمات

الھم: (ل ھ م) یہ لفظ التھام الشیٔ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی چیز کو نگل جانے کے ہیں۔

تفسیر آیات

الھام کسی کے دل میں کوئی بات ڈالنے کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کے دل میں ڈالی جانے والی بات کے لیے مخصوص ہے۔ ہم نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ الہام کا تعلق باطنی شعور سے ہے۔ الہام ایک اشراقی عمل ہے۔ الہام تحت الشعور میں ہوتا ہے جب کہ وحی شعور میں ہوتی ہے۔ الہام اشراقی لہروں کے ذریعے ذہن کے تصورات میں آنے والے بغیر حروف و اصوات کے مطالب ہیں۔

نفس انسانی کو معتدل بنانے کے بعد ماوراء خلقت میں برائی اور اس سے بچنے کا شعور ودیعت فرمایا۔ چنانچہ تمام زندہ موجودات کے تحت الشعور میں اس کی بقا و ارتقا سے مربوط تمام باتوں کو تکمیلِ خلقت کے بعد اس کے ماوراء میں ودیعت فرمایا ہے۔ جسے ہم فطرت کہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ روم آیت ۳۰۔

---

[1] ۵۶ واقعۃ: ۷۵۔ ۷۶

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۙ﴿۹﴾　۹۔ بتحقیق جس نے اسے پاک رکھا کامیاب ہوا،

تفسیر آیات

یہ آیت مذکورہ قسموں کا جواب ہے۔ کامیاب ہے وہ شخص جس نے نفس کو اپنی فطرت کی حالت پر بچائے رکھا۔ جیسے اللہ نے اسے شفاف خلق فرمایا تھا اسی طرح شفاف رکھا۔ فطری تقاضوں کے منافی میل کچیل کو آنے نہیں دیا۔ چونکہ فطرت کے خلاف بیرونی منفی دباؤ نہ آئے تو فطرت انسان کی سو فیصد درست راہنمائی کرتی ہے اور فطرت رسول باطنی اور حجت خدا ہے۔

وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾　۱۰۔ اور جس نے اسے آلودہ کیا نامراد ہوا،

تشریح کلمات

دَسّٰىهَا:　(د س س) دسّ کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز میں زبردستی ٹھونسنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

جس نے نفس کو اپنی فطری حالت پر رہنے نہ دیا اور اسے آلودہ کیا تو اسے نجات اور کامیابی کا راستہ بتانے والا کوئی نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ ہلاکت کی کھائی میں جا گرے گا۔

واضح رہے: انسان میں موجود منفی طاقتیں فطرت کو اپنے تقاضوں پر عمل کرنے سے روک دیتی ہیں اور کبھی منفی طاقتوں کا دباؤ ختم ہو جاتا ہے تو فطرت دوبارہ اپنے تقاضوں پر عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے:

فَاِذَا رَكِبُوۡا فِی الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۙ[1]　وہ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىهَاۤ ۙ﴿۱۱﴾　۱۱۔ (قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث تکذیب کی.

اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰىهَا ۙ﴿۱۲﴾　۱۲۔ جب ان کا سب سے زیادہ شقی اٹھا،

فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقۡيٰهَا ﴿۱۳﴾　۱۳۔ تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کی سیرابی کا خیال رکھو۔

---

[1] ۲۹ عنکبوت:۶۵

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۠ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ پھر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب ڈھایا پھر سب کو (زمین کے) برابر کر دیا۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع

۱۵۔ اور اسے اس (عذاب) کے انجام کا کوئی خوف نہیں۔

تشریح کلمات

دمدم : (د م د م) الدمدمة ہلاک کر دینا۔

تفسیر آیات

قوم ثمود کے مطالبے پر حضرت صالح علیہ السلام نے ایک اونٹنی کو بطور معجزہ پیش کیا اور یہ اعلان کیا یہ اونٹنی اپنی مرضی سے چرتی رہے گی اور ہر دوسرے دن سارا پانی اس کے لیے مخصوص ہو گا لیکن اس قوم کے سب سے بدطینت شخص نے اس اونٹنی کو مار ڈالا جس کی وجہ سے اس قوم پر عذاب نازل ہوا۔

واضح رہے کہ کوئی رسول معجزے کے بغیر مبعوث نہیں ہوئے۔ ابتدائی معجزہ قبول نہ کرنے پر عذاب نازل نہیں ہوتا لیکن قوم کے مطالبے پر پیش کیا جانے والا معجزہ قبول نہ کیا جائے تو فوری عذاب آ جاتا ہے۔

سُوۡرَۃُ الَّیۡلِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلی آیت میں مذکور لفظ وَالَّیۡلِ سے ماخوذ ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی؟ متعدد اقوال ہیں۔ ایک شان نزول منقول ہے۔ اس کے تحت اس سورۃ کے مدنی ہونے کا اشارہ ملتا ہے تاہم یہ محل بحث ہے۔

سورۃ مبارکہ کا مضمون زندگی کی کامیابی و ناکامی کے راز کے بیان پر مشتمل ہے۔ جو شخص راہ خدا میں مال دیتا ہے، تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے آسانی کے اسباب فراہم ہوں گے اور جو بخل سے کام لے، اپنے آپ کو بے نیاز سمجھے اور نیکی کو جھٹلائے، اسے مشکلات سے دو چار کیا جائے گا۔

اس کے بعد ایک اہم بات یہ ارشاد فرمائی: اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡہُدٰی ہدایت فراہم کرنا ہماری ذمہ داری یعنی اللہ کی ذمہ داری ہے۔ اللہ نے تکوینی اور تشریعی طور پر ہدایات فراہم کی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے رات کی جب (دن پر) چھا جائے،
وَ النَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾	۲۔ اور دن کی جب وہ چمک اٹھے،
وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿۳﴾	۳۔ اور اس کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیا،

تفسیر آیات

۱۔ یہ قسم لیل و نہار کی ہے جو زمین پر زندگی برقرار رکھنے کی بنیاد ہیں۔ زمین پر زندگی لیل و نہار کی آمد و رفت سے قائم ہے۔

۲۔ وَمَا خَلَقَ: میں مَا موصولہ ہے۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیا۔ مخلوق

کو نر اور مادہ میں پیدا کر کے زمین پر حیات اور زندگی کا تسلسل برقرار رکھا۔

اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾ ۴۔ تمہاری کوشش یقیناً مختلف ہے۔

تفسیر آیات

زمین پر موجود لوازم حیات اور انہیں فراہم کرنے والی ذات کی قسم! تمہاری سعی اور کوششوں کا رخ مختلف جہتوں کی طرف ہے۔ تمام اہل ارض ایک قسم کا عمل انجام نہیں دیتے۔ اگلی آیات میں ان مختلف جہات کا ذکر ہے۔

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَ اتَّقٰی ۙ﴿۵﴾ ۵۔ پس جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور تقویٰ اختیار کیا،

وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۶﴾ ۶۔ اور اچھی بات کی تصدیق کی۔

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ﴿۷﴾ ۷۔ پس ہم اسے جلد ہی آسانی کے اسباب فراہم کریں گے۔

تفسیر آیات

انسان کے مختلف اعمال میں سے ان تین مثبت اعمال کا ذکر ہے جو عمل کرنے والے کے لیے تقدیر ساز ہیں:

الف: اَعۡطٰی: عطا کرے۔ اس جگہ یہ نہیں فرمایا کہ کیا عطا کرے، کہاں خرچ کرے۔ صرف دینے کا ذکر ہے۔ جس سے عطا کی عمومیت کا مفہوم نکلتا ہے کہ وہ عطا مالی ہو، علمی ہو، خدمات ہوں یا فکری۔ سب اس میں شامل ہیں۔ بندہ فیاض ہونا چاہیے ہر میدان میں۔

ب: وَ اتَّقٰی: تقویٰ اختیار کرے۔ یعنی اپنے آپ کو ضرر رساں چیزوں سے بچائے رکھے۔ اللہ کے غضب سے، ناراضی سے، عذاب سے بچائے رکھے۔ تقویٰ کے اہم اثرات میں سے ہے مشکلات کا آسان ہونا اور بندگلی میں نہ پھنسنا:

وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿﴾ [1] اور جو اللہ سے ڈرتا رہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے،

دوسری جگہ فرمایا:

---

[1] ۶۵ طلاق: ۲

وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ اَمۡرِہٖ یُسۡرًا ۝ [1] | اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

ج: وَصَدَّقَ: اچھی باتوں کی تصدیق کرے خواہ یہ اچھی باتیں عقائد و نظریات سے متعلق ہوں جیسے توحید و رسالت، امامت و آخرت یا اخلاقیات یا احکام سے۔ الحسنی ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے جس میں شرعی، عقلی اور عرفی بھلائی سب شامل ہیں۔ چنانچہ کوئی اچھا کام کر رہا ہے تو اس کی تصدیق اور اگر کوئی برا کام کر رہا ہے تو اس کی تردید، دونوں حسنی بھلائی ہیں۔

د: فَسَنُیَسِّرُہٗ: ان مذکورہ تین صفات کے حامل افراد کو اللہ تعالیٰ آسانیاں فراہم فرمائے گا کہ وہ جب بھی کوئی کار خیر انجام دینا چاہیں اس کی انجام دہی میں کوئی دشواری نہیں آنے دی جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہر کار خیر کی توفیق عنایت کرے گا۔ توفیق کا مطلب یہ ہے کہ کسی نیک کام کی انجام دہی کے لیے وسائل و اسباب کا نزدیک کر دینا۔

متقی انسان کے لیے روزہ رکھنا، مال خرچ کرنا، ہر قسم کی قربانی دینا آسان ہو جائے گا چونکہ اس کے اندر جو جذبہ اور ایمانی محرک کارفرما ہے اس سے یہ سارے کام آسانی سے انجام پاتے ہیں جب کہ ایسا نہ ہو تو دو رکعت نماز پڑھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت ہے:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْداً اَلْھَمَہُ الطَّاعَۃَ وَ اَلْزَمَہُ الْقَنَاعَۃَ وَ فَقَّھَہُ فِی الدِّینِ وَ قَوَّاہُ بِالْیَقِینِ وَ اکْتَفَی بِالْکَفَافِ وَ اکْتَنَی بِالْعَفَافِ.... [2] | اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس پر طاعت کا الہام کرتا ہے اور قناعت کا پابند کر دیتا ہے اور دین میں سمجھ عنایت فرماتا ہے اور یقین کے ساتھ اس کی تقویت کر دیتا ہے۔ کفایت شعار اور پاکدامن کر دیتا ہے۔

وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰی ۝۸ | ۸۔ اور جس نے بخل کیا اور (اللہ سے) بے نیازی برتی،

وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۝۹ | ۹۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا،

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ۝۱۰ | ۱۰۔ پس ہم اسے جلد ہی مشکلات کا سامان فراہم کریں گے۔

---

[1] ۶۵ طلاق: ۴ [2] مستدرک الوسائل ۱۳: ۳۶

تفسیر آیات

۱۔ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ: عطا اور عنایت کرنے والے کے مقابلے میں وہ شخص ہے جو بخل سے کام لیتا ہے۔ یہاں بھی نہیں بتایا کس چیز کے بارے میں بخل کرتا ہے۔ لہٰذا بخل کے تمام پہلو اور اقسام اس میں شامل ہیں۔

۲۔ وَاسۡتَغۡنٰی: تقویٰ کے مقابلے میں بے نیاز ہے۔ یعنی یہ شخص اپنے آپ کو اطاعت و ثواب اور خوف عذاب سے بالاتر سمجھتا ہے۔ اس لیے اس میں تقویٰ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اپنے آپ کو ہر پابندی سے آزاد اور ہر ضابطے سے بے نیاز تصور کرتا ہے۔

۳۔ وَکَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی: اچھی باتیں خواہ عقائد و نظریات سے مربوط ہوں یا اخلاقیات یا احکام و شریعت سے، سب کی تکذیب کرتا ہے۔

۴۔ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی: کار خیر کی انجام دہی میں ایسے شخص کو اللہ کوئی سہولت فراہم نہیں کرے گا بلکہ توفیق سلب ہونے کی وجہ سے کار خیر انجام دینا اس کے لیے سخت دشوار ہو جائے گا:

وَمَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّہٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ...[۱]

اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہو۔

وَمَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور جب وہ سقوط کرے گا تو اس کا مال اس وقت اس کے کام نہ آئے گا۔

تفسیر آیات

آخر میں جب یہ شخص مر جائے گا تو قبر، عالم برزخ میں یہ مال اس کے کس کام آئے گا؟ وہاں کے لیے ضرورت کا سامان تو اس نے تیار کیا نہیں ہے اور جو سامان تیار کیا ہے وہ وہاں کے لیے نہیں ہے، یہاں چھوڑ کر گیا ہے۔

تَرَدّٰی ''سقوط'' سے مراد جہنم بھی ہو سکتی ہے۔ جب وہ جہنم میں سقوط کرے گا تو اس کا مال اس کے کس کام آئے گا؟

اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡہُدٰی ﴿۱۲﴾

۱۲۔ راستہ دکھانا یقیناً ہماری ذمے داری ہے۔

---

[۱] ۶ انعام: ۱۲۵

تفسیر آیات

ہدایت کی دو قسمیں ہیں: ایک راستہ دکھانا۔ دوسری منزل تک پہنچا دینا۔ اسی طرح ہدایت کی دوسرے اعتبار سے دو قسمیں اور ہیں: ایک ہدایت تشریعی اور دوسری ہدایت تکوینی۔

آیت میں علی الاطلاق ہدایت کا ذکر ہے لہٰذا اس میں تمام قسم کی ہدایتیں شامل ہیں چونکہ ہدایت کی تمام قسمیں اللہ کی طرف سے رحمت ہیں اور رحمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر واجب کر رکھا ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ...[1] تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ...[2] مگر وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ سوائے ان کے جن پر آپ کے پروردگار نے رحم فرمایا ہے اور اسی کے لیے تو اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے۔

ہدایت بمعنی راستہ دکھانے کے بارے میں فرمایا:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝[3] ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ وہ ناشکرا۔

ہدایت بمعنی منزل تک پہنچانے کے بارے میں فرمایا:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝[4] جو میری ہدایت کی اتباع کرے گا وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ شقی۔

ہدایت تکوینی کے بارے میں فرمایا:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝[5] موسیٰ نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ہدایت دی۔

ہدایت تشریعی کے بارے میں وہی سورہ انسان کی آیت ۳ ہے۔ ہدایت بمعنی راستہ دکھانا سب کے لیے ہے جب کہ منزل تک پہنچانے والی ہدایت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو راستہ دکھانے والی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

ہدایت تکوینی، خلقت جبلت اور فطرت میں ودیعت ہوتی ہے جب کہ ہدایت تشریعی انبیاء علیہم السلام کے ذریعے انسانوں تک پہنچائی جاتی ہے۔

یہ تمام ہدایات رحمت ہیں اور رحمت اللہ نے اپنے پر لازم قرار دے رکھی ہے۔ لہٰذا ہدایت بھی

---

[1] ۶ انعام: ۵۴ [2] ۱۱ ہود: ۱۱۸۔۱۱۹ [3] ۷۶ انسان: ۳ [4] ۲۰ طٰہٰ: ۱۲۳ [5] ۲۰ طٰہٰ: ۵۰

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر لازم قرار دی ہے۔

وَ اِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَ الۡاُوۡلٰی ﴿۱۳﴾ ۱۳۔ اور دنیا اور آخرت کے یقیناً ہم مالک ہیں۔

تفسیر آیات

دنیا اور آخرت کے مالک ہم ہیں۔ ہمارے ہاں طالب دنیا کو دنیا اور طالب آخرت کو آخرت مل جاتی ہے۔ دیگر قرآنی آیات سے یہ کلیہ ہاتھ آتا ہے کہ طالب آخرت کو دنیا بھی مل سکتی ہے لیکن طالب دنیا کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا:

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ نَزِدۡ لَہٗ فِیۡ حَرۡثِہٖ ۚ وَ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا وَ مَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ ۝[1]

جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواہاں ہو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی کا خواہاں ہو ہم اسے دنیا میں سے (کچھ) دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔

فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ پس میں نے تمہیں بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا۔

لَا یَصۡلٰىہَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ اس میں سب سے زیادہ شقی شخص ہی تپے گا،

الَّذِیۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ جس نے تکذیب کی اور منہ موڑ لیا ہو۔

تشریح کلمات

تَلَظّٰی: (ل ظ ی) کے معنی آگ بھڑک اٹھنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ: میں فاء تفریع کے لیے ہے کہ جب ہدایت میرے ذمے ہے تو میں نے تمہاری تنبیہ کی ہے اور اس آگ سے بچنے کی راہنمائی کی ہے جو بھڑکتی ہوگی۔

۲۔ لَا یَصۡلٰىہَاۤ: ساتھ یہ بھی بتایا کہ اس آگ سے جھلسنے والا کون ہوگا۔ وہ شقی ترین ہوگا۔

۳۔ الَّذِیۡ: یہ بھی بتایا کہ شقی ترین کون ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلانے، توحید اور آخرت کو نہ ماننے والا ہے اور جب اسے حق اور نجات کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ ہے اشقی کی تعریف۔

---

[1] ۴۲ شوری: ۲۰

اَلۡاَشۡقَی: ''شقی ترین'' جہنم کی بھڑکتی آگ میں جائے گا سے یہ مفہوم نہیں نکلتا ہے کہ ''شقی'' جہنم نہیں جائے گا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ تکذیب کرنے والا دوسروں کی بہ نسبت شقی ترین ہے۔ صرف شقی کے بارے فرمایا:

فَمِنۡھُمۡ شَقِیٌّ وَّ سَعِیۡدٌ ○ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ شَقُوۡا فَفِی النَّارِ لَھُمۡ فِیۡھَا زَفِیۡرٌ وَّ شَھِیۡقٌ ○ [۱]

پھر ان میں سے کچھ لوگ بدبخت اور کچھ نیک بخت ہوں گے۔ پس جو بدبخت ہوں گے وہ جہنم میں جائیں گے جس میں انہیں چلانا اور دھاڑنا ہوگا۔

وَ سَیُجَنَّبُہَا الۡاَتۡقَی ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور نہایت پرہیزگار کو اس (آگ) سے بچا لیا جائے گا،

الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ﴿۱۸﴾

۱۸۔ جو اپنا مال پاکیزگی کے لیے دیتا ہے۔

وَ مَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا وہ بدلہ اتارنا چاہتا ہو۔

اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰی ﴿۲۰﴾

۲۰۔ وہ تو اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلۡاَتۡقَی: سب سے زیادہ متقی جہنم کی اس آگ سے بچے گا۔ یعنی جہنم کی آگ سے اپنا بچاؤ کرنے والا دوسروں کی بہ نسبت سب سے زیادہ متقی ہے۔ کم و بیش ہر شخص ہر قسم کے خطرات سے اپنا بچاؤ کرتا ہے لیکن یہ شخص ان میں زیادہ بچاؤ کرنے والا ہے۔

۲۔ الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ: یہاں سے اس متقی کی تعریف شروع ہوگئی۔ پہلی بات یہ ہے کہ راہ خدا میں جب مال خرچ کرتا ہے تو اس کام کا محرک اور نیت یہ ہے کہ مالی ایثار کے ذریعے اپنے نفس کو بخل اور خواہشات پرستی جیسی رذیل صفات سے پاک کرے۔ یہاں یَتَزَکّٰی سے مراد نفس کی تطہیر ہو سکتی ہے:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَ تُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا ۔۔۔۔ [۲]

(اے رسول) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لیجیے، اس کے ذریعے آپ انہیں پاکیزہ اور بابرکت بنائیں۔

۳۔ وَ مَا لِاَحَدٍ: دوسری بات یہ ہے کہ جس شخص کو یہ مال دیتا ہے وہ کسی احسان کے بدلے میں نہیں کہ چونکہ اس نے مادی فائدہ پہنچایا تھا اس کے بدلے میں اسے مالی فائدہ دے۔ یہ سودے بازی ہے،

---

[۱] ۱۱ ہود: ۱۰۵۔۱۰۶ [۲] ۹ توبۃ: ۱۰۳

انفاق فی سبیل اللہ نہیں ہے۔

۴۔ اِلَّا ابۡتِغَآءَ: مال خرچ کرنے کا واحد مقصد اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ مال خرچ کرنے میں درجہ اس مال کی مقدار میں نہیں بلکہ خرچ کرنے والے کے اخلاص، نیت اور درجہ ایمان و ایقان میں ہے۔ ایک شخص لاکھوں روپیہ انفاق کرتا ہے لیکن اس انفاق کا محرک رضائے الٰہی نہیں ہے تو اس انفاق کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ دوسرا شخص چند روپے خرچ کرتا ہے اس کا درجہ ایمان قوی اور محرک رضائے الٰہی ہے، اس کے چند روپے اللہ کے نزدیک قیمتی ہیں۔

وَ لَسَوۡفَ یَرۡضٰی ﴿۲۱﴾ ۲۱۔ اور عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔

تفسیر آیات

اس نے جب اللہ کی رضا جوئی کے لیے مالی ایثار کیا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اس قدر اجر و ثواب عنایت فرمائے گا کہ وہ راضی ہو جائے۔

یہ انتہائی سعادت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس متقی کی رضایت کو مدنظر رکھے۔ یہ متقی جنت کی ابدی زندگی پر خوش ہو گا۔ اللہ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر خوش ہو گا۔ اپنی نصیب پر خوش ہو گا۔ ایسی خوشی جو تمام نعمتوں سے بالاتر ہے۔

اللّٰھم وفقنا لما تحبّ و ترضیٰ و اجعل رضاك نصب اعیننا بفضلك وَ مَنّك یا ارحم الراحمین۔

سُوۡرَۃُ الضُّحٰی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ کا نام پہلی آیت میں مذکور لفظ وَالضُّحٰی سے ماخوذ ہے

یہ سورۃ مبارکہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ ابھی آپ ﷺ نے رسالت کا باقاعدہ اعلان نہیں فرمایا تھا۔ اس سورۃ میں حکم آیا: وَاَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ اور اپنے رب کی نعمت یعنی نبوت بیان کریں۔

ابتدائے بعثت میں نزول وحی میں ایک وقفہ آیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان ہوئے۔ تسلی پر مشتمل آیات شروع میں ہیں، اس کے بعد ایک بشارت دی گئی ہے کہ آپ غمگین نہ ہوں۔ اللہ آپ کو اتنی عنایات، دنیا کی کامیابیوں اور آخرت کے درجات سے نوازے گا کہ آپ خوش ہو جائیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی کی حد تک کامیابی کی پیشگوئی ان حالات میں بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے جن میں کامیابی کے آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے۔

199

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
وَالضُّحٰی ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے روز روشن کی،
وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾	۲۔ اور رات کی جب (اس کی تاریکی) ساکن ہو جائے،
مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾	۳۔ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا،

تشریح کلمات

سَجٰی: (س ج و) السجود: پرسکون ہونے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ اللہ تعالیٰ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کی قسم کھا کر اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ فرما رہا ہے جو آگے جواب قسم میں بیان ہونے والی ہے۔ چونکہ یہ آیات ایک مختصر مدت کے لیے وحی کے انقطاع سے مربوط ہیں، اس لیے ممکن ہے یہ بتانا مقصود ہو کہ دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم وحی میں جو تاخیر ہوئی ہے اس میں نہ وحی کی روشنی سلب کرنا مقصود ہے نہ سکون۔

۲۔ مَا وَدَّعَكَ: روایت ہے کہ کچھ مدت کے لیے نزول وحی کا سلسلہ رک گیا تھا۔ اس کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی کہ نظام قرآن اور مصلحت وقت کے تحت یہ وقفہ ضروری تھا۔ یہ وقفہ اس لیے نہ تھا کہ اللہ نے آپ کو چھوڑ دیا ہے یا کسی قسم کی ناراضگی ہوئی ہے۔

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝۴ ۴۔ اور آخرت آپ کے لیے دنیا سے کہیں بہتر ہے۔

تفسیر آیات

آپ دنیا میں پیش آنے والی مشکلات کو اعتنا میں نہ لائیں۔ آپ ﷺ کو دنیا میں بھی کامیابیاں حاصل ہوں گی تاہم آخرت کی زندگی آپ کے لیے دنیاوی زندگی سے کہیں بہتر ہو گی۔

دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے: آپؐ کی ابتدائی زندگی سے آخری زندگی بہتر ہو گی۔ کامیابیاں ملیں گی، اسلام کا بول بالا ہو گا۔ آگے آنے والی آیات اس تفسیر کے ساتھ زیادہ مناسب ہیں کہ آپؐ زندگی کی ابتدا میں یتیم تھے۔ معاشرے میں آپ کا وجود محسوس نہیں ہوتا تھا اور آپ ﷺ نادار بھی تھے۔ بعد میں آپؐ کے حالات بہتر ہو گئے۔

وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی ۝۵ ۵۔ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

تفسیر آیات

عطائے رب کا دنیوی وعدہ تو پورا ہوتے ہوئے چشم جہاں نے دیکھ لیا کہ اس وقت کرۂ ارض پر اسلام کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی ہے اور نظام و دستور حیات کے اعتبار سے تمام ادیان پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض غیر مسلم مفکرین کو یہ کہنا پڑا ہے کہ اہل ارض کے مستقبل کا دین، اسلام ہو گا۔

اور آخرت میں شفاعت ہے کہ آپ کو شفاعت کی اس حد تک اجازت دی جائے گی کہ آپ راضی

ہو جائیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کے ہاں گئے تو دیکھا آپ اونٹ کے بالوں کی چادر زیب تن کیے ہوئے چکی سے آٹا پیس رہی ہیں (بعض روایات میں ہے) ساتھ بچے کو دودھ پلا رہی ہیں۔ یہ دیکھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آئے پھر فرمایا:

یا بنتاہ تعجلی مرارۃ الدنیا بحلاوۃ الاخرۃ فقد انزل اللّٰہ علیّ وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ...[1]

اے بیٹی دنیا کی تلخی کو آخرت کی شیرینی کی خاطر برداشت کرو۔ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی۔

محمد بن حنفیہ حضرت علی علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اشفع لامتی حتی ینادی ربی رضیت یامحمد؟ فاقول: رب رضیت...[2]

میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک میرے رب کی طرف سے ندا آئے گی: یا محمدؐ! کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں کہوں گا میرے رب! میں راضی ہو گیا۔

اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام پر مقدم کیا جائے گا۔ آپؐ کی امت کو تمام امتوں پر مقدم کیا جائے گا اور آپ کی امت کے مومنین کے درجات بلند ہوں گے اور دیگر عزت و تکریم، جس کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾ ۶۔ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر پناہ دی؟

تفسیر آیات

آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکم مادر میں چھ ماہ کے تھے۔ جب آپؐ کی ولادت ہوئی تو آپؐ کی والدہ اور آپ کے جد عبد المطلب نے پرورش کی۔ جب آپؐ کا سن مبارک چھ سال ہو گیا تو آپؐ کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا اور آپؐ کے جد بزرگوار عبد المطلب کا انتقال ہوا تو آپ آٹھ سال کے تھے۔ اس کے بعد آپ کے مہربان چچا حضرت ابو طالب نے عبد المطلب کی وصیت کے مطابق آپ کی تربیت کی۔

روح المعانی میں آیا ہے کہ حضرت ابو طالب نے اپنے بھائی عباس سے کہا:

کیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں آپ کو کچھ بتاؤں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ کہا: میں اسے اپنے پاس رکھتا ہوں۔ دن رات میں ایک گھڑی کے لیے اسے اپنے سے جدا نہیں

---

[1] مکارم الاخلاق: ۱۱۷ [2] شواھد التنزیل ۲: ۴۴۶

رکھتا اور اس کے بارے میں، میں کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرتا یہاں تک کہ میں اپنے بستر پر اسے سلاتا ہوں....

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی پرورش کا عمل، اپنا عمل قرار دے کر فرمایا: فَاٰوٰی۔ اللہ نے انہیں پناہ دی۔ یعنی ابو طالب جیسی پناہ عنایت کی۔ والدۂ حضرت علی علیہ السلام فاطمہ بنت اسد کا اس پرورش میں اہم کردار رہا ہے۔ لفظ فَاٰوٰی، پناہ دینے کے عمل میں عبد المطلب، فاطمہ بنت اسد اور حضرت ابوطالب کی خدمات کی طرف اشارہ ہے۔

وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ ۷۔ اور اس نے آپ کو گمنام پایا تو راستہ دکھایا،

تفسیر آیات

ا۔ آپ کو ضال پایا۔ ضال کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

الف: غافل کے معنوں میں۔ جیسے:

لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ [1] میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔

ب: ذہن سے بات نکل جانے کے معنوں میں۔ جیسے:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى .... [2] تاکہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے۔

ج: گم اور ناپید ہونے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن مشرکوں سے کہا جائے گا:

اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا .... [3] کہاں ہیں تمہارے وہ (معبود) جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے: وہ ہم سے غائب ہو گئے۔

لہٰذا آیت میں ضال کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ کی قدر و منزلت لوگوں سے پوشیدہ تھی۔ ہم نے آپ کو پہچانوایا۔ آپ ﷺ کا وجود مبارک اس تاریک معاشرے میں غیر معروف تھا، آپ ﷺ کی شان و شوکت اس غیر مہذب قوم کے درمیان پوشیدہ تھی، دنیا کو تہذیب و تمدن سے روشن کرنے والا یہ نور، بصیرت و بصارت نہ رکھنے والوں سے غائب تھا، اللہ نے اس نور کو ظاہر کیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بتانا مقصود ہو کہ اس عظیم اسلامی انقلاب کی کامیابی کے راستوں کی آپ کی راہنمائی ہم نے کی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝ [4] اور ہم آپ کے لیے آسان طریقہ فراہم کریں گے۔

---

[1] ۲۰ طہ: ۵۲ [2] ۲ بقرہ: ۲۸۲ [3] ۷ اعراف: ۳۷ [4] ۸۷ اعلیٰ: ۸

اسی سے ہے۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۙ﴿۳﴾ ١؎	کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟ اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ نہیں اتارا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔

وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰى ؕ﴿۸﴾　　**٨۔ اور آپ کو تنگ دست پایا تو مالدار کر دیا۔**

تفسیر آیات

آپ ﷺ کی تنگدستی اللہ نے مال حضرت خدیجہ (س) کے ذریعے دور کی۔ حضرت خدیجہ (س) نے اپنا سارا مال دولت رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا جس سے آپ ﷺ کو دعوت اسلام کے ابتدائی مشکل ترین حالات میں کمک ملی۔

کسی بھی دعوت کے ابتدائی مراحل نہایت اہم اور تقدیر ساز ہوتے ہیں۔ چونکہ ان مراحل میں اس تحریک کی کامیابی واضح طور پر نظر نہیں آ رہی ہوتی اس لیے مددگار بھی میسر نہیں آتے۔ خصوصاً مکہ کی جہالت اور شرک و کفر کے وحشیانہ معاشرے میں ان کے معبودوں کی نفی کر کے خدائے وحدہ لا شریک کی دعوت کس قدر سنگین کام ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا:

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ﴿۵﴾ ٢؎	عنقریب آپ پر ہم ایک بھاری حکم (کا بوجھ) ڈالنے والے ہیں۔

ایسے حالات میں دو قوتوں نے رسول اللہ ﷺ کو سہارا دیا۔ ایک حمایت ابوطالب علیہ السلام دوسری حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی دولت۔ ابوطالب (ع) نے فَاٰوٰى (پناہ) فراہم کی اور حضرت خدیجہ (س) کی دولت نے اغنیٰ کیا۔

فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ ؕ﴿۹﴾　　**٩۔ لہٰذا آپ یتیم کی توہین نہ کریں،**

تشریح کلمات

تَقۡهَرۡ: (ق ھ ر) القھر غلبہ اور تحقیر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

تَقۡهَرۡ: کے دونوں معانی میں سے تحقیر مراد لینا زیادہ مناسب ہے چونکہ یتیم پر غالب آنے کے معنوں

١؎ ٩٤ الم نشرح: ١ تا ٣　　٢؎ ٧٣ مزمل: ٥

میں لینا بظاہر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ چونکہ کسی طاقت پر غالب آ جائے تو قھر کہتے ہیں ۔یتیم میں کوئی طاقت نہیں ہوتی جس پر قہر و غلبہ حاصل کیا جائے۔ اس لیے فَلَا تَقۡهَرۡ کے معنی ہوں گے: توہین نہ کر۔ چونکہ اول تو ہر بچہ اپنی شخصیت کی توازن کے ساتھ تشکیل کے لیے پیار و محبت کا محتاج ہوتا ہے، پیار نہ ملنے والے بچے بڑے ہو کر عموماً بدمعاش بن جاتے ہیں۔ ثانیاً یتیم بچہ احساس محرومیت میں ہوتا ہے اس کی شخصیت کو بچانے کا واحد ذریعہ پیار و محبت ہے۔ اسی اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

مَنْ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِ يَتِيمٍ تَرَحُّماً لَهُ أَعْطَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِكُلِّ شَعْرَةٍ نُوراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ... [1]

کوئی شخص اپنا ہاتھ یتیم کے سر پر از راہ مہربانی پھیرے تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اسے ہر بال کے مقابلے میں نور عنایت فرمائے گا۔

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ﴿۱۰﴾ ۱۰۔ اور سائل کو جھڑکی نہ دیں،

تشریح کلمات

نھر: (ن ھ ر) النھر سختی کے ساتھ جھڑکی دینا۔

تفسیر آیات

دست سوال دراز کرنے والا کوئی بھی ہو اس نے اپنی آبرو ہتھیلی پر رکھ کر آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے تو آیت میں یہ حکم آیا کہ جھڑکی دے کر اس کی عزت نفس کو مزید مجروح نہ کرو۔ اگر آپ سائل کی حاجت پوری نہیں کر سکتے ہیں تو نرم گفتاری سے اس سے معذرت کر لیں۔

قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّ مَغۡفِرَۃٌ خَیۡرٌ مِّنۡ صَدَقَۃٍ یَّتۡبَعُہَاۤ اَذًی... [2]

نرم کلامی اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد (خیرات لینے والے کو) ایذا دی جائے۔

حدیث رسول ہے:

اَعۡطُوا السَّائِلَ وَ لَوْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ. [3] سائل کو دے دو خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

ہمارے زمانے میں کہا جائے گا: خواہ وہ گاڑی پر آئے۔ چونکہ عصر رسول میں متمول لوگ گھوڑے پر آتے تھے، آج گاڑی پر آتے ہیں۔

ع ۱۱/۱۸ وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾ ۱۱۔ اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کریں۔

---

[1] الفقیہ ۴: ۳۷۱ [2] بقرہ: ۲۶۳ [3] مستدرک الوسائل: ۷: ۲۰۳۔ موطا مالک حدیث ۱۵۸۳

تفسیر آیات

اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرو، بیان کرو، زبان قال اور زبان حال سے۔ زبان قال سے اس طرح بیان ہوسکتا ہے کہ وہ شکر کرے کہ اللہ نے اسے نعمتوں سے نوازا ہے۔ زبان حال سے اس طرح کہ اس نعمت کے آثار اس کے کردار و عمل میں نظر آئیں۔ مالی نعمت سے غریب پروری کرے۔ علمی نعمت سے لوگوں کو تعلیم دے۔

ایک قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم مل رہا ہے کہ اللہ نے نبوت کی نعمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عنایت فرمائی، اسے بیان کریں۔ یعنی اپنی رسالت کا برملا اعلان کریں۔

سُورَۃُ الانشراح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ کا نام آیت اَلَمۡ نَشۡرَحۡ سے ماخوذ ہے۔
یہ سورۃ مکی ہے۔
اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راہ رسالت میں پیش آنے والی مشکلات کے ازالے کا ذکر ہے۔

ا۔ شرح صدر عنایت فرمائی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشکلات کی سمجھ اور ان کے حل کی تلاش میں آسانی ملے گی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ نوید سنائی کہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ یعنی مشکل جب آتی ہے تو آسانی ساتھ لے کر آتی ہے اور آسانی بغیر مشکل کے مفت میں نہیں آیا کرتی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾	ا۔ کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟

تفسیر آیات

شرح صدر یعنی سینے کو معارف الٰہی و حقائق ملکوتی کے لیے کشادہ کرنا۔ ان حقائق کو بذریعہ وحی اس طرح درک کرنا جیسے اپنے وجود کو درک کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد نا قابل تحمل مشکلات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ آتا ہے اور اپنی کامیابی کے بارے میں کسی شک و تردد کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس دعوت الٰہی کے سامنے آنے والی آندھیوں سے گھبراتا نہیں ہے۔ چونکہ شرح صدر کے نتیجے میں معاملہ فہمی اور حقائق کے ادراک سے سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے مشکل ترین حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا:

وَیَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ وَلَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ ۔[1] اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔

---

[1] ۲۶ شعرا: ۱۳

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ طہٰ آیت ۲۵۔

وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾ ۲۔ اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ نہیں اتارا۔

الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾ ۳۔ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی؟

تفسیر آیات

ا۔ شرح صدر کا نتیجہ یہ ہے کہ رسالت کی سنگینی کو ہلکا کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک ناخواندہ، مشرک اور متوحش قوم کو تہذیب و تمدن کا وارث بنانا کس قدر سنگین اور کمر شکن کام تھا۔ ایک طرف حالات نہایت نامساعد، دوسری طرف وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا حتمی حکم۔ نہ تو حالات کو مساعد بنایا جا سکتا ہے، نہ ہی حکم خدا ٹالا جا سکتا ہے۔ ساتھ لوگوں کے اپنے مذہبی پختہ عقیدہ شرک کی نفی کرنا ہے۔ ان کے معبودوں کو باطل قرار دینا ہے۔

۲۔ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ: اس آیت میں ایک نفسیاتی کیفیت کو محسوس صورت میں بیان کرنا مقصود ہے کہ آپ کمر شکن حالات سے دوچار تھے تو ہم نے اس کمر شکن سنگینی کو آپ سے دور کیا۔

وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ﴿۴﴾ ۴۔ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

تفسیر آیات

مکی زندگی اور ابتدائے بعثت کے دنوں کی بات ہے کہ اللہ نے شروع میں یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ آپؐ کا ذکر بلند ہو گا اس لیے رَفَعۡنَا صیغہ ماضی کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ چند ہی سالوں میں آپؐ کا ذکر ہر سو پھیل گیا اور اللہ کی بندگی اور عبادت میں یعنی تشہد میں آپ ﷺ کا ذکر اور اذان میں بھی آپ کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے بھی آپؐ کی رسالت کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ رکھا۔ اس سے بلند درجہ اور منزلت ہو نہیں سکتی۔

فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ﴿۵﴾ ۵۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ؕ﴿۶﴾ ۶۔ یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

تفسیر آیات

کسی منزل کی طرف قدم اٹھتا ہے تو منزل عظیم ہونے کی صورت میں ہر قدم پر مشکلات اور

صعوبتیں پیش آئیں گی۔ صعوبت اس وقت آتی ہے جب قدم بڑھتا ہے۔ لہٰذا ہر قدم کے ساتھ جہاں عسر (صعوبت) ہے وہاں یسر (آسانی) بھی ساتھ ساتھ ہے اور صعوبتوں کے ساتھ اٹھنے والے ہر قدم میں آسانی بھی ہے۔ چنانچہ بعد العسر یسراً نہیں فرمایا: مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا فرمایا۔ یعنی مشکل کے بعد آسانی ہے نہیں فرمایا بلکہ فرمایا: مشکل کے ساتھ ساتھ آسانی ہے۔ چنانچہ ہر قدم پر مشکل کم، آسانی زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے بشارت ہے کہ موجودہ مشکلات، آنے والی آسانیوں کے لیے زینہ ہیں۔ ''مشکل کے ساتھ آسانی ہے'' کو تکرار کرنے میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے:

الۡعُسۡرِ الف لام کے ساتھ تکرار ہوئی ہے تو دوسرے الۡعُسۡرِ کا الف لام عہد ذکری سابقہ الۡعُسۡرِ کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح عسر ایک ہی رہ جاتا ہے اور یسر دو ہو جاتے ہیں چونکہ یہ الف لام کے بغیر ذکر ہوا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک عسر کے نتیجے میں دو آسانیاں مل جایا کریں گی۔

چنانچہ سنن بیہقی میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن خوشی کے ساتھ نکلے اور فرمایا:

لن یغلب عسر یسرین۔[1] ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آئے گی۔

متشابہ القرآن ۲: ۱۴۳ میں یہ قول ابن عباس کی طرف منسوب ہے۔

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ﴿۷﴾ ۷۔ لہٰذا جب آپ فارغ ہو جائیں تو نصب کریں،

وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ٪﴿۸﴾ ۸۔ اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاِذَا: فاء تفریع ہے کہ خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے: جب مشکل کے ساتھ آسانی ہے تو کسی فریضے سے فارغ ہو جائیں تو عبادت اور دعا سے اپنے آپ کو مشقت میں رکھیں اور اسی عبادت کے ذریعے اللہ کی طرف راغب رہیں تاکہ اس مشقت سے راحت اور مشکل سے آسانی مل جائے۔ یہ ہے المیزان کی تفسیر اور تفسیر مجمع البیان میں ہے: آیت کی یہی تفسیر حضرت امام محمد باقر و حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے۔

تفسیر نمونہ میں اس آیت کی تفسیر ہے: جب آپ کسی مہم سے فارغ ہو جائیں تو دوسری مہم شروع کیجیے۔ فارغ اور بے کار نہ رہیں۔ ہمیشہ سعی و کوشش میں اور متحرک رہنا چاہیے۔ ایک مہم کا اختتام، دوسری مہم کی ابتدا قرار دیں۔

تفسیر روح المعانی میں ان تمام اختلافات کا ذکر آیا ہے جو اس آیت کی تفسیر میں ہیں۔

---

[1] روح المعانی

عالم اہل سنت عبید اللہ بن احمد حسکانی اپنی تفسیر شواھد التنزیل ۲: ۴۵۱ میں یہ روایت نقل کرتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ قال یعنی علیا، للولایۃ۔　　جب آپ فارغ ہو جائیں تو نصب کریں یعنی علی کو ولایت کے لیے۔

یہ روایت انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرق سے ذکر کی ہے۔ ان راویوں میں ابوبصیر، عبد اللہ بن سنان اور الفضل کا ذکر آتا ہے۔

بحار الانوار ۳۶: ۱۳۴ میں روایت ان الفاظ میں مذکور ہے:

فاذا فرغت من اکمال الشریعۃ فانصب لھم علیا اماماً۔　　جب آپ تکمیل شریعت سے فارغ ہو جائیں تو علی کو امامت کے منصب پر نصب کیجیے۔

بحار الانوار میں یہ روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو درج ذیل راویوں نے روایت کی ہے: عبد الرحمن، سلیمان، ابوجمیلہ، مفضل۔

زمخشری نے الکشاف میں لکھا ہے:

بعض روافض نے فَانۡصِبۡ کے صاد کو زیر دے کر قرائت کی ہے۔ یعنی علی کو امامت کے منصب کے لیے نصب کریں۔

پھر کہا ہے:

اگر رافضی کو اس طرح قرائت کرنے کا حق ہے تو ناصبی کو یہ حق ملے گا کہ وہ یہ معنی مراد لے: جب آپ فارغ ہو جائیں تو علی سے عداوت کریں یعنی فَانۡصَبۡ کو عداوت کے معنوں میں لیں۔

زمخشری کی اس بات سے ان کا یہ موقف سامنے آتا ہے کہ ان کے نزدیک علی علیہ السلام کی ذات و صفات نواصب اور روافض کے درمیان برابر ہے۔ جس قدر روافض کو علی کے فضائل بیان کرنے کا حق ہے اسی قدر نواصب کو علی کی عداوت بیان کرنے کا حق ہے۔ یہی موقف ایک کھلی ناصبیت ہے۔

رہا فَانۡصِبۡ بکسر صاد کی قرائت کا سوال تو یہ بھی صحیح نہیں ہے چونکہ نَصَبَ، باب ضَرَبَ، نَصَرَ اور عَلِمَ سے استعمال ہوا ہے۔ جس باب سے بھی سمجھا جائے، منصب پر نصب کرنے کے معنوں میں لیا جا سکتا ہے۔ باب ضَرَبَ سے لیا جائے فَانۡصِبۡ ہوگا اور اگر باب عَلِمَ سے لیا جائے تو فَانۡصَبۡ ہوگا۔

سُورَةُ التِّين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام سورۃ، سورۃ کی ابتدائی آیت میں مذکور لفظ التِّیۡنِ سے ماخوذ ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے۔ آیات کی تعداد آٹھ ہے۔ بعض مدنی ہونے کا احتمال دیتے ہیں لیکن آیت وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ قرینہ بن سکتی ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں انسان کے عروج و سقوط کا ذکر ہے کہ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کا امتیاز لے کر وجود میں آنے والا انسان اپنے ہاتھ سے اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ میں جا گرتا ہے۔

البتہ ایمان و عمل صالح سے متمسک رہنے والا کائنات میں اپنا امتیاز اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ برقرار رکھتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے انجیر اور زیتون کی

تفسیر آیات

گویا انجیر اور زیتون کا انسانی مادی ساخت و بافت میں ایک اہم کردار ہے، اس لیے ان دونوں کی قسم کھا کر ان دونوں میووں کی اہمیت اجاگر کرنا مقصود ہو سکتا ہے۔ بعض انجیر سے کوہ دمشق اور زیتون سے کوہ بیت المقدس مراد لیتے ہیں جو بغیر دلیل کے ظاہر قرآن کے خلاف جانے کے مترادف ہے۔

وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾	۲۔ اور طور سینین کی۔

تفسیر آیات

۱۔ طُوۡرِ: بنا بقول بعضے قبطی زبان میں طور پہاڑ کو کہتے ہیں لیکن مذہبی اصطلاح میں طور اس کوہ

کو کہتے ہیں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی اور شریعت نازل ہوئی تھی اور یہاں آپؑ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے تھے۔

۲۔ سِیۡنِیۡنَ: بعض مفسرین کے نزدیک سِیۡنِیۡنَ سے سینا مراد ہے۔ بعض دیگر مفسرین کہتے ہیں: سِیۡنِیۡنَ سریانی یا قبطی زبان میں بابرکت کے معنی میں ہے۔ بعض کے نزدیک طُوۡرِ کوہ اور سِیۡنِیۡنَ میدان کو کہتے ہیں۔ بہرحال طور کا اضافہ سِیۡنِیۡنَ کی طرف ہے تو طُوۡرِ اور سِیۡنِیۡنَ کے دو مختلف معنی ہونے چاہئیں۔ لہٰذا طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ کے معنی یہ بنتے ہیں: صحرائے سینا کا کوہ۔

وَ ہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ﴿۳﴾		۳۔ اور اس امن والے شہر کی۔

تفسیر آیات

امن کے شہر سے مراد بالاتفاق مکہ ہے جہاں داخل ہونے والے کو زمان جاہلیت میں بھی امن ملتا تھا کہ اگر کوئی مجرم اور قاتل بھی حرم میں داخل ہو جاتا تو اسے حرم میں موجود ہونے تک امن مل جاتا تھا۔ اسلام میں تو جانور، سبزی اور درخت تک کے لیے امن ہے۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫﴿۴﴾		۴۔ تحقیق ہم نے انسان کو بہترین اعتدال میں پیدا کیا،

تفسیر آیات

انجیر اور زیتون کا انسان کی مادی ساخت و بافت میں اہم کردار ہے اور طور سینا اور مکہ کا انسان کی روحانی تربیت و ارتقا میں خاص کردار ہے۔ ان کی قسم کھا کر فرمایا: ہم نے انسان کو بہترین اعتدال میں پیدا کیا ہے۔ اس کائنات میں اللہ کا عظیم معجزہ انسان ہے جس کی تخلیق پر خود اللہ تعالیٰ کو ناز ہے۔

اَحۡسَنِ کا مطلب ہے دیگر مخلوقات سے بہتر۔ تَقۡوِیۡمٍ قیام سے ہے جو پائیدار اور بہتر استحکام کے معنی بھی ہے۔ تَقۡوِیۡمٍ کا لفظ تسویہ، تعدیل سے بالاتر مرحلے کا نام ہے۔ جیسا کہ الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ ۔[1] میں فرمایا ہے۔ یعنی تخلیقی مراحل میں بہتر ترکیب اور اعتدال میں لانے کے بعد جب انسان کو عقل و استعداد اور ارتقا و تکامل کے اہل بنایا تو اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کا مرحلہ آ گیا۔ باقی مخلوقات میں ایک حد تک تسویہ اور تعدیل موجود ہے لیکن ان میں اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ نہیں ہے۔ اس لیے وہ ارتقا کی قابلیت نہیں رکھتے۔ اگر انسان اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کے تقاضوں پر چلتا ہے تو اس کا درجہ اعلیٰ علیین میں

---
[1] ۸۲ انفطار: ۷

ہوگا اور ابدی سعادت حاصل کر سکے گا۔ دوسری صورت میں اس کا مقام اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ہو گا۔

ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۙ﴿۵﴾ ۵۔ پھر ہم نے اسے پست ترین حالت کی طرف پلٹا دیا۔

تفسیر آیات

اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کے اوج پر فائز ہونے کی اہلیت رکھنے والا انسان اگر اس مقام کا لحاظ نہیں رکھے گا تو اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کے اوج سے نیچے اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ کی کھائی میں جا گرے گا۔ یعنی پست لوگوں میں سے پست ترین ہو جائے گا۔ اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ ....[1] یہ شخص چوپاؤں کی طرح سٰفِلِیۡنَ میں ہوگا۔ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ بلکہ وہ مویشوں سے زیادہ گمراہ اَسۡفَلَ میں ہوگا۔ جانور کو اللہ نے اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ میں خلق نہیں کیا انہیں مکلف نہیں بنایا مگر انسان کو عقل وشعور استعداد اور قابلیت کے اعلیٰ علیین پر فائز کیا تھا اور فرشتوں سے آگے جانے کی صلاحیت ان میں ودیعت فرمائی تھی لیکن عملاً یہ شخص بے عقل، بے صلاحیت حیوانات سے بھی بدتر مقام اختیار کرتا ہے۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ؕ﴿۶﴾ ۶۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، پس ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

تفسیر آیات

البتہ ایمان اور عمل صالح والے اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کی منزلت نہیں چھوڑیں گے۔ یعنی جو ارتقائی صلاحیتیں ان میں ودیعت کی گئی تھیں ان سے بھرپور استفادہ کرتے، ارتقائی مراحل طے کرتے ہیں اور اس اجر کے مستحق ٹھہرتے ہیں جو دائمی اور ختم نہ ہونے والا ہے۔ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ سے یہ نتیجہ اخذ ہوسکتا ہے کہ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ سے مراد عذاب الیم ہے۔

فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعۡدُ بِالدِّیۡنِ ؕ﴿۷﴾ ۷۔ پس اس کے بعد روز جزا کے بارے میں کون سی چیز تجھے جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے۔

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ ٪﴿۸﴾ ۸۔ کیا اللہ حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟

تفسیر آیات

نتیجہ کلام ہے: جب کچھ لوگ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ کے اور کچھ بے انتہا اجر کے مستحق ہیں تو یہ کیسے ممکن

---
[1] ۷ اعراف: ۱۷۹

ہے کوئی روز جزا نہ ہو اور یہ دونوں گروہ یکساں ہوں:

اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۫ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِیۡنَ کَالۡفُجَّارِ ۝ ۱

کیا ہم ایمان لانے اور اعمال صالح بجا لانے والوں کو زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح قرار دیں یا اہل تقویٰ کو بدکاروں کی طرح قرار دیں؟

نیز فرمایا:

اَفَمَنۡ کَانَ مُؤۡمِنًا کَمَنۡ کَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسۡتَوٗنَ ۝ ۲

بھلا جو مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

یُکَذِّبُکَ: میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے کہ اے رسول کون سی بات ایسی ہے جو روز جزا کے بارے میں آپ کی تکذیب کرے۔ یعنی آپ کی تکذیب کرنے پر ان کے پاس کون سی دلیل ہے؟

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ: کیا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے مضبوط فیصلہ کرنے والا نہیں ہے؟ اگر فاسق اور مومن برابر ہو جائیں اور کوئی جزا و سزا نہ ہو تو اس سے لازم آتا ہے اللہ بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں ہے، اللہ کے ہاں سب یکساں ہیں۔ دنیا میں تو فاجر و ظالم کا فیصلہ نہیں ہوتا، اگر آخرت بھی نہیں ہے تو یہ نظام عبث ہو کر رہ جائے گا۔

---

۱ ۳۸ ص: ۲۸ ۲ ۳۲ سجدہ: ۱۸

سُوْرَةُ الْعَلَق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورۃ مبارکہ کی دوسری آیت میں مذکور عَلَقٍ سے سورۃ موسوم ہوئی ہے۔

سورۃ کی ابتدائی پانچ آیات کے بارے میں اکثر کا اتفاق ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی آیات ہیں۔ انہی آیات سے وحی کا آغاز ہوا ہے۔

وحی کے بارے میں اہل سنت کے مصادر میں روایت ہے:

> رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تھے۔ فرشتۂ وحی نے آپؐ سے کہا: اقرأ، پڑھو۔ تو آپؐ نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر فرشتے نے آپ کو بھینچا یہاں تک کہ آپ کو قوت برداشت سے زیادہ اذیت ہوئی۔ تین بار اسی طرح فرشتے نے آپ ﷺ کو پڑھنے کا کہا اور نفی میں جواب سن کر پھر آپ کو قوت برداشت سے زیادہ اذیت دی۔ پھر کہا: اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ... تا آخر۔ رسول ﷺ کانپتے لرزتے حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ نے تسلی دی کہ آپ کے ساتھ جو ہو رہا ہے، خیر ہے، نہ گھبرائیں۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل آپ کو باخبر کرتے ہیں کہ یہ نبوت ہے اور یہ وہی فرشتۂ وحی ہے جو موسیٰ پر نازل ہوتا تھا۔

مقام تعجب ہے: اللہ تعالیٰ اپنی رسالت ایسے شخص کے سپرد کرتا ہے جسے اتنا بھی ادراک نہیں جتنا جناب خدیجہ اور ورقہ بن نوفل کو ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے اس روایت کو مسترد فرمایا ہے۔ ہم نے کئی بار اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وحی کا تعلق حواس خمسہ سے نہیں ہے بلکہ وحی قلب یعنی رسول کے وجود کے عین مرکز پر اترتی جہاں شک و تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾	۱۔ (اے رسول) پڑھیے! اپنے پروردگار کے نام سے جس نے خلق کیا۔

تفسیر آیات

اہل ارض پر اللہ کی رحمتوں کا نزول شروع ہوا۔ یعنی رحمۃ اللعالمین پر ایک عظیم انسان ساز انقلاب کے لیے وحی کا نزول شروع ہوا جس کی ابتدا اس حکم سے ہوئی: اِقۡرَاۡ ! پڑھ! لکیروں کی تحریر نہیں بلکہ کائنات کی کھلی ہوئی کتاب پڑھ۔ اس پڑھائی کی ابتدا اپنے پروردگار کے نام سے ہو اور اس کتاب کا پہلا باب اللہ تعالیٰ کی خلاقیت کا مطالعہ ہو۔ دوسرا باب اس کائنات کے عظیم معجزہ انسان کی خلقت ہو۔ پھر اس انسان کی تعلیم اور اس کے اہم ترین ذریعہ قلم کا ذکر شروع کرنے سے معلوم ہوا کہ اس عظیم رسالت کا عنوان قرائت و کتابت ہے۔ یعنی پڑھنا لکھنا، انسان کی تعلیم، ترقی اور تہذیب وتمدن میں ایک عظیم انقلاب کی بنیاد ہے۔

۱۔ اِقۡرَاۡ : پڑھ! کس چیز کے پڑھنے کا حکم ہے؟ بعض کے نزدیک قرآن پڑھنے کا حکم ہے۔ بعض دیگر کے نزدیک ما یوحی الیك۔ وحی کے پڑھنے کا حکم ہے۔ بعض دیگر کے نزدیک اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ اللہ کا نام پڑھنے کا حکم ہے اور باء کو زائدہ سمجھتے ہیں۔ اسی سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ ہر سورہ کی ابتدا میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے کا حکم ہے۔ اسی سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہر سورہ کا جزو ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس قول کے نزدیک ہے زمخشری کا موقف، جو کہتے ہیں: بِاسۡمِ رَبِّکَ کا محل منصوب ہے حال ہونے کی بنیاد پر یعنی اللّٰہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے پڑھ ۔ پہلے بسم اللّٰہ پھر پڑھنا شروع کر۔

۲۔ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ : اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ رب وہ ہوتا ہے جو خالق ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ مشرکین کے نزدیک بھی اللہ خالق ہے۔

خَلَقَ : اس لفظ کے بعد نہیں فرمایا کس چیز کا خلق کرنے والا۔ متعلق خلق کا ذکر نہ کرنے سے خلق کی تمام اقسام شامل ہوتی ہیں۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ ۲۔ اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

تفسیر آیات

۱۔ خَلَقَ : مطلق خلق کے ذکر کے بعد خلق انسان کے جداگانہ ذکر سے مخلوقات میں اس مخلوق کو حاصل امتیاز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

۲۔ مِنۡ عَلَقٍ : انسان کی خلقت کے ایک مرحلے کا ذکر ہے۔ قرآن مختلف آیات میں ان تمام مرحلوں کا ذکر کرتا ہے۔ مٹی سے، پانی سے، نطفہ سے اور علقہ سے اور ایک آیت میں بیشتر مرحلوں کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ حج آیت ۵

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رب صرف وہ ہے جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ اس کے تخلیقی مراحل میں وہی خلق اور تدبیر کرنے والا ہے اور کامل الخلقت ہونے کے بعد بھی اس کی زندگی کی تدبیر کرنے والا رب، وہی اللہ ہے۔ اس میں دیگر ارباب کی نفی ہے۔

اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ ۳۔ پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔

الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ ۴۔ جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی۔

عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ ۵۔ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

تفسیر آیات

۱۔ اِقۡرَاۡ: دوبارہ اقرأ کی تاکید ہے۔ اس سے پڑھنے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ: پڑھ! آپ کا رب بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔ اس کی عنایتوں کی وجہ سے آپ پڑھ لیں گے اور وہ ہر قدم پر آپ کی مدد کرے گا۔

۳۔ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ: اللہ تعالیٰ کے فضل کرم میں سے ایک اہم چیز قلم کے ذریعے تعلیم ہے۔ انسان کے ذہن میں موجود معنی دوسروں کے لیے بیان کرنے کا ایک حل یہ ہو سکتا تھا کہ وہ معنی خود مخاطب کے سامنے پیش کیا جائے۔ مثلاً پانی کہنا مقصود ہے تو پانی اٹھا کر مخاطب کے سامنے رکھ دیا جائے۔ یہ کام مشکل اور بعض اوقات ناممکن ہے۔ انسان نے خداداد صلاحیت کی بنیاد پر معانی اور مطالب دوسروں کے ذہن میں منتقل کرنے کے لیے ہر معنی کا لفظ وضع کیا۔ اب لفظ کے ذریعے معنی آسانی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ اگر مخاطب سامنے موجود نہ ہو تو اس کے لیے الفاظ استعمال نہیں ہو سکتے۔ اس طرح انسان نے اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر الفاظ حاضر کرنے کے لیے کتابت ایجاد کی۔ اب آسانی کے ساتھ کتابت کے ذریعہ الفاظ حاضر کیے جاتے ہیں اور الفاظ کے ذریعہ معانی حاضر کیے جاتے ہیں۔ اس طرح افہام و تفہیم، تعلیم و تعلم آسان اور بعض صورتوں میں ممکن ہو گیا۔

چنانچہ قلم ہی کی وجہ سے گزشتگان کے تجربات آنے والی نسلوں کو منتقل ہوتے اور ان سے آگے بڑھتے ہیں۔ اس طرح کتابت کی وجہ سے تہذیبیں وجود میں آئیں۔ تمدن کا وجود بھی قلم کے مرہون منت ہے۔ قلم سے بڑھ کر تعلیم کا ذریعہ کوئی نہیں ہے۔ نزول قرآن کے وقت قلم کی اس اہمیت کا لوگوں کو اندازہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابتدائی وحی میں اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلم کی اہمیت بیان کی اور عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ فرما کر قلم کو ذریعہ تعلیم قرار دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

قیدوا العلم قیل و ما تقییده قال کتابته۔[۱] علم کو بند کرو۔ عرض کیا گیا کیسے بند کریں؟ فرمایا کتابت سے۔

دوسری روایت میں ہے:

قیدوا العلم بالکتابة۔[۲] علم کو کتابت کے ذریعے محفوظ کرو۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سورۃ ن آیت نمبر۱۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ایک سو سال تک حدیث کی کتابت پر پابندی عائد رہی جس کی وجہ سے علم کے بہت بڑے ذخیرے سے امت محروم رہی۔

البتہ مکتب اہل بیت علیہم السلام کے پیروکار اس ذخیرے سے محروم نہیں رہے چونکہ ان کے ہاں عہد رسالت میں حدیث کی تدوین مکمل ہو گئی تھی۔ چنانچہ حدیث کی یہ تدوین باملاء من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم و بخط علی علیه السلام (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی املاء اور علی علیہ السلام کے خط سے) مکمل ہو گئی تھی یہ کتاب علی کے نام سے مشہور ہے جس میں تمام احکام اور آنے والے واقعات تک درج ہیں اور یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمی میراث کے طور پر تمام ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے پاس موجود رہی ہے۔[۳]

۴۔ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ : انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت دی کہ وہ علم حاصل کرے:

وَاللّٰہُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا ...۔[۴] اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اب انسان بہت کچھ جاننے لگا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ودیعت شدہ صلاحیت کی وجہ سے ہے۔ ممکن ہے اس آیت کا اشارہ قلم کے علاوہ دیگر ذرائع تعلیم کی طرف ہو جیسے سمعی ذرائع ہیں۔

کَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی ۙ﴿۶﴾ ۶۔ ہرگز نہیں! انسان تو یقیناً سرکشی کرتا ہے۔

اَنۡ رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی ؕ﴿۷﴾ ۷۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز خیال کرتا ہے۔

---

۱ منیة المرید: ۲۶۷ ۲ بحار ۵۸: ۱۴۴ ۳ بصائر الدرجات فی فضائل آل محمد ع ۱: ۱۶۵ باب ۱، ح ۱۱
۴ ۱۶ نحل: ۷۸

تفسیر آیات

۱۔ كَلَّآ: بعض مفسرین نے اس جگہ كَلَّآ کا معنی حقاً کیا ہے۔ اکثر نے کہا ہے کہ مسترد کرنے معنوں میں ہے کہ اللہ نے انسان کو جس تعلیم و ارتقا کی نعمت سے نوازا ہے وہ ہرگز اس کے شکرگزار نہیں ہیں۔

۲۔ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی: انسان جب دیکھتا ہے کہ وہ لوگوں سے بے نیاز ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ وہ اللہ سے بھی بے نیاز ہے۔ پھر وہ سرکش ہو جاتا ہے۔

خود فطرت انسانی بھی اس بات پر شاہد ہے کہ انسان کو ضرورت کی چیزیں فراہم ہونے سے سکون ملتا ہے اور ضرورت سے زیادہ دولت ہونے پر بے چین اور سرکش ہو جاتا ہے۔ انسان کا ضمیر اور وجدان مال دولت کے پردوں کے پیچھے چلا جائے تو یہ انسان بے ضمیر ہو جاتا ہے اور جس نے نعمت دی ہے اسے بھی بھول جاتا ہے۔

اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجۡعٰی ؕ﴿۸﴾ **۸۔ یقیناً آپ کے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔**

تفسیر آیات

یہ سرکش، بے ضمیر انسان اس بات کو بھی بھول جاتا ہے کہ اس نے اپنے رب کی بارگاہ میں اس مال و دولت کا حساب دینا ہے۔ مروی ہے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا گیا: ہمیں مختصر لفظوں میں کوئی نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا:

الدُّنۡیَا حِلَالُهَا حِسَابٌ وَ حَرَامُهَا عِقَابٌ ... [1] دنیا کے حلال میں حساب اور حرام میں عقاب ہے۔

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡهٰی ۙ﴿۹﴾ **۹۔ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روکتا ہے،**

عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ؕ﴿۱۰﴾ **۱۰۔ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے؟**

تفسیر آیات

۱۔ یہ سورہ مبارکہ اگر آخر تک پہلی وحی ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نزول وحی سے پہلے علی الاعلان نماز پڑھتے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رسالت سے پہلے نبوت کے درجے پر فائز تھے۔ یہ بات کہ نماز ابتدائے بعثت میں فرض نہ تھی، بعد میں شب معراج فرض کی گئی

---

[1] الکافی ۲: ۴۵۹

ہے۔ یہ پانچ اوقات کی نمازوں کے بارے میں ہے جو شب معراج فرض کی گئی ہیں لیکن بعثت سے پہلے آپ (ص) کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔ معراج سے پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں سجدے پر مشتمل نماز کا ذکر ملتا ہے نیز روایت میں ہے کہ معراج سے پہلے آپؐ، حضرت علی علیہ السلام اور حضرت خدیجۃ الکبری سلام اللہ علیہا کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔

۲۔ یَنۡھٰی: نماز سے روکنے والا ابوجہل تھا۔ اس نے نماز کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ گستاخی کرنے کا تہیہ کیا۔ چنانچہ وہ گستاخی کے ارادے سے نزدیک گیا پھر یکایک واپس ہوا۔ وجہ پوچھی تو ابوجہل نے کہا: میں نے اپنے اور محمدؐ کے درمیان آتش کے شعلوں کی خندق حائل دیکھی۔ اس سے گھبرا کر واپس ہوا ہوں۔

اَرَءَیۡتَ اِنۡ کَانَ عَلَی الۡہُدٰۤی ۙ﴿۱۱﴾ ۱۱۔ کیا آپ نے دیکھا ہے کہ اگر وہ (بندہ) ہدایت پر ہو،

اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰی ﴿ؕ۱۲﴾ ۱۲۔ یا تقویٰ کا حکم دے؟

تفسیر آیات

جس عبد خدا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نماز سے روکا جا رہا ہے وہ ہدایت پر ہو اور تقویٰ کا حکم دینے والا ہو، پھر بھی اس عبد خدا کو نماز سے کوئی روکتا ہے تو اسے دردناک سزا کے سوا کیا ملے گا؟

اَرَءَیۡتَ اِنۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿ؕ۱۳﴾ ۱۳۔ کیا آپ نے دیکھا کہ اگر وہ (دوسرا) شخص تکذیب کرتا ہے اور منہ پھیرتا ہے؟

تفسیر آیات

یہ شخص جو نماز سے روک رہا ہے، اگر یہ ہمارے رسول کی تکذیب کرتا ہے اور اللہ کا پیغام سننے سے روگردانی کرتا ہے تو اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ آیت میں مذکور نہیں ہے چونکہ مذکور ہوتی تو اس کی سزا اس مذکور تک محدود ہوتی۔ لہٰذا اس کی سزا کا ذکر نہ کرنے سے اس کی سزا کا ناقابل وصف و بیان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ﴿ؕ۱۴﴾ ۱۴۔ کیا اسے علم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟

تفسیر آیات

کیا یہ مجرم نہیں جانتا کہ اس سے سرزد ہونے والے اس جرم کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ اس کی ہر حرکت، ہر جنبش، ہر نیت و ارادہ اللہ جانتا ہے۔ اس مجرم کے عمل سے ایسے لگتا ہے وہ اس بات کو نہیں جانتا۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ ہرگز نہیں! اگر یہ شخص باز نہ آیا تو ہم اسے اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے،

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ وہ پیشانی جو جھوٹی، خطاکار ہے۔

تشریح کلمات

نسفع: (س ف ع) السفع کے معنی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

اگر یہ مجرم باز نہیں آتا ہے تو ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیں گے۔ اس شخص کی پیشانی جو جھوٹا اور مجرم ہے۔ یہ سزا دنیا اور آخرت دونوں میں اسے مل سکتی ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ بدر کی جنگ میں ابوجہل کا سر بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا گیا۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ ۱۷۔ پس وہ اپنے ہم نشینوں کو بلا لے۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ ہم بھی جلد ہی دوزخ کے مؤکلوں کو بلائیں گے۔

تشریح کلمات

نَادِیَہٗ: (ن د ی) نادی مجلس اور محفل کو کہتے ہیں۔ یہاں اہل محفل مراد ہیں۔

الزَّبَانِیَۃَ: (ز ب ن) زبانیۃ جہنم پر مؤکل فرشتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ جب ہم اس مجرم کو پیشانی سے پکڑ لیں گے، اس وقت یہ مجرم اپنے ہم نشینوں کو بلا لے جن پر یہ ناز کرتا تھا۔ اس وقت اسے پتہ چلے گا کوئی شخص اسے بچانے نہیں آئے گا۔

۲۔ ہم بھی جہنم کے موکلوں کو بلائیں گے کہ اسے گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جائیں تو یہ موکلین

لپک کر آ جائیں گے اور اسے جہنم کی آگ میں پھینک دیں گے۔ چنانچہ فرمایا:

عَلَیۡہَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ ...[1] اس (جہنم) پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں.

كَلَّا ؕ لَا تُطِعۡہُ وَ اسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ ﴿۱۹﴾ السجدۃ الواجبۃ ۱۹۔ ہرگز نہیں! اس کی اطاعت نہ کریں اور سجدہ کریں اور قرب (الٰہی) حاصل کریں۔

ع [19/1] السجدۃ الواجبۃ

تفسیر آیات

كَلَّا: وہ ہرگز آپ کو نماز سے نہیں روک سکے گا۔ آپ اس کی باتوں پر توجہ نہ دیں۔ اپنا سجدہ جاری رکھیں اور قرب الٰہی حاصل کریں۔ اور جملہ وَاقۡتَرِبۡ قربت حاصل کریں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ سے قربت حاصل کرنے کا سب سے بہتر ذریعہ سجدہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

اَقۡرَبُ مَا یَکُوۡنُ الۡعَبۡدُ اِلَی اللّٰہِ وَ ھُوَ سَاجِدٌ...[2] بندہ سجدے کی حالت میں اللہ سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔

یہ آیت ان چار آیتوں میں سے ایک ہے جن کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

---

[1] ۶۶ تحریم:۶ [2] الکافی ۳: ۳۴

سُورَةُ الْقَدْرِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام لفظ اَلْقَدْرِ سے ماخوذ ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی؟ اس میں اختلا ف ہے۔ اکثر نے مکی کہا ہے لیکن اس سورۃ مبارکہ کے شان نزول میں جو روایت ہے اس سے اس کا مدنی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کا مضمون نہایت اہمیت کا حامل، امت محمدی کے لیے ایک بہت بڑی نعمت اور احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ایک رات ایسی عنایت فرمائی جو ایک عمر (۸۳ سال) کے برابر بلکہ بہتر ہے۔

روایت ہے:

رأی رسول اللّٰہ ص فی نومه کأنّ قروداًتصعدمنبرَہُ،فغَمَّہُ، فأنزل اللّٰہ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۔ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۔ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ۔ تملکُہُ بنو أمیّة لیس فیھا لیلةُ قَدۡرٍ۔[1]	رسول اللہ نے (ص)خواب میں دیکھا کہ بندر آپ (ص) کے منبر پر اچھل کود کر رہے ہیں، آپؐ اس سے غمگین ہوئے تو اللہ نے یہ آیات نازل کیں: ''ہم نے اس (قرآن) کوشب قدر میں نازل کیا۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔'' بنو امیہ اس پر حکومت کریں گے جس میں شب قدر نہیں ہو گی۔

ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ قدر کی رات اس مدت کے ثواب سے بہتر ہے جو بنی امیہ کے مظالم اور بالادستی جیسی آزمائش اور امتحان میں صبر کرنے والے کو ملنا ہے۔

[1] تفسیر القمی ۲: ۴۳۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿۱﴾

۱۔ ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا۔

تفسیر آیات

ہم نے قرآن شب قدر میں نازل کیا۔ کیا قرآن دفعتاً نازل ہوا ہے یا تدریجاً۔ اگر دفعتاً نازل ہوا ہے تو کہاں کس پر نازل ہوا؟ اس کا شافی جواب نہایت تحقیق طلب ہے چونکہ ایک طرف مسلم ہے کہ قرآن کا نزول ۲۳ سالوں پر محیط ہے۔ دوسری طرف قرآن کی بعض آیات کے مطابق قرآن ماہ رمضان اور شب قدر میں نازل ہوا ہے۔

پہلے ہم قرآن کے تدریجی نزول پر دلالت کرنے والی آیات کا مطالعہ کرتے ہیں:

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚۛ کَذٰلِکَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا ﴿۱﴾

اور کفار کہتے ہیں: اس (شخص) پر قرآن یکبارگی نازل کیوں نہیں ہوا؟ (بات یہ ہے کہ) اس طرح (آہستہ اس لیے اتارا) تا کہ اس سے ہم آپ کے قلب کو تقویت دیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنایا ہے۔

دوسری آیت یہ ہے:

وَ قُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰہُ لِتَقۡرَاَہٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّ نَزَّلۡنٰہُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۲﴾

اور قرآن کو ہم نے جدا جدا رکھا ہے تا کہ آپ اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا ہے۔

قرآن کے دفعتاً نازل ہونے پر بظاہر دلالت کرنے والی آیات:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ﴿۳﴾ — ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا۔

شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ .. ﴿۴﴾ — رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ .... ﴿۵﴾ — ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے۔

اگر ہم ان آیات میں قرآن سے مراد پورا قرآن لیتے ہیں تو اس صورت میں یہ آیات قرآن کے دفعتاً نازل ہونے پر دلیل بن سکتی ہیں لیکن اگر ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ ایک آیت اور ایک سورہ پر بھی قرآن صادق آتا ہے تو اس صورت میں یہ آیات پورے قرآن کے دفعتاً نازل ہونے پر دلیل نہیں بن سکتیں۔ محققین کا موقف ہے:

۱؎ ۲۵ فرقان: ۳۲ ۲؎ ۱۷ بنی اسرائیل: ۱۰۶ ۳؎ ۹۷ قدر: ۱ ۴؎ ۲ بقرہ: ۱۸۵ ۵؎ ۴۴ دخان: ۳

ویطلق علی مجموع القرآن و علی ابعاضہ۔ — اور پورے پر اور بعض پر قرآن صادق آتا ہے۔

وَاِنۡ تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡهَا حِيۡنَ يُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَ لَـكُمۡ ....[1] — اور اگر ان کے بارے میں نزول قرآن کے وقت پوچھو گے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے بعض پر قرآن صادق آتا ہے۔

ان دو باتوں کو جمع کرنے کے لیے متعدد موقف اختیار کیے گئے ہیں:

i۔ قرآن شب قدر کو دفعتاً قلب رسولؐ پر نازل ہوا اور ۲۳ سالوں میں آپ ﷺ نے حسب وحی تدریجاً تبلیغ فرمایا۔

ii۔ قرآن دفعتاً آسمان اول یا بیت العزت یا بیت المعمور میں نازل ہوا پھر تدریجاً بذریعہ وحی قلب رسولؐ پر نازل ہوا۔ احادیث سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔

iii۔ شب قدر کو قرآن کا نزول شروع ہوا بعد میں تدریجاً اس کی تکمیل ہوئی۔

iv۔ قرآن دوبار نازل ہوا ہے: ایک بار خلاصے اور کلیات کی صورت میں دفعتاً ایک شب میں قلب رسولؐ پر نازل ہوا پھر تفصیلات کے ساتھ تدریجاً نازل ہوا ہے۔ اس موقف کو بعض محققین کی طرف سے پذیرائی ملی ہے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ ۝[2] — یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات مستحکم کی گئی ہیں پھر باحکمت باخبر ذات کی طرف سے تفصیل بیان کی گئی ہے۔

لیلۃ القدر تقدیر ساز رات

اس مبارک رات کو قدر کی رات اس لیے کہا ہے کہ اس شب میں لوگ سال بھر کے لیے اپنی تقدیر اور نصیب بہتر کر سکتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس نے پورے سال کی قسمت ایک رات میں بہتر کرنے کا موقع فراہم فرمایا ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ شب قدر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے ایک ہزار مہینوں (۸۳ سال) سے بہتر بنایا ہے۔ یہ نہیں فرمایا: ہزار مہینوں کے برابر ہے بلکہ فرمایا: بہتر ہے۔ کس قدر بہتر ہے؟ دوگنا، دس گنا اور .... اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہزار مہینوں سے کس قدر بہتر ہے۔

دوسری طرف یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ دعا تقدیر ساز ہوتی ہے۔ یعنی دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ یہ پورے سال کے دوران کسی بھی دن، کسی بھی وقت کی جانے والی دعا کے بارے میں ہے۔ اب اگر

[1] ۵ مائدہ: ۱۰۱   [2] ہود: ۱

ایک مومن صدق دل سے شب قدر کو دعا کرتا ہے تو ہزار مہینوں کی دعاؤں سے بہتر ہے۔ شب قدر کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے تو اس رات کی دعا اور عبادت سے تقدیر کا بدل جانا ناقابل فہم نہیں ہے۔

لہٰذا شب قدر کو سال بھر کی تقدیر بنتی ہے کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ بالجبر مسلط فرماتا ہے بلکہ اس رات میں بندے کے عمل کے مطابق فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے کہ فلاں بندہ کیا کچھ عمل کرنے والا ہے یا عمل کرنے والا نہیں ہے تاہم اللہ اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ نہیں فرماتا بلکہ بندے سے عمل صادر ہونے اور اس کی جانب سے اپنے میں اہلیت پیدا کرنے کے بعد اللہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

لہٰذا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ سے فیصلہ لینا بندے کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں رحمت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی اہلیت پیدا کرنا بندے کے ہاتھ میں ہے۔

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۝۲ **۲۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا شب قدر کیا ہے؟**

تفسیر آیات

۱۔ مَآ: استفہامیہ ہے جو اہمیت اور عظمت بتانے کے لیے تمہید کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ اَدۡرٰىكَ: یہ لفظ دَرَیٰ سے ہے باب افعال میں جا کر تین مفعولوں تک متعدی ہوتا ہے۔

ادرکنی زیدٌ لیلۃ القدر امرا عظیماً

۳۔ مَآ اَدۡرٰىكَ: آپ کو کس نے بتایا؟ عام طور پر یہ ترکیب ''آپ کیا جانے'' کے معنوں میں بطور ضرب المثل استعمال ہوتی ہے۔ کسی بھی ضرب المثل کی ترکیب میں تبدیلی نہیں لائی جاتی۔ یہی وجہ ہے وَمَآ اَدۡرٰىكَ میں ''کاف'' سے خطاب کسی معین مخاطب کے لیے نہیں ہوتا اور یہ ''کاف'' ہمیشہ مفرد استعمال ہوتا ہے، تثنیہ اور جمع نہیں ہوتا اور نہ تانیث ہوتا ہے۔

لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ؕ۝۳ **۳۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔**

تفسیر آیات

یہ نہیں فرمایا: شب قدر ہزار مہینوں کے برابر ہے بلکہ فرمایا: ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ کس قدر بہتر ہے؟ دوگنا، دس گنا، سو گنا.... یہ صرف اللہ جانتا ہے۔

ہزار مہینے تراسی (۸۳) سال کے برابر ہیں۔ تراسی (۸۳) سال ایک عمر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ مومن کو ہر سال ایک رات میں ایک عمر میسر آتی ہے۔ اگر

ایک مومن بلوغ کے بعد پچاس سال زندہ رہتا ہے اور ہر سال اس نے شب قدر کو حاصل کیا ہے تو اس کو چار ہزار ایک سو پچاس (83x50=4150) سال کی عبادت سے بہتر ثواب اور درجہ ملے گا۔ یہ کس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرم کی فراوانی ہے کہ صرف ایک رات میں اتنی وسیع رحمتوں کی ارزانی۔

شب قدر کی فضیلت کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے اس رات کو اپنے نیک بندوں کے لیے اپنی فیاضی کی رات بنایا ہے جس کے تحت ان بندوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہوتا ہے اور تقدیر ساز لحات ہمیشہ قیمتی ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً حدیث ہے:

فِکْرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ...[1] ایک گھڑی کی سوچ ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

چونکہ انسان اگر اپنی عاقبت کے بارے ایک گھڑی کے لیے بھی سوچتا ہے تو یہ سوچ اس کی قسمت بدلنے اور عاقبت سنوارنے کا سبب بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس شب کے تقدیر ساز ہونے کی بنیاد، انسانیت کی تقدیر ساز کتاب، قرآن مجید اسی رات نازل فرمائی ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ ۴

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۵

۴۔ فرشتے اور روح اس شب میں اپنے رب کے اذن سے تمام (تعیین شدہ) حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔

۵۔ یہ رات طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ: اس آیت میں شب قدر کو ہزار مہینوں سے بہتر قرار دینے کی وجہ کا بیان ہے کہ اس رات فرشتے اور روح زمین پر بسنے والوں کے لیے "ہر امر" لے کر نازل ہوتے ہیں۔ وہ امر کیا ہے جسے لے کر یہ فرشتے نازل ہوتے ہیں؟ اسے سورہ دخان میں بیان فرمایا ہے:

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ [2]

ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے، یقیناً ہم ہی تنبیہ کرنے والے ہیں۔ اس رات میں ہر حکیمانہ امر کی تفصیل وضع کی جاتی ہے۔ ایسا امر جو ہمارے ہاں سے صادر ہوتا ہے (کیونکہ) ہمیں رسول بھیجنا مقصود تھا۔ (رسول کا بھیجنا) آپ کے پروردگار کی طرف سے رحمت کے طور پر، وہ یقیناً خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔

[1] مستدرك الوسائل ۲: ۱۰۵ [2] ۴۴ دخان: ۳ تا ۶

کہ اس رات ہر حکیمانہ امر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یُفۡرَقُ کے معنی ہیں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ۝ [1] ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان فیصلہ فرما۔

اور قرآن کو فرقان کہتے ہیں۔ فیصلہ کرنے والی کتاب۔

لہٰذا یہ بات قرآن سے واضح ہو جاتی ہے کہ یہ فرشتے اور روح اللہ تعالیٰ کے حکیمانہ امور کے فیصلے یعنی سال بھر کے مقدرات کے فیصلے لے کر نازل ہوتے ہیں۔

۲۔ وَ الرُّوۡحُ: روح سے مراد بعض جبرائیل لیتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے الروح کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا جبرئیل ہیں؟ فرمایا:

جبرائیل من الملائکۃ و الروح اعظم من الملائکۃ۔ [2] جبرئیل فرشتوں میں شامل ہیں اور روح فرشتوں سے زیادہ عظیم ہے۔

روح کے جدا ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جدا مستقل وجود ہے اور تنظیم مقدرات میں اللہ تعالیٰ کے اہم کارندوں میں سے ہے۔ احادیث کے مطابق روح کی اہمیت ملائکہ سے زیادہ ہے۔

قرآن مجید میں فرشتوں کے ساتھ الرُّوۡحُ کا ذکر دو اور مقامات پر آیا ہے:

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ۝ [3] ملائکہ اور روح اس کی طرف اوپر چڑھتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ... [4] اس روز روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے۔

اس طرح قرآن مجید میں جہاں الرُّوۡحُ بغیر کسی اضافے کے مذکور ہے اس سے مراد ایک ایسی طاقت ہے جو فرشتوں سے بھی بالاتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادوں کے نفاذ میں ایک اہم کردار کی مالک ہے۔ واللّٰہ اعلم بمخلوقاتہ۔

۳۔ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ: اپنے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اذن سے مراد یہاں امر اور حکم ہی ہے۔ جیسے فرمایا:

قُلۡ مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ... [5] آپ کہہ دیجیے: جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہے (وہ یہ جان لے کہ) اس نے (تو) اس قرآن کو باذن خدا آپ کے قلب پر نازل کیا۔

آیت میں بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ سے مراد بامر اللّٰہ ہی ہو سکتا ہے۔

یہاں اذن سے مراد عدم المانع یا بعلمہ لینا سیاق آیت کے مطابق نہیں ہے۔

---

[1] ۵ مائدہ: ۲۵ [2] تفسیر البرہان [3] ۷۰ معارج: ۴ [4] ۷۸ نباء: ۳۸ [5] ۲ بقرہ: ۹۷

۴۔ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ: میں امر سے مراد وہ امر ہے جس کی جمع امور ہے۔ یعنی ہر بات، ہر معاملہ۔ وہ امر مراد نہیں ہے جس کی جمع اوامر آتی ہے اور مِنۡ اس صورت میں سبب بیان کرنے والے لام کے معنوں میں ہے یعنی لاجل کل امر۔ امر کی تشریح اسی آیت کے ذیل میں ہو چکی ہے۔

۵۔ سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ: یہ رات سلامتی کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے علاوہ نامطلوب چیز کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ انسان اللہ کی رحمتوں کے حصول میں کامیاب ہو رہا ہوگا۔ شیطان کو بندوں کو گمراہ کرنے کا موقع فراہم نہیں ہوگا چونکہ فرشتے اس رات میں خیر، سلامتی اور برکتیں لے کر نازل ہو رہے ہوں گے۔

شب قدر کا تعین

شب قدر کی انتہائی اہمت کے پیش نظر اس کا تعین نہیں فرمایا تا کہ اسے تلاش کرنے والے متعدد راتوں میں اسے تلاش کریں جس سے اس شب کو حاصل کرنے میں خلوص رکھنے والے اور اسے اہمیت دینے والے ہی تلاش کریں گے۔

احادیث امامیہ میں کثرت سے وارد ہے کہ شب قدر کو انیس، اکیس اور تیئس رمضان کی راتوں میں تلاش کریں۔ ان راتوں میں شب ۲۳ رمضان کی زیادہ تاکید ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

> ۱۹، رمضان کی شب تقدیر بنتی ہے۔ ۲۱ کی شب حتمی فیصلہ ہوتا ہے اور ۲۳ کی شب کو نافذ العمل ہوتا ہے۔[۱]

موطأ میں امام مالک نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

فمن اراد ان یقوم من الشهر شیئا فلیقم لیلة ثلاث و عشرین۔ اگر کوئی اس ماہ میں رات کو قیام کرنا چاہتا ہے تو ۲۳ویں رات کو قیام کرے۔

صحیح مسلم میں عبد اللہ بن انیس راوی ہیں:

میں نے ۲۳ ویں کی صبح رسول اللہؐ کی پیشانی پر پانی اور خاک (کے آثار) دیکھے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ابوسعید خدری سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

میں نے ۲۱ رمضان کی صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور ناک مبارک پر مٹی اور پانی کے اثرات دیکھے۔

صحیح مسلم اور بیہقی میں ہے عبد اللہ بن انیس سے شب قدر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

---

[۱] الکافی

التمسوها اللیلۃ و تلک اللیلۃ لیلۃ ثلاث و عشرین۔	شب قدر کو رات میں تلاش کرو وہ رات ۲۳ویں کی رات ہے۔

بعض احادیث میں ہے لیلۃ القدر رمضان کی آخری سات راتوں میں تلاش کرو۔ بعض دیگر احادیث میں ہے رمضان کے آخری عشرے کی تاک راتوں میں تلاش کرو۔ ان تمام احادیث میں ۲۱ اور ۲۳ کی راتیں شامل ہیں۔

ابو نضر جھنی نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی: میرا گھر مدینہ سے دور ہے۔ میرے لیے ایک رات کی نشاندہی فرمائیں جس میں، میں مدینہ آؤں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انزل لیلۃ ثلاث و عشرین	۲۳ویں کی رات کو مدینہ آجاؤ۔

ملاحظہ ہو سنن بیھقی، موطا، الدالمنثور اور من لایحضرہ الفقیہ ۲: ۱۶۰۔ چنانچہ ۲۳ویں کی رات لیلۃ الجھنی سے مشہور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ مصادر میں شب قدر تین راتوں ۱۹، ۲۱، ۲۳ میں تلاش کرنے کا حکم ہے اور احادیث بکثرت موجود ہیں کہ شب قدر ان تین راتوں میں منحصر ہے۔

مگر اہل سنت کے مصادر میں شب قدر کے بارے میں اس قدر اختلاف اور اقوال ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ البتہ ان کے علماء نے ۲۷ویں کی شب کو ترجیح دی ہے۔

شب قدر میں فرشتے کس پر نازل ہوتے ہیں؟

روایت ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام ابن عباس سے فرمایا:

اِنَّ لَیۡلَۃَ الۡقَدۡرِ فِیۡ کُلِّ سَنَۃٍ وَ اِنَّہٗ یَنۡزِلُ فِیۡ تِلۡکَ اللَّیۡلَۃِ اَمۡرُ السَّنَۃِ وَ لِذٰلِکَ الۡاَمۡرِ وُلَاۃٌ بَعۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ والہ وسلم، فَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ مَنۡ ھُمۡ؟ قَالَ: اَنَا وَ اَحَدَ عَشَرَ مِنۡ صُلۡبِیۡ اَئِمَّۃٌ مُحَدَّثُوۡنَ۔[1]	شب قدر ہر سال ہوتی ہے اور اس رات میں سال بھر کا امر نازل ہوتا ہے اور اس امر کے رسول اللہ ﷺ کے بعد چند ایک والی ہیں۔ ابن عباس نے کہا: وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ میں ہوں اور میرے گیارہ فرزند۔ یہ سب ائمہ ہیں اور مُحَدَّث ہیں۔

واضح رہے مُحَدَّث اس ہستی کو کہتے ہیں جس سے ملائکہ باتیں کرتے ہیں اور دکھائی نہیں دیتے۔ بعض شخصیات اہل سنت کے نزدیک ایسی ہیں جو محدث ہیں۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک ان کے بارہ ائمہ علیہم السلام اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا مُحَدَّث ہیں۔ یعنی ان سے فرشتے

---

[1] الکافی ۱: ۵۳۲

کلام کرتے تھے اور دکھائی نہیں دیتے تھے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

اِنَّهٗ لَيَنْزِلُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اِلَى وَلِيِّ الْاَمْرِ تَفْسِيرُ الْاُمُورِ سَنَةً سَنَةً....[1] — شب قدر میں ولی امر کی طرف سال بہ سال کے امور کی تشریح نازل ہوتی ہے۔

مروی ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال ہوا: کیا آپ کو شب قدر کا علم ہو سکتا ہے کہ کون سی رات ہے؟ آپ نے فرمایا:

کیف لانعرف و الملائکة یطوفون بنا بها۔[2] — اس رات کی پہچان کیسے نہیں ہو سکتی جب کہ اس شب فرشتے ہمارے گرد موجود رہتے ہیں۔

---

[1] الکافی ۱: ۲۴۸ [2] بحار الانوار ۹۴: ۱۴۔ تفسیر قمی ذیل آیت

سُورَةُ الْبَيِّنَة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی آیت میں مذکور لفظ اَلۡبَیِّنَۃُ سے یہ سورۃ موسوم ہے۔

اس سورۃ کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے لیکن مضمون میں اہل کتاب کا ذکر ہونے سے اس کا مدنی ہونا زیادہ قرین واقع ہے۔

اہل کتاب میں اختلاف کا ذکر ہے کہ یہ اختلاف ان کے پاس واضح دلیل آنے کے بعد رونما ہوا۔ اس دلیل کو ہر فرقے نے اپنے مفاد میں استعمال کیا جس کی وجہ سے دین میں اختلاف آیا ورنہ دین کے نقوش اس طرح واضح اور روشن تھے کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ﴿۱﴾	۱۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے وہ باز آنے والے نہ تھے جب تک ان کے پاس واضح دلیل نہ آئے۔

تفسیر آیات

اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں آراء بہت مضطرب ہیں۔ ہماری نظر میں دو تفسیریں قرین حقیقت ہیں:

۱۔ اہل کتاب اور مشرکین اپنے عقیدے سے جدا ہونے والے نہیں ہیں جب تک ان کے پاس ان کے مذہب کے باطل ہونے پر واضح دلیل نہ آئے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ واضح دلیل آنے پر ان میں سے جو حق کے طالب تھے وہ اپنا عقیدہ چھوڑ کر اسلام کی طرف آ گئے۔ پس آیت کی نگاہ ان لوگوں پر ہے جو واضح دلیل آنے پر ایمان لے آئے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں آتا کہ کچھ لوگ واضح دلیل آنے پر بھی ایمان نہیں لائے۔

۲۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہم مُنۡفَكِّيۡنَ کو متروکین کے معنوں میں لیں۔ یعنی اہل کتاب اور مشرکین کو اپنی حالت پر چھوڑا نہیں جائے گا جب تک ان پر حجت پوری نہ ہو جائے۔ حجت پوری ہونے پر وہ اگر ایمان نہیں لاتے تو پھر انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًۢا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰىهُمۡ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمۡ مَّا يَتَّقُوۡنَ ...۔[1]

اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا یہاں تک کہ ان پر یہ واضح کر دے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا ہے۔

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾

۲۔ (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک رسول جو انہیں پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔

تفسیر آیات

۱۔ وہ بینہ اور واضح دلیل اللہ کے رسول ہیں جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صورت میں ان کے پاس واضح دلیل لے کر آئے۔

۲۔ يَتۡلُوۡا صُحُفًا: جس پر کچھ لکھا ہوا ہو اسے صحیفہ کہتے ہیں۔ یہ رسول صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ صحف سے مراد اجزائے قرآن لیا گیا ہے کہ قرآن ایک صحیفہ نہیں بلکہ متعدد صحیفوں کا مجموعہ ہے۔

۳۔ مُّطَهَّرَةً: یہ صحیفے ہر قسم کے باطل کی آمیزش سے پاک ہیں۔

فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾

۳۔ ان صحیفوں میں محکم تحریریں درج ہیں۔

تفسیر آیات

ان صحیفوں میں محکم تحریریں ہیں۔ كُتُبٌ سے مراد تحریریں ہیں اور یہ احکام و عقائد پر مشتمل تحریریں ہیں جن میں کسی قسم کی خامی اور کمزوری نہیں ہے بلکہ قیم و استوار ہیں۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنَةُ ؕ﴿۴﴾

۴۔ اور جنہیں کتاب دی گئی تھی وہ واضح دلیل آنے کے بعد متفرق ہو گئے۔

تفسیر آیات

اہل کتاب یہود و انصاری اپنی آسمانی کتابوں توریت و انجیل کی تعلیمات اور پیشینگوئی کے مطابق

[1] ۹ توبہ: ۱۱۵

آنے والے رسول پر متفق تھے اور انتظار میں تھے لیکن جب یہ رسول واضح دلیل لے کر آ گئے تو یہ لوگ متفرق ہو گئے۔ کچھ ایمان لے آئے اور کچھ اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔

کچھ لوگوں کا ایمان لے آنا دلیل ہے کہ یہ رسول واضح دلیل لے کر آئے ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لائے وہ دلیل کے واضح نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ اگر دلیل واضح نہ ہوتی تو کوئی بھی ایمان نہ لاتا بلکہ ان کا ایمان نہ لانا طالب ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَ یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ؕ﴿۵﴾

۵۔ حالانکہ انہیں تو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہو کر دین کو اس کے لیے خالص رکھتے ہوئے صرف اللہ کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی مستحکم (تحریروں کا) دین ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ: جب کہ ان اہل کتاب کو ان کی کتابوں اور شریعت میں صرف اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا۔ مُخۡلِصِیۡنَ: شرک کی آمیزش کے بغیر خالص عبادت۔ حُنَفَآءَ یک سو ہو کر۔ یعنی صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

۲۔ وَ یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ: اقامہ نماز اور ادائے زکوٰۃ تمام ادیان میں موجود ہے اگرچہ طریقۂ عمل مختلف ہو۔

۳۔ وَ ذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ: یہی، یعنی صرف اللہ کی عبادت کرنا، شرک نہ کرنا، اقامۂ نماز و ادائے زکوٰۃ مستحکم دین ہے۔ الۡقَیِّمَۃِ کا موصوف محذوف ہے۔ بعض کہتے ہیں: ذلك دين الكتب القيمة۔ یہ مستحکم تحریروں کا دین ہے۔ بعض دیگر کہتے ہیں: الملة القيمة۔ ایک مستحکم ملت کا دین ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۶﴾

۶۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہو گئے وہ یقیناً جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ مخلوقات میں بدترین ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ توحید اور نبوت کے منکر ہیں وہ مشرکین کے ساتھ جہنم میں ہوں گے جو رسالت اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔

۲۔ اُولٰٓئِکَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ: یہ مخلوقات میں بدترین لوگ ہیں چونکہ جہنم میں وہی لوگ جائیں گے جو بدترین ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۷﴾

۷۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے یقیناً یہی لوگ مخلوقات میں بہترین ہیں۔

تفسیر آیات

ایمان اور عمل صالح سے انسان کو قیمت ملتی ہے اور جس کا ایمان جتنا پختہ ہوگا اور عمل صالح خلوص کے ساتھ بجا لائے گا وہ مخلوقات میں بہترین کے بھی اعلیٰ درجے پر فائز ہوگا۔

معتبر شیعہ سنی مصادر میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

هو انت و شيعتك تاتي انت و شيعتك يوم القيمة راضين مرضيين۔

بہترین مخلوقات آپ اور آپ کے شیعہ ہیں۔ روز قیامت آپ اور آپ کے شیعہ اللہ سے راضی ہوں گے اور اللہ آپ اور آپ کے شیعوں سے راضی ہوگا۔

یہ حدیث مختلف لفظوں میں درج ذیل اصحاب رسولؐ نے روایت کی ہے:

i۔ ابن عباس، الدر المنثور

ii۔ تمیم بن حذلم، شواهد التنزيل ۲: ۴۶۰

iii۔ ابو برزۃ اسلمی، شواهد التنزيل ۲: ۴۶۴

iv۔ جابر بن عبد اللہ الانصاری، بشارة المصطفى طبری، ص ۱۰۱، مسند احمد فضائل علیؑ

v۔ ابو سعید الخدری، تذكرة الخواص باب ثانی

vi۔ معاذ، حاشية شواهد التنزيل

vii۔ عامر بن واثلۃ عن علی علیہ السلام، حاشية شواهد التنزيل ۲: ۴۷۲

viii۔ ابن شراحیل الانصاری، کاتب علی علیہ السلام ۔ مناقب خوارزمی

السید علی بن طاؤس فرماتے ہیں:

اس حدیث کو محمد بن العباس نے ۲۶ طرق سے روایت کیا ہے نیز عصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رسول کے اس فرمان کی اس حد تک شہرت ہو گئی تھی کہ جب حضرت علی علیہ السلام تشریف لاتے تو لوگ کہتے تھے:

جاء خیر البریۃ۔ مخلوقات میں سب بہتر ہستی آ گئی۔

جَزَآؤُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ ۪﴿۸﴾ ع ۲۲

۸۔ ان کا صلہ ان کے رب کے پاس دائمی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جن میں وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ سب کچھ اپنے رب سے خوف رکھنے والے کے لیے ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ایسے ایمان اور عمل صالح بجا لانے والوں کے لیے عدن کی جنت ہے۔ جنت عدن، جنت میں اہم ترین جگہ کا نام ہے جس میں اللہ کے خاص بندے داخل ہو سکیں گے۔

۲۔ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا: جس میں ابد تک رہیں گے۔ جنت کی زندگی کی کوئی حد بندی نہیں ہے۔ ممکن ہے جنت کی زندگی زمانی نہ ہو۔ زمانہ نہ ہونے کی صورت میں وقت کا احساس نہ ہو گا۔

۳۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ: اہل جنت کے لیے سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے:

وَ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکۡبَرُ ...[۱] اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو ان سب سے بڑھ کر ہے،

اللہ کی خوشنودی کس قدر عظیم نعمت ہے۔ یہ وصف و بیان میں نہیں آ سکتا۔

وَ رَضُوۡا عَنۡهُ اور اہل جنت عدن بھی اللہ سے راضی ہوں گے۔ اللہ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں اور رحمتوں پر راضی ہوں گے۔

۴۔ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ: یہ مقام ان لوگوں کو ملے گا جو خوف خدا کی منزل پر فائز ہوں۔ جن کے

---

[۱] ۹ توبہ ۷۲

دلوں میں وہ خوف وخشیت ہو جو اللہ کی نافرمانی سے روکنے کی بڑی طاقت ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ۝ [1]

جو لوگ غائبانہ اپنے پروردگار کا خوف کرتے ہیں یقیناً ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

ربنا اجعلنا من الذين يخشون ربهم بالغيب۔

---

[1] ۶۷ ملک: ۱۲

سُورَةُ الزَّلزَلَةِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلی آیت میں مذکور لفظ زِلزالَ سے سورۃ کا نام مقرر ہوا۔

اس سورۃ المبارکہ کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے۔ اکثر اسے مدنی جانتے ہیں۔

اس سورۃ المبارکہ میں اس اہم ترین راز کی طرف اشارہ ہے کہ کس طرح انسان کے چھوٹے بڑے اعمال کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے، اس زمین کے ذریعے جسے انسان ناقابل اعتنا اور بے شعور سمجھ کر اپنے وہم و خیال کے مطابق خلوت خیال کر کے بے حیائی اور کثافت کاری کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ اس بات سے بے خبر ہے جس کی پشت پر بیٹھ کر ان جرائم کا ارتکاب کر رہا ہے وہی کل اس کا سارا راز فاش کر دے گی اور وہ سر عام رسوا ہو جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَہَا ۙ﴿۱﴾ — ۱۔ جب زمین اپنی لرزش سے ہلائی جائے گی،

تفسیر آیات

آیت کی تعبیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا اپنا ایک زلزلہ ہے۔ یہ زلزلہ زمین اپنی شکم میں رکھے گی۔ جب قیامت کا وقت آئے گا تو اس وقت اپنا ہمہ گیر اور فقید المثال ہولناک زلزلہ پیش کرے گی جو پورے کرۂ ارض کا احاطہ کرے گا:

اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿﴾[1] — کیونکہ قیامت کا زلزلہ بڑی (خوفناک) چیز ہے۔

---

[1] ۲۲ حج: ۱

اس زلزلے کے نتیجے میں زمین دگرگوں ہو جائے گی:

یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ ...۔[1]		یہ (انتقام) اس دن ہوگا جب یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی۔

وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۝۲		۲۔ اور زمین اپنا بوجھ نکال دے گی،

تفسیر آیات

اس زلزلے کے بعد زمین اپنا ثقل بوجھ نکال دے گی۔ اثقال اگر ثقل کی جمع ہے تو بوجھ کے معنوں میں ہے۔ یہ بوجھ کیا ہے؟ اموات ہیں جو زمین میں دفن ہیں؟ یا زیر زمین موجود قیمتی معادن ہیں یا زیر زمین موجود لاوا ہے کہ اس لاوے کے ابلنے سے ایک ہمہ گیر زلزلہ آئے گا؟

یہ احتمال بھی دیا جاتا ہے کہ انسان کے برے اعمال انرجی کی شکل میں زمین میں محفوظ رہتے ہیں جو زمین کے لیے ایک بوجھ ہیں۔ قیامت کے دن زمین اس بوجھ کو ظاہر کر دے گی۔ والعلم عند اللّٰہ

وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۝۳		۳۔ اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟

تفسیر آیات

اس زلزلے کی شدت اور ہولناک صورت حال کو دیکھ کر اس کا مشاہدہ کرنے والا انسان تعجب سے کہہ اٹھے گا: آخر اس زمین کو ہو کیا گیا ہے۔ انسان سے مراد مطلق انسان ہو سکتا ہے خواہ مومن ہو یا کافر۔ مومن اس ہولناک صورت حال کو دیکھ کر کہے گا: اس زمین کو کیا ہو گیا ہے۔ جب ہوش سنبھال لے گا تو کہہ اٹھے گا:

ہٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَ صَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۝[2]		یہ وہی بات ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔

یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۝۴		۴۔ اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی۔

تفسیر آیات

اس دن زمین اپنے پاس موجود خبروں کو بیان کرے گی۔ یعنی زمین اپنی پشت پر بجا لائے جانے

[1] ۱۴ ابراہیم: ۴۸		[2] ۳۶ یٰس: ۵۲

والے اعمال کی گواہی دے گی، یہ بات متعدد قرآنی شواہد سے واضح ہے کہ شعور و حیات کسی حد تک تمام چیزوں میں موجود ہے البتہ ہر چیز کا اپنے حساب سے شعور ہے۔ جیسے فرمایا:

وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَ لٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ ...[1]

اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثنا میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

ارشاد ہے:

قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ ...[2]

وہ کہیں گے اسی اللہ نے ہم کو گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ ○ [3]

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں تھا پھر آسمان اور زمین سے کہا: دونوں آ جاؤ خواہ خوشی سے یا کراہت سے، ان دونوں نے کہا: ہم بخوشی آ گئے۔

لہٰذا زمین میں اتنا شعور ہے کہ اس کی پشت پر کیا ہو رہا ہے اور سب کو اپنے میں ثبت کر رہی ہے۔

حدیث نبوی ہے:

اتدرون ما اخبارها؟ قالوا اللّٰہ و رسوله اعلم قال: اخبارها ان تشهد علی کل عبدو امة بما عمل علی ظهرها تقول عمل کذا و کذا یوم کذا و کذا... [4]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو زمین کی خبریں کیا ہیں؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: اس کی خبریں یہ ہیں کہ کسی بندے نے اس زمین کی پشت پر جو کام انجام دیا ہے اس کی وہ گواہی دے گی فلاں فلاں کام کیا فلاں فلاں دن میں۔

نیز ارشاد نبوی ہے:

حافظوا علی الوضوء و خیر اعمالکم الصلوة و تحفظوا من الارض فانها امکم و لیس فیها احد یعمل خیرا او شرا الا و هی مخبرة به۔ [5]

وضو کی پابندی کرو تمہارے اعمال میں بہتر عمل نماز ہے اور زمین سے ہوشیار رہو چونکہ یہ تمہاری جڑ ہے اس پر کوئی اچھا یا برا عمل انجام دیا وہ کل اس کی خبر دے گی۔

---

[1] ۱۷ بنی اسرائیل: ۴۴ [2] ۴۱ حٰمٓ السجدہ: ۲۱ [3] ۴۱ حٰمٓ سجدہ: ۱۱
[4] بحار ۷: ۹۷۔ مجمع البیان: ۲۸ [5] بحار ۷: ۹۷۔ مجمع البیان

راوی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: نوافل ایک جگہ پڑھوں یا متفرق جگہوں پر؟ آپ نے فرمایا:

لَا بَلْ هَاهُنَا وَ هَاهُنَا فَاِنَّهَا تَشْهَدُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[1] ادھر ادھر پڑھا کرو۔ زمین کل قیامت کے دن اس کی گواہی دے گی۔

بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَہَا ؕ﴿۵﴾ ۵۔ کیونکہ آپ کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

تفسیر آیات

سابقہ آیت سے جب یہ واضح ہو گیا کہ زمین اپنی پشت پر ہونے والے اعمال نیک و بد کو درک اور حفظ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا حکم (جسے آیت نے وحی کہا ہے) سمجھ لینا کوئی قابل تعجب نہیں ہے۔ البتہ اس وحی کی نوعیت نہ نبوتی ہو گی، نہ الہامی، نہ غریزی بلکہ اسے وحی تکوینی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کچھ اس طرح فرمائی ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ جائے۔

یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَہُمۡ ؕ﴿۶﴾ ۶۔ اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر نکل آئیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔

تفسیر آیات

۱۔ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا: قیامت کے دن لوگ مختلف اور متفرق ہو کر قبروں سے نکلیں گے۔ مومن، منافق، مشرک، کافر، ناصبی وغیرہ وغیرہ اپنے ہمنواؤں کے ساتھ محشور ہوں گے۔

وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍ فَوۡجًا ...[2] اور جس روز ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت کو جمع کریں گے۔

۲۔ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَہُمۡ: تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ ظاہر آیت سے یہ بات واضح ہے کہ خود اعمال دکھائے جائیں گے چونکہ ابھی حساب کا مرحلہ ہے۔ اس جگہ جزائے عمل کی ابھی نوبت نہیں آئی ہو گی۔ جزائے عمل تو حساب سے فارغ ہونے کے بعد دکھائی جائے گی بلکہ جزا دی جاتی ہے، دکھائی نہیں جاتی۔ اس سے تجسم اعمال کا نظریہ ثابت ہوتا ہے کہ خود عمل کو زمین اپنے اندر ضبط اور ثبت کرتی ہے اور قیامت کے دن دکھا دیا جاتا ہے۔ چونکہ عمل انرجی ہے جو وجود میں آنے کے بعد فنا پذیر نہیں ہے۔ چنانچہ اچھا

---

[1] وسائل الشیعہ ۵: ۱۸۶ [2] ۲۷ نمل: ۸۳

عمل انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتا مگر یہ کہ کسی وجہ سے اس کا عمل حبط ہو جائے اور برا عمل انسان کی جان نہیں چھوڑتا مگر اینکہ عفو مغفرت کی وجہ سے اس کا اثر اللہ زائل کر دے۔

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؇ ۷۔پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ؈ ۸۔اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

تفسیر آیات

جب انسان کے تمام اعمال محفوظ ہوں گے تو عمل کے چھوٹے بڑے ہونے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اس آیت سے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ گناہ کو چھوٹا تصور نہ کیا جائے اور نیکی کو غیر اہم شمار نہ کیا جائے۔ ایک عمل عام انسانی پیمانے میں بے وزن ہو گا مگر اللہ کے نزدیک اس کا بڑا وزن ہو سکتا ہے اور گناہ کرتے ہوئے یہ نہ دیکھو کہ گناہ چھوٹا ہے بلکہ یہ دیکھو کس کی نافرمانی ہو رہی ہے۔

روایت ہے صعصعہ بن ناجیہ، جو فرزدوق شاعر اہل بیت کی جد ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے انہیں کچھ نصیحتیں ارشاد فرمائیں۔ جب اس نے یہ آیت سنی فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ تو اس نے کہا میرے لیے تو بس یہی ایک آیت کافی ہے۔ چنانچہ اس آیت کو آیت جامعۃ بھی کہا جاتا ہے۔

اس آیت پر یہ سوال نہیں آتا کہ توبہ، مغفرت، شفاعت اور حبط اعمال کا کیا مطلب ہے؟ چونکہ جب کسی کا گناہ معاف ہو گیا ہو گا تو وہ عمل دکھایا جائے گا جس کی وجہ سے اس کا عمل معاف ہوا ہے۔ مثلاً توبہ کی ہے۔ توبہ ایک عمل ہے۔ یہ دکھایا جائے گا جس نے گناہوں کے اثرات ختم کیے ہیں۔

اگر کسی کا عمل حبط ہو گیا ہے تو وہ کسی برے عمل کی وجہ سے حبط ہوا ہو گا تو وہ برا عمل دکھایا جائے گا جس نے عمل کو حبط کیا ہے۔ مثلاً قرآن میں یہ حکم آیا:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝ [۱]

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات نہ کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

---

[۱] ۴۹ حجرات:۲

یہاں جس نے نبی کی آواز سے بلند آواز میں بات کی ہے اسے دکھایا جائے گا جس نے اس کی ساری نیکیاں برباد کر دیں۔

سُورَةُ العَادِيَاتِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ کا نام پہلی آیت میں مذکور الۡعٰدِیٰتِ سے ماخوذ ہے۔

اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ شان نزول میں وارد روایت کے مطابق یہ سورۃ مدنی ہے۔ شان نزول کے بارے میں روایت ہے کہ یہ سورۃ غزوۃ ذات السلاسل کے موقع پر نازل ہوئی۔ یہ غزوہ سنہ سات (۷) ہجری وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جنگ میں گھوڑوں کی مختلف کیفیتوں سے قسم کھانے سے بھی یہ عندیہ ملتا ہے کہ اسلامی جنگوں میں ایسے واقعات ہوتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے جنگیں مدنی زندگی میں ہوئی ہیں۔

سورۃ کی ابتدائی پانچ آیات میں جنگی ترانے کا آہنگ ہے۔ ملاحظہ ہو:

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو

ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں

پھر اپنی ٹھوکروں سے چنگاریاں اڑاتے ہیں

پھر صبح سویرے دھاوا بولتے ہیں

پھر اس سے غبار اڑاتے ہیں

پھر انبوہ لشکر میں گھس جاتے ہیں

ان گھوڑوں کی مختلف حالتوں کی قسم! یہ انسان اللہ کے رسولؐ کی آمد کو نعمت عظمی سمجھنے کی جگہ ان کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔ هكذا قيل في الربط بين القسم و جوابه۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
وَ الۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں،

فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾	۲۔ پھر (اپنی) ٹھوکروں سے چنگاریاں اڑاتے ہیں،
فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾	۳۔ پھر صبح سویرے دھاوا بولتے ہیں،
فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾	۴۔ پھر اس سے غبار اڑاتے ہیں،
فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾	۵۔ پھر انبوہ (لشکر) میں گھس جاتے ہیں،

تشریح کلمات

الۡعٰدِیٰتِ: (ع د و) اَلۡعَدۡوُ: دوڑنے کے معنوں میں ہے۔
ضَبۡحًا: (ض ب ح) دوڑنے والے گھوڑوں کے ہانپنے کے معنوں میں ہے۔
الموریات: (م و ر) تیز رفتاری کی وجہ سے غبار اڑانے کے معنوں میں ہے۔
قَدۡحًا: (ق د ح) چنگاری کے معنوں میں ہے۔
نَقۡعًا: (ن ق ع) غبار کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ مجمع البیان میں آیا ہے کہ یہ آیات غزوۃ ذات السلاسل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو روانہ فرمایا اور وہ فاتحانہ واپس آئے۔ بعض اہل تحقیق کا موقف یہ ہے کہ یہ آیات کسی واقعہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئیں، غزوۃ ذات السلاسل پر تطبیق ہوتی ہیں۔

وَالۡعٰدِیٰتِ: یہ جہاد میں ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کے بارے میں ہے یا حج میں دوڑنے والے اونٹوں کے بارے میں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ان آیات میں حج کے دوران سواری کے لیے استعمال ہونے والے اونٹ مراد ہیں۔

لیکن چونکہ سیاق آیات اونٹوں پر صادق نہیں آتا اس لیے محققین نے اس روایت کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ کہتے ہیں ہانپتے ہوئے دوڑنا، ٹھوکروں سے چنگاریاں اڑانا اور غبار اڑانا گھوڑوں کے دوڑنے سے وجود میں آتا ہے، اونٹوں سے نہیں۔ پھر جنگوں میں بیشتر گھوڑے استعمال ہوتے ہیں۔ اگرچہ جنگ بدر میں ایک یا دو گھوڑے تھے تاہم دیگر جنگوں میں گھوڑوں سے کام لیا جاتا تھا۔

قسم ہے ان گھوڑوں یا اونٹوں کی جو راہ خدا میں (حج ہو یا جہاد) ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔

۲۔ فَالۡمُوۡرِیٰتِ: پتھروں پر ٹھوکر لگنے سے چنگاریاں اڑاتے ہیں یا پتھریلی زمین پر اونٹوں کے

دوڑنے کی وجہ سے پتھروں کے آپس میں ٹکرانے سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔ اگرچہ اونٹوں کے دوڑنے سے چنگاریاں نکلنا بعید سا معلوم ہوتا ہے لہٰذا گھوڑے مراد لینا قرین واقع معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا: صبح سویرے دھاوا بولنے والے گھوڑوں کی قسم۔ العین میں آیا ہے: المغیرة خیل قد اغارت۔ المغیرہ ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جو چھاپہ مارتے، حملہ کرتے ہیں۔

۴۔ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا: بِہٖ اس عَدُو دوڑ کی وجہ سے غبار اڑاتے ہیں۔ الاثارۃ اٹھانے اور اڑانے کو کہتے ہیں۔ جہاد میں گھوڑوں کے دوڑنے سے غبار اٹھتے ہیں اور اونٹوں کا قافلہ چلنے سے بھی بعض جگہوں پر غبار اڑتے ہیں۔

۵۔ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا: بِہٖ کی ضمیر دوڑنے عَدُو کی طرف ہے۔ یعنی اس دوڑ سے یہ گھوڑے انبوہ میں گھس جاتے ہیں۔ وسطن درمیان میں پہنچ جاتے ہیں۔ یعنی یہ گھوڑے قلب لشکر میں یا اونٹوں کے انبوہ کے درمیان پہنچ جاتے ہیں۔ مؤلف قاموس قرآن لکھتے ہیں: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچ آیتیں جنگی ترانہ ہیں۔

گھوڑوں یا اونٹوں کی قسم کھانے سے ضمناً معلوم ہوا کہ مقدس جہاد یا مقدس عبادت میں استعمال ہونے والے اوزار اور وسائل کو بھی تقدس مل جاتا ہے، نہ ہر اونٹ اور ہر گھوڑے کو۔

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ ۶۔ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

تشریح کلمات

کنود: (ک ن د) اس بنجر زمین کو کہتے ہیں جہاں کچھ پیداوار نہ ہوتی ہو اور کنایہ کے طور پر ناسپاس گزار کو کنود کہا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

راہ خدا میں بھرپور جہاد یا عبادت میں کام آنے والے وسائل کی قسم سے اس بات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی نعمتوں کے شکرگزار ہیں، ان کے جہاد میں کام آنے والے حیوانات کی قسم! انسان، انسان ہو کر اللہ کی نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری کرتے ہیں۔ چنانچہ سورہ عبس آیت ۱۷ میں فرمایا:

قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ ؕ ہلاکت میں پڑ جائے یہ انسان، یہ کس قدر ناشکرا ہے۔

وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۚ﴿۷﴾ ۷۔ اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔

تفسیر آیات

اِنَّهٗ: کی ضمیر اگر انسان کی طرف جاتی ہے تو آیت کا مفہوم یہ بنے گا: یہ انسان خود اس بات پر گواہ ہے کہ وہ ناشکرا ہے۔ اس صورت میں یہ آیت آیہ بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ [1] کی طرح ہے اور اگر اِنَّهٗ کی ضمیر اللہ کی طرف جاتی ہے تو مطلب یہ بنے گا کہ اس انسان کے ناشکرا ہونے پر خود اللہ گواہ ہے۔

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ۸۔ اور وہ مال کی محبت میں سخت ہے۔

تفسیر آیات

الۡخَیۡرِ سے مراد مال ہے۔ قرآن میں دو مقامات پر مال کو صریحاً خیر کہا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۸۰ میں فرمایا: اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَا ۚۖ الۡوَصِیَّۃُ ... اگر مال چھوڑ جائے تو وصیت کرے۔

دوسرا مقام یہ آیت ہے جس میں فرمایا: یہ انسان مال کی محبت میں شدید ہے۔ یعنی یہ مال سے شدید محبت کرتا ہے۔ بعض شدید کا ترجمہ بخل سے کرتے ہیں اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ بنتا ہے کہ یہ انسان مال کی محبت کی وجہ سے بخیل ہے مگر پہلے معنوں میں لینا زیادہ قرین واقع ہے۔

انسان کے ناشکرا ہونے کی ایک وجہ انسان کی مال و دولت کے ساتھ شدید محبت ہے۔ چنانچہ مال کی محبت انسانی دماغ کے حساس ترین نقطے میں ہے۔ جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

یَنَامُ الرَّجُلُ عَلَی الثُّکۡلِ وَ لَا یَنَامُ عَلَی الۡحَرَبِ۔ [2] اولاد کے مرنے پر آدمی کو نیند آ جاتی ہے مگر مال کے چھن جانے پر اسے نیند نہیں آتی۔

یہی وجہ ہے راہ خدا میں انفاق مال کا ثواب عام حالات میں سات سو گنا ہے اور خاص حالات میں کم سے کم چودہ سو گنا ہے۔

الۡخَیۡرِ: مال کو خیر اس لیے فرمایا ہے کہ مال بنیادی طور پر انسان کے لیے لازمی چیز ہے۔ اس سے حفظ حیات، حفظ عزت اور حفظ آبرو ہوتی ہے۔ مال سے کبھی ناموس کو بھی تحفظ ملتا ہے، حتیٰ ملکی دفاع بھی مال پر موقوف ہے۔ راہ خدا میں خرچ کرنے سے مال ہی کی وجہ سے نیکی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ... [3] جب تک تم اپنی پسند کی چیزوں میں سے خرچ نہ کرو تب تک کبھی نیکی کو نہیں پہنچ سکتے۔

---

[1] ۷۵ قیامت: ۱۴ [2] نہج البلاغہ کلمات قصار ۳۰۷ [3] ۳ آل عمران: ۹۲

خلاصہ یہ ہے کہ مال اگر بہتر مقصد کے لیے ذریعہ ہے تو مال خیر محض ہے اور اگر مال خود مقصد بن جائے تو یہ شر محض ہے۔

مال کی مثال کشتی اور پانی کی ہے کہ پانی اگر کشتی کے نیچے رہے تو یہ پانی پار کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہی پانی اگر کشتی میں آ جائے تو مہلک ہے۔ اسی طرح اگر مال پر انسان کی حکومت ہے تو مال بہتر ہے اور اگر انسان پر مال کی حکومت ہے تو مال بدتر ہے۔

مال کے بارے میں ایک پیمانہ خود انسان میں موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کی ضرورت کا مال ملنے سے انسان کو سکون ملتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ دولت بننے سے سکون چھن جاتا ہے۔ لہٰذا جس مال سے سکون ملتا ہے خیر ہے اور جس سے سکون سلب ہو جاتا ہے وہ مال شر ہے۔

اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾

۹۔ کیا اسے (وہ وقت) معلوم نہیں جب اٹھائے جائیں گے وہ جو قبروں میں ہیں؟

وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ۙ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور جو کچھ دلوں میں ہے اسے ظاہر کر دیا جائے گا؟

اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾ ع

۱۱۔ ان کا پروردگار یقیناً اس روز ان کے حال سے خوب باخبر ہو گا۔

تفسیر آیات

۱۔ کیا انسان اس بات سے بے خبر ہے کہ اس کی ناشکری کے نتائج بُرے ہیں۔ ان بُرے نتائج سے وہ اس وقت دوچار ہو گا جب قبروں سے اسے اٹھایا جائے گا۔ یعنی قیامت کے دن حساب لینے کے موقع اسے اپنی ناشکری کے انجام کا پتہ چلے گا۔

۲۔ وَ حُصِّلَ: اور دلوں میں پوشیدہ گناہوں کو بھی آشکار کر دیا جائے گا:

یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ [1] اس روز تمام راز فاش ہو جائیں گے۔

اگر دل میں کفر و نفاق رکھا ہے یا پاک ہستیوں کے ساتھ عداوت رکھی ہے تو یہ سب اس دن فاش ہو جائے گا۔

۳۔ اِنَّ رَبَّہُمۡ: ان کا رب جو قیامت کے دن حساب لے گا، وہ ان کے تمام رازوں سے آشنا اور

---

[1] ۸۶ طارق: ۹

باخبر ہے۔ کوئی شخص اگر دل میں نفاق اور کفر رکھتا ہے تو اللہ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

اللّٰھم اجعل سریرتی خیراً من علانیتی۔ یا من یعلم سریرتی و یستر علانیتی اجعل عاقبة امری خیراً انك كنت بنا بصیراً

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلی آیت میں لفظ اَلۡقَارِعَۃُ مذکور ہونے کی مناسبت سے ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے اور آیات کی تعداد گیارہ ہے۔

دیگر مکی آیات کی طرح اس سورۃ میں بھی قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے۔ قرآن سب سے زیادہ حیات آخرت کے موضوع پر زور دیتا ہے کیونکہ حیات اخروی سے ہی اس کائنات اور اس حیات کو معقولیت ملتی ہے ورنہ کل کائنات ایک بے مقصد، عبث اور کھیل بن کر رہ جاتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
اَلۡقَارِعَۃُ ۙ﴿۱﴾	۱۔ وہ ہلا دینے والا حادثہ۔
مَا الۡقَارِعَۃُ ۚ﴿۲﴾	۲۔ وہ ہلا دینے والا حادثہ کیا ہے؟
وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡقَارِعَۃُ ؕ﴿۳﴾	۳۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا ہلا دینے والا حادثہ کیا ہے؟

تشریح کلمات

اَلۡقَارِعَۃُ: (ق ر ع) القرع کا معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر مارنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلۡقَارِعَۃُ: قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس دن کی اہمیت کی طرف بیشتر متوجہ کرنے کے لیے فرمایا: مَا الۡقَارِعَۃُ۔ قارعہ کیا ہے؟

۲۔ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ: اس لفظ کی تشریح سورہ حاقہ اور قدر میں ہوگئی۔ یعنی آپ کو کس نے بتایا قارعہ کیا ہے؟

يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۝۴ ۴۔ اس روز لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔

تشریح کلمات

الۡمَبۡثُوۡثِ: (ب ث ث) البث کے معنی کسی چیز کو متفرق اور پراگندہ کرنے ہیں۔

تفسیر آیات

میدان حشر میں لوگوں کی اضطرابی حالت یہ ہوگی کہ قبروں سے نکلنے کے بعد پروانوں کی طرح ہر سو پھیل جائیں گے۔ وہاں کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی، نہ کسی منزل کی طرف جانا ہوگا لہٰذا پروانوں کی طرح بے مقصد ہر طرف پھیل جائیں گے۔ بعض حضرات فراء کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ فراش سے مراد ٹڈیاں ہیں۔ جیسا کہ سورہ قمر آیت ۷ میں فرمایا:

يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ۝ وہ قبروں سے نکل پڑیں گے گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔

لیکن قرآن قیامت کا منظر مختلف تشبیہوں اور تعبیروں میں بیان کرتا ہے۔ سورہ مدثر آیت ۵۰ میں فرمایا:

كَاَنَّهُمۡ حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَةٌ ۝ گویا (قیامت کے دن) وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں۔

وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۝۵ ۵۔ اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔

تشریح کلمات

العھن: (ع ہ ن) العھن کا معنی رنگین اون ہے۔

الۡمَنۡفُوۡشِ: (ن ف ش) النفش کے معنی اون کے دھنکنے اور پھیلانے کے ہیں۔

تفسیر آیات

قیامت کا مطلب موجودہ نظام کائنات کا خاتمہ ہے۔ زمین پر زندگی کے لوازم کا اہم حصہ پہاڑوں سے فراہم ہوا ہے۔ جیسے کرہ ارض کا استقرار اور دریاؤں کے لیے پانی کی فراہمی لیکن یہ پہاڑ قیامت کے دن موجود نہ ہوں گے۔ بعض آیات میں فرمایا:

وَّ سُیِّرَتِ الۡجِبَالُ فَکَانَتۡ سَرَابًا ؕ[1] اور پہاڑ چلا دیے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے۔

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ﴿۶﴾ ۶۔ پس جس کا پلہ بھاری رہے گا،

فَہُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ؕ﴿۷﴾ ۷۔ سو وہ من پسند زندگی میں ہوگا۔

تفسیر آیات

۱۔ اعمال حسنہ کا عند اللہ وزن ہوتا ہے اور برے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف آیت ۸۔

موازین یا موزون کی جمع ہے، موزون وہ عمل ہے جس کا وزن ہوتا ہے یا میزان کی جمع ہے۔ ممکن ہے ہر شخص کے ہر عمل کے لیے میزان ہو۔ اس طرح ایک شخص کے لیے کئی میزان ہوں گے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوۃ میں سے ہر ایک کا میزان ہوگا۔

۲۔ جس کے عمل میں وزن ہوگا وہ ایسی زندگی میں ہوگا جو راضی ہے۔ انسان زندگی سے راضی ہوتا ہے، خود زندگی راضی ہونے والی چیز نہیں ہے۔ اس لیے رَّاضِیَۃٍ کو مرضیہ کے معنوں میں لیتے ہیں۔ یعنی زندگی راضی ہے سے مراد "زندگی سے راضی ہے" لیا جاتا ہے۔

وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ﴿۸﴾ ۸۔ اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا،

فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ ؕ﴿۹﴾ ۹۔ سو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا ہِیَہۡ ؕ﴿۱۰﴾ ۱۰۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا ہاویہ کیا ہے؟

ع ۱۱/۲۲ نَارٌ حَامِیَۃٌ ﴿٪۱۱﴾ ۱۱۔ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جس کے پاس قابل قدر اور وزن والا عمل نہ ہوگا اس کا پلہ ہلکا ہوگا۔ اس طرح کہ یا تو اس نے کوئی نیکی کی ہی نہیں یا اس نے اپنی نیکی برباد کی ہے یا کفر کی حالت میں نیکی کی ہے یا اس نے نیکی تو کی لیکن وہ ناقابل قبول رہی ہے۔ ان تمام حالات میں اس کے پاس وزن والا کوئی عمل نہ ہوگا۔

۲۔ فَاُمُّہٗ: ام اس کا ٹھکانا، جس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جیسے اولاد ماں کی طرف رجوع کرتی ہے۔ بعض نے کہا اُمُّہٗ سے مراد ام رأسه سر کے بل ہے۔ یعنی وہ سر کے بل جہنم میں گر جائے گا۔

[1] ۷۸ نباء: ۲۰

۳۔ ھَاوِیَۃٌ یعنی جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔جہنم کو ھَاوِیَۃٌ اس لیے کہا گیا کہ اس میں لوگ گر جائیں گے۔ بلندی سے سقوط کرنے کو ھوی کہتے ہیں۔

۴۔وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَاهِيَهۡ: ھَاوِیَۃٌ کیا چیز ہے؟ یہ جملہ اس لفظ کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لیے ہے کہ ھَاوِیَۃٌ قابل توجہ چیز ہے۔

۵۔ نَارٌ حَامِيَةٌ: ھَاوِیَۃٌ بھڑکتی ہوئی آتش کو کہتے ہیں۔نَارٌ آتش ہی نہیں بلکہ یہ آتش اپنی شدت کی وجہ سے بھڑکتی ہوگی۔

حضرت امام محمد باقر وحضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت ہے:

مَافِی الْمِیزَانِ شَیْءٌ اَثْقَلَ مِنَ الصَّلَاۃِ عَلَی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ ....[1]	میزان عمل میں محمد و آل محمد پر درود بھیجنے سے زیادہ وزنی عمل کوئی نہیں ہے۔

[1] الکافی ۲: ۴۹۴

سُوۡرَۃُ التَّکَاثُر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ المبارکہ کا نام پہلی آیت میں لفظ التَّکَاثُرُ مذکور ہونے کی مناسبت سے موسوم ہوا۔

یہ سورۃ اکثر کے نزدیک مکی ہے لیکن اس کے شان نزول کے بارے میں بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مدنی ہے۔

سورۃ المبارکہ کا مضمون ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہیں دنیا میں مال و زر کی کثرت طلبی نے اصل مقصد زندگی سے غافل کر دیا ہے۔

بخاری نے ابی بن کعب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم اس عبارت کو قرآن سمجھتے تھے:

ان لابن آدم وادیین من مال لتمنی وادیا ثالثا و لا یملأ جوف ابن آدم الا التراب۔

ابن آدم کے پاس دو وادیاں مال سے پر ہوں تو وہ تیسری وادی کی تمنا کرے گا۔ آدم کا پیٹ صرف مٹی سے بھرے گا۔

حالانکہ اسلوب کلام اور آہنگ سخن خود بتلا رہا ہے کہ یہ کلام خالق نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ﴿۱﴾	۱۔ ایک دوسرے پر فخر نے تمہیں غافل کر دیا ہے،
حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾	۲۔ یہاں تک کہ تم قبروں کے پاس جا پہنچے ہو۔

تفسیر آیات

روایت ہے دو قبیلے افراد و اموال کی کثرت پر ایک دوسرے کے ساتھ فخر و مباہات کرتے یہاں تک کہ اپنے افراد کی تعداد زیادہ دکھانے کے لیے اموات کی قبروں تک کو شمار کرتے تھے۔ کہتے ہیں یہ تفاخر

مکہ کے قریش کے دو قبیلوں میں ہوا تھا۔

۱۔ اَلۡهٰىكُمُ: تمہیں اپنے نفوس و افراد پر فخر و مباہات نے اصل مقصد حیات سے دور اور غافل کر دیا ہے۔ تم اپنی اموات سے عبرت لینے کی جگہ ان کی قبروں سے فخر کرتے ہو۔

دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے: تم ایک دوسرے کے ساتھ اپنی کثرت پر فخر کرتے ہو یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ جاؤ۔ یعنی مرتے دم تک فخر کرتے ہو لیکن پہلی تفسیر زیادہ قرین واقع نظر آتی ہے چونکہ زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ سے دفنتم فی المقابر مراد لینا سیاق سے دور ہے۔

كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ 　　 **۳۔ ہرگز نہیں! تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔**

ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ 　　 **۴۔ پھر ہرگز نہیں! تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا.**

تفسیر آیات

۱۔ كَلَّا: کثرت پر افتخار کرنا ہرگز درست نہیں۔ اس کے بعد انہیں آنے والے خطرات کا اشارہ دیا جا رہا ہے۔

۲۔ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ: جس بات پر توجہ دینی چاہیے تھی اس کا علم تمہیں عنقریب ہونے والا ہے۔ آیت میں یہ نہیں بتایا کس چیز کا علم ہونے والا ہے تاکہ سننے والا اچھی طرح متوجہ ہو جائے آگے کیا پیش آنے والا ہے۔

۳۔ ثُمَّ كَلَّا: یہ تکرار ایک موقف کے مطابق تاکید کے لیے ہے۔ دوسرا موقف یہ ہے کہ پہلا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ عذاب قبر کے بارے میں ہے اور دوسرا حشر کے بارے میں۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

ما زلنا نشك فی عذاب القبر حتی نزلت اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ الی قوله كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ یرید القبر ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ بعد البعث۔[1]	ہم عذاب قبر کے بارے میں شک کرتے تھے یہاں تک یہ سورۃ نازل ہوئی۔ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ سے مراد عذاب قبر ہے اور ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ سے مراد قیامت ہے۔

كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ﴿۵﴾ 　　 **۵۔ ہرگز نہیں! کاش تم یقینی علم رکھتے،**

---

[1] مجمع البیان

تفسیر آیات

یعنی اگر تمہیں عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ حاصل ہوتا تو تم اس بیہودہ عمل یعنی اپنی کثرت پر فخر و مباہات کرنے میں مشغول نہ ہوتے۔ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ اس علم کو کہتے ہیں جس میں شک کی حالت ختم ہونے کے بعد علم آتا ہے۔ اس علم کے بعد شک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اسی لیے اللہ کے ساتھ لفظ یقین استعمال نہیں ہوتا چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم کسی شک کے بعد آنے والا علم نہیں ہے۔

لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ۙ﴿۶﴾ ۶۔ تو تم ضرور جہنم کو دیکھ لیتے۔

تفسیر آیات

بعض مفسرین اس آیت کو مستقل جملہ شمار کرتے ہیں لیکن اس آیت کو جواب لو قرار دیا جائے تو ربط کلام بہتر رہ جاتا ہے۔ یہ اس طرح ہوگا: اگر تم عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ حاصل کر لیتے تو تم جہنم کا مشاہدہ کرتے۔ مشاہدۂ حسی نہیں، بصیرت اور وجدان میں جہنم کا وجود نظر آ جاتا۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ ۙ﴿۷﴾ ۷۔ پھر اسے یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیتے،

تفسیر آیات

پھر تم آخرت میں اپنی آنکھوں سے جہنم کا مشاہدہ کر کے عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ حاصل کر لو گے۔ قرآن کی ایک آیت کے مطابق مومن اور کافر دونوں نے جہنم کا عینی مشاہدہ کرنا ہے:

وَ اِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتۡمًا مَّقۡضِیًّا ﴿ۚ﴾ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا...[1]

اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو جہنم پر وارد نہ ہو، یہ حتمی فیصلہ آپ کے رب کے ذمے ہے۔ پھر اہل تقویٰ کو نجات دیں گے۔

یقین کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو شک نہیں ہے۔ کسی چیز کا وقوع ثابت ہو اور عدم وقوع کو ناممکن سمجھتا ہے تو اسے یقین کہتے ہیں۔

یقین کے مراتب ہیں:

i۔ علم الیقین: یہ درجہ دلیل کا مشاہدہ کرنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے جیسے دھواں دیکھنے سے آگ پر یقین ہے۔

---

[1] ۱۹ مریم: ۷۱۔۷۲

ii۔ عین الیقین: یہ اس وقت حاصل ہوتا جب انسان اس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جیسے آتش کو خود دیکھ لے۔

iii۔ حق الیقین: یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب خود آتش میں داخل ہو جائے اور اس کی حرارت کا احساس کرے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

وَ لَمْ یُقْسَمْ بَیْنَ النَّاسِ شَیْءٌ اَقَلُّ مِنَ الْیَقِینِ...[1]　　لوگوں میں یقین سے کمتر کوئی چیز تقسیم نہیں ہوئی۔

یعنی سب سے کمتر جو چیز لوگوں میں تقسیم ہوئی ہے، وہ یقین ہے۔

ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ﴿۸﴾　　۸۔ پھر اس روز تم سے نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

تفسیر آیات

قیامت کے دن نعمت کے بارے میں سوال ہوگا کہ تم نے اس نعمت کا حق ادا کیا ہے یا نہیں؟ اگر اس نعمت کو اطاعت الٰہی میں استعمال کیا ہے تو حق ادا ہو گیا اور اگر اس نعمت کو معصیت الٰہی میں استعمال کیا ہے تو اس کا حق ادا نہ ہوا۔ اس کا قیامت کے دن جواب دینا ہوگا۔

اہل سنت کے مصادر میں ہے کہ نعمت سے مراد کھجور، ٹھنڈا پانی وغیرہ، کھانے پینے کی اشیاء ہیں۔ شیعہ امامیہ اور اہل سنت کے دیگر مصادر میں ہے اس نعمت سے مراد محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی محبت ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے فرمایا ہے:

نحن النعیم۔[2]　　اس نعمت سے مراد ہم ہیں۔

---

[1] الکافی ۲: ۵۲

[2] شواھد التنزیل ۲: ۴۷۷۔ ما نزل من القرآن فی علی تالیف: الحافظ ابو نعیم۔ جیسا کہ کتاب خصائص الوحی المبین صفحہ ۹۵ میں ہے۔ حاشیہ شواھد التنزیل ۲: ۴۷۷۔

سُورَۃُ الۡعَصۡرِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالۡعَصۡرِ کا لفظ شروع میں مذکور ہونے کے لحاظ سے اس سورہ کا نام الۡعَصۡرِ مقرر ہوا۔

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے اور یہ قرآن کی مختصر ترین سورتوں (الکوثر۔ قل ھو اللّٰہ ۔ العصر) میں سے ایک ہے۔

یہ سورۃ مبارکہ نہایت مختصر ہونے کے ساتھ نہایت جامع انداز میں زندگی کی ناپائیداری، انسان کے مقصد حیات اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں ایک جامع ترین تعبیر پر مشتمل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
وَ الۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے زمانے کی۔
اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾	۲۔ انسان یقیناً خسارے میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ الۡعَصۡرِ: الۡعَصۡرِ سے مراد زمانہ ہے چونکہ زمانے اور آگے والے مضمون میں ربط ہے۔ وہ ہے انسان خسارے میں ہے۔ چنانچہ انسان زمانے کے ہاتھوں خسارہ اٹھا رہا ہوتا ہے۔

اس کی تشریح کچھ اس طرح ہے کہ انسان زمانی ہے اور زمانے کی زد میں ہے۔ زمانہ انسان سے ہر لمحے اس کی زندگی کا ایک حصہ ختم کر رہا ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

نَفَسُ الۡمَرۡءِ خُطَاہُ اِلَی اَجَلِہٖ۔[1] انسان کی ہر سانس ایک قدم ہے جو اسے موت کی طرف بڑھائے لیے جا رہا ہے۔

---

[1] نہج البلاغۃ حکمت: ۷۴

ہر سانس میں انسان اپنی زندگی کا ایک حصہ اپنے ہاتھ سے دے رہا ہوتا ہے۔

کائنات میں ہر انسان کے لیے سب سے اہم چیز خود اس کی زندگی ہے۔ اگر خدا، رسول اور امام اہم ہیں تو اس لیے کہ وہ اس کا خدا، رسول اور امام ہیں۔ یعنی ان میں اس کی اپنی خودی شامل ہے۔ یہ زندگی ہر آن اس کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے۔ جو اس دنیا میں اسے سب زیادہ عزیز ہے اسے ہاتھ سے دے رہا ہے اور زندگی دے کر اس کی کوئی تلافی نہیں ہو رہی۔

۲۔ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ: یہ انسان ہر آن خسارے میں ہے۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ٪﴿۳﴾ ع ۲۸

۳۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اور جو ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے ہیں اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

البتہ اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جن میں درج ذیل چار صفات موجود ہوں:

۱۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا: پہلی صفت ایمان ہے۔ مومن اپنی زندگی بغیر کسی تلافی کے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ اس تلافی کا پہلا قدم ایمان ہے۔

۲۔ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: دوسری صفت ایمان کے بعد عمل صالح ہے چونکہ ایمان ایک جامد فکر و عقیدے کا نام نہیں ہے۔ ایمان کے اثرات ہوتے ہیں اور وہ اعمال صالحہ ہیں۔ اس نام نہاد ایمان کی کوئی قیمت نہیں جس کا کردار پر کوئی اثر نہ ہو۔

مومن ایمان و عمل صالح کے ذریعے اپنی زندگی کی، جو اس کے ہاتھ جا رہی ہے، تلافی کرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ زندگی اس کائنات میں سب سے قیمتی چیز ہے، مومن کس چیز سے اس کی تلافی کرتا ہے جو زندگی کی قیمت کے برابر ہو۔ جواب یہ ہے کہ مومن دنیا کی زندگی دے کر آخرت کی زندگی لیتا ہے۔ زندگی سے کم کسی اور چیز سے اس خسارے کی تلافی نہیں ہوتی۔ یعنی زندگی کی قیمت میں زندگی حاصل کی جائے تو خسارہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ....[1]

جو نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی ضرور عطا کریں گے

لہٰذا مومن نہ صرف خسارے میں نہیں ہے بلکہ وہ فائدے میں ہے۔ اس دنیا کی پر آشوب زندگی کو دے کر

---

[1] ۱۶ نحل: ۹۷

آخرت کی پاکیزہ زندگی حاصل کرتا ہے۔

۳۔ وَتَوَاصَوۡابِالۡحَقِّ: ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرنا عمل صالح میں شامل ہے۔ اس کے باوجود حق کی تلقین کی اہمیت کے پیش نظر اس کا خصوصی ذکر فرمایا۔ حق باطل کے مقابلے میں آتا ہے۔ حق وجود اور ثبوت کو کہتے ہیں اور باطل عدم اور نابودی کو کہتے ہیں۔ حق کی دعوت ایک ایسی عمومیت کی حامل ہے جس میں تمام حقائق شامل ہو جاتے ہیں۔ خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا احکام سے یا اخلاقیات سے۔

۴۔ وَتَوَاصَوۡابِالصَّبۡرِ: ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا اعمال صالحہ میں شامل ہے پھر بھی اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے۔ چونکہ حق کا حصول اور حق کی تلقین ایسی چیز نہیں ہے جو آسانی سے ہاتھ آ جائے۔ یہ نہایت صبر آزما ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

اَلۡحَقُّ اَوۡسَعُ الۡاَشۡیَاءِ فِی التَّوَاصُفِ وَ اَضۡیَقُهَا فِی التَّنَاصُفِ...[۱]	حق مقام بیان میں سب سے زیادہ وسیع تر ہے مگر مقام عمل میں سب سے زیادہ تنگ تر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے

رَاسُ طَاعَةِ اللّٰهِ الصَّبۡرُ...۔[۲]	اللہ کی اطاعت کی بنیاد صبر ہے۔

دوسری حدیث ہے:

اِذَا ذَهَبَ الصَّبۡرُ ذَهَبَ الۡاِیۡمَانُ۔[۳]	جب صبر چلا جاتا ہے تو ایمان چلا جاتا ہے۔
الصبر علی طاعة اللّٰه اهون من الصبر علی العقوبته۔[۴]	اللہ کی اطاعت پر صبر کرنا اللہ کے عذاب پر صبر کرنے سے زیادہ آسان ہے۔
اَلصَّبۡرُ عَنِ الشَّهۡوَةِ عِفَّةٌ وَ عَنِ الۡغَضَبِ نَجۡدَةٌ وَ عَنِ الۡمَعۡصِیَةِ وَرَعٌ۔[۵]	خواہشات پر صبر کرنا پاکدامنی ہے۔ غصے کے موقع پر صبر کرنا بہادری ہے۔ گناہ ترک کرنے پر صبر کرنا پرہیزگاری ہے۔

---

۱ شرح نہج البلاغة ۱۱: ۸۸ ۲ الکافی ۲: ۶۰
۳ الکافی ۲: ۸۷ ۴ غرر الحکم۔ حکمت: ۶۳۰۶ ۵ مستدرك الوسائل ۱۱: ۲۶۳

سُورَةُ الهُمَزَة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ کا نام لفظ هُمَزَةٍ سے ماخوذ ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے
یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے۔ آیات کی تعداد نو ہے۔
اس سورۃ مبارکہ میں مال دوستی کے بدترین اثرات کا ذکر ہے کہ مال سے انسان کے ضمیر اور وجدان پر خواہشات کے پردے پڑ جاتے، پیمانے بدل جاتے ہیں اور انسان اس وہم و خیال میں چلا جاتا ہے کہ اس کا مال اسے حیات ابدی دے گا اور آخرت کا تصور اس کے ذہن کے کنارے تک نہیں آتا ہے۔
ایسے لوگوں کے لیے فرمایا: ہرگز نہیں! مال تمہیں موت سمیت کسی عذاب سے نہیں بچائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — بنام خدائے رحمن رحیم

وَیۡلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ۙ﴿۱﴾ — ۱۔ ہر طعنہ دینے والے عیب گو کے لیے ہلاکت ہے۔

الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ — ۲۔ جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے۔

تشریح کلمات

هُمَزَةٍ: (ھ م ز) طعنہ دینے والا۔

لُمَزَةٍ: (ل م ز) عیب گوئی کرنے والا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَیۡلٌ: ہلاکت میں ہے وہ شخص جو احترام آدمیت کی قدروں کو پامال کرتا ہے۔ انسان کی عزت و کرامت پامال اور اس کا وقار مجروح کرنا اسلامی تعلیمات میں گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ نے انسان کو عزت و تکریم سے نوازا ہے۔ کسی شخص کو یہ اجازت نہیں کہ وہ دوسروں کی عزت و وقار سے کھیلے۔

دوسروں کو طعنہ دینا اور عیب گوئی کرنا کسی کے وقار کو مجروح کرنا عند اللہ بڑا جرم ہے۔

۲۔ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا: اس جرم کا ارتکاب وہ لوگ کرتے ہیں جو مالی اعتبار سے خوشحال ہیں۔ وہ لوگ جو مادی قدروں کو انسانی قدروں پر مقدم سمجھتے ہیں، جن کے پاس مال ہے اسے عزیز اور جن کے پاس مال نہیں ہے اسے حقیر سمجھتے اور طعنہ دیتے ہیں اور اس کی عیب جوئی اور عیب گوئی کرتے ہیں جو خود اس طعنہ زن اور عیب گو شخص کا بڑا عیب ہے۔

یہ طعنہ گو شخص مال جمع کرنے اور اسے شمار کر کے لذت حاصل کرنے میں محو ہوتا ہے۔

یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۚ﴿۳﴾

۳۔ جو سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ کی زندگی دے گا۔

تفسیر آیات

اس کا یہ گمان کس قدر اشتباہ ہے کہ مال و دولت اسے ہمیشہ کی زندگی دیتا ہے۔ یعنی عملاً اسے ایسے نظر آتا ہے جیسے اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ نہ موت نے آنا ہے، نہ فنا ہونا ہے۔ اسے اس بات کا ہوش تک نہیں ہے کہ مرض، حادثہ اور موت آنے کی صورت میں اس کا یہ مال کسی کام نہ آئے گا۔

کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ ۫﴿۴﴾
وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ ؕ﴿۵﴾
نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ ۙ﴿۶﴾
الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ ؕ﴿۷﴾

۴۔ ہرگز نہیں! وہ چکنا چور کر دینے والی آگ میں ضرور پھینک دیا جائے گا۔
۵۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا وہ چکنا چور کر دینے والی آگ کیا ہے؟
۶۔ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے،
۷۔ جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔

تفسیر آیات

۱۔ کَلَّا: ہرگز نہیں کہ اس کا مال اسے ابدی زندگی دے گا بلکہ یہ مر جائے گا پھر ایک ایسی آتش میں پھینک دیا جائے گا جو اسے چکنا چور کر دے گی۔

۲۔ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ: اس آتش کی ہولناک صورت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے یہ مقولہ استعمال کیا گیا ہے۔

۳۔ نَارُ اللّٰهِ: یہ الۡحُطَمَةُ اللہ تعالیٰ بھڑکائی ہوئی آتش ہے۔ اس کے بھڑکانے کی نسبت براہ راست اللہ کی طرف دینے سے اس آتش کی ہولناک صورت سامنے آتی ہے۔

۴۔ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ: اس آتش کی حرارت انسان کے جسم کی کھالوں تک پر محدود نہیں رہے گی بلکہ یہ حرارت انسان کے وجود کی گہرائی تک چلی جائے گی۔ یعنی دل تک کو جلا ڈالے گی۔

اِنَّهَا عَلَیۡهِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ ۸ ۸۔ بلاشبہ وہ ان پر محیط ہو گی،

فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ۹ ۹۔ لمبے لمبے ستونوں میں۔

تشریح کلمات

مُّؤۡصَدَۃٌ: (و ص د) اس احاطہ کو کہتے ہیں جو پہاڑوں میں مویشیوں کے لیے بنایا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

اس آتش نے ان کافروں کو اپنے احاطے میں لیا ہوا ہے۔ ہر طرف سے بند ہے کسی جگہ سے نکلنے کا راستہ نہیں ہے چونکہ آتش کے لمبے لمبے ستونوں نے انہیں گھیر رکھا ہو گا۔ ستونوں سے مراد ممکن ہے وہی قناتیں ہوں جن کا ذکر سورہ کہف آیت ۲۹ میں آیا ہے:

اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمۡ سُرَادِقُهَا ... ہم نے ظالموں کے لیے یقیناً ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیرے میں لے رہی ہوں گی۔

اور ستون ان قناتوں کے ستون ہوں جیسا کہ بعض کا قول ہے۔

سُورَةُ الفِيلِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ المبارکہ کا نام الۡفِیۡلِ ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔

یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے اور آیات پانچ ہیں۔

اہل مکہ کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ مکہ پر ابرھہ کی فوج ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کرنے کے ارادے سے آئی تھی جسے ایک عجیب معجزے سے اللہ تعالیٰ نے ناکام بنا دیا۔ اس سورۃ المبارکہ کے ذریعے مکہ والوں کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ وہی رب تمہارے ارادے بھی ناکام بنا دے گا اور تمہیں بھی نابود کرے گا۔ اصحاب فیل کے واقعہ کی تفصیل اس سورۃ کی آیات کے ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ①	۱۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟

تفسیر آیات

یمن کے یہودی حکمران ذونواس نے نجران کے مسیحیوں پر جو ظلم کیا تھا اس کا بدلہ لینے کے لیے حبش کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کر دیا اور پورے یمن میں اپنی حکومت قائم کر لی۔

یمن پر حبشی حملے کی کمانڈ کرنے والے دو افراد ارياط اور ابرھہ آپس میں لڑ پڑے۔ ارياط مارا گیا۔ ابرھہ نے نظام سنبھال لیا۔ بادشاہ کو اس پر راضی کر لیا گیا کہ وہ ابرھہ کو یمن میں اپنا نائب بنا دے۔ یہ شخص ایک عرصے بعد یمن کا بادشاہ بن گیا۔

ابرھہ نے عرب دنیا میں عیسائیت پھیلانے کے لیے یمن کے دارالحکومت صنعا میں ایک فقید المثال

کلیسا بنایا۔ اس نے ارادہ کیا کہ عرب لوگ کعبہ کا جو حج کرتے ہیں اس کا رخ اس کلیسا کی طرف موڑ دیا جائے۔ اس نے یمن میں اپنے اس ارادے کا اعلان کر دیا۔ بعض روایات کی بنا پر اس اعلان سے مشتعل ہو کر بعض قریشی جوانوں نے اس کلیسا کی بے حرمتی کی تو ابرھہ نے قسم کھائی کہ کعبہ کو منہدم کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

چنانچہ ابرھہ ۵۷۰ عیسوی میں ساٹھ ہزار فوج اور ۱۳ ہاتھی لے کر کعبہ منہدم کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مکہ کے قریب پہنچ کر ابرھہ نے اہل مکہ کو پیغام بھیجا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں۔ میرا مقصد صرف اس گھر (کعبہ) کو نابود کرنا ہے۔ ابرھہ نے اپنے ایلچی کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ اگر اہل مکہ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔

اس وقت مکہ کے سب سے بڑے سردار حضرت عبدالمطلب تھے۔ ایلچی نے ابرھہ کا پیغام حضرت عبد المطلب کو پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا: ہم ابرھہ کے ساتھ لڑ نہیں سکتے۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ اللہ خود اپنے گھر کو بچائے گا۔ ایلچی نے کہا: آپ میرے ساتھ ابرھہ کے پاس چلیں۔ عبد المطلب اس کے ساتھ ابرھہ کے پاس چلے گئے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت عبد المطلب خود ابرھہ کے پاس گئے اور اس سے کہا: آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اگر آپ کو کسی چیز کی خواہش تھی تو ہمیں پیغام بھیجتے، ہم خود اس چیز کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس نے کہا: میں نے سنا ہے یہاں ایک گھر ہے۔ اسے امن کا گھر کہا جاتا ہے۔ میں اس کا امن ختم کرنے آیا ہوں۔ حضرت عبد المطلب نے کہا: یہ اللہ کا گھر ہے۔ آج تک اللہ نے اس گھر پر کسی کو ہاتھ اٹھانے نہیں دیا ہے۔ ابرھہ نے کہا: ہم اس گھر کو تباہ کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ حضرت عبد المطلب نے کہا: آپ جو کچھ ہم سے لینا چاہیں لے لیں مگر ابرھہ نے انکار کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

حضرت عبد المطلب نے قریش کے چند سرداروں کی معیت کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر دعا کی اور اہل مکہ سے کہا: سب پہاڑوں کی طرف چلے جائیں ابرھہ قتل عام نہ کرے۔

دوسرے روز ابرھہ نے مکہ میں داخل ہونے کے لیے روانہ ہونا چاہا مگر اس کا ہاتھی جس کا نام محمود تھا رک گیا۔ ہر چند اسے مارا اور زخمی بھی کر دیا مگر وہ مکہ کی طرف قدم نہیں بڑھاتا تھا۔ اسے دوسری طرف چلا دیتے تو دوڑ پڑتا تھا مگر کعبہ کی جانب ایک قدم بھی نہیں بڑھاتا تھا۔ اسی اثنا میں پرندوں کی بڑی تعداد اپنے چونچ اور پنجوں میں سنگریزے لیے ابرھہ کے لشکر کے اوپر پہنچ گئی اور اس لشکر پر ان سنگریزوں کی بارش کر دی جس سے لشکر والوں کے جسم گلنا شروع ہو گئے۔ گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ خود ابرھہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اور وہ بھی راستے اور بعض روایت کے مطابق واپس یمن پہنچ کر مر گیا۔

یہ واقعہ مزدلفہ اور منی کے درمیان وادی مُحسّرُ میں پیش آیا۔ جس سال یہ واقعہ پیش آیا یہ

عام الفیل کے نام سے مشہور ہوا اور اسی سال حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفی ﷺ کی ولادت ہوئی۔

اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ﴿۲﴾ ۲۔ کیا اس نے ان کی چال کو بے مقصد نہیں بنا دیا؟

تفسیر آیات

تَضۡلِیۡلٍ: گمراہ کر دینے کے معنوں میں ہے یعنی ابرھہ کی سازش کو اللہ نے اپنے مقصد تک نہیں پہنچنے دیا۔ اس کے مقصد کا راستہ گم کر دیا گیا۔

وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ﴿۳﴾ ۳۔ اور ان پر دستے پرندے بھیج دیے۔

تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۪ۙ﴿۴﴾ ۴۔ جو ان پر سخت مٹی کے پتھر برسا رہے تھے۔

تشریح کلمات

اَبَابِیۡلَ: (ا ب ل) عربی زبان میں اَبَابِیۡلَ کے معنی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں۔

سِجِّیۡلٍ: (س ج ل) کہتے ہیں یہ فارسی سنگ گِل سے معرب ہے۔ یعنی مٹی کے گارے سے پک کر سخت پتھر ہو گئے۔

تفسیر آیات

روایت میں آیا ہے کہ ان پرندوں کی چونچوں میں ایک ایک سنگریزہ اور پنجوں میں دو دو سنگریزے تھے جو ابرھہ کے لشکر پر برساتے تھے۔

ع فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ٪﴿۵﴾ ۵۔ سو اس نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔

تشریح کلمات

العصف: (ع ص ف) کھیت کے پتے جس کے دانے کھائے گئے ہوں یا دانے کا چھلکا جس کا مغز کھایا گیا ہو۔

تفسیر آیات

اس پتھر کے لگنے سے ابرھہ کے لشکر والے اندر سے کھوکھلے ہو کر گر جاتے تھے۔ العصف کا دوسرا معنی زیادہ قرین واقع معلوم ہوتا ہے۔ مَّأْكُولٍ قرینہ ہے العصف (بھوسے) سے مراد دانے کا چھلکا ہے جس کا مغز کھایا گیا ہو۔ روایات کے مطابق یہ سنگریزے سب کو نہیں لگے۔ بچنے والے یمن کی طرف بھاگنا چاہتے تھے مگر راستہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہر طرف دوڑتے اور مرجاتے تھے۔

یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ پرندوں کو آندھی یہاں لے آئی اور ان کے منہ میں اپنے گھونسلہ بنانے کے لیے کھردرے پتھر تھے جو گر گئے۔ اتفاقاً ابرھہ کے لشکر کے سروں پر پڑے۔ یہ ایک خیالی توجیہ ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس قسم کا واقعہ پوری تاریخ میں تکرار ہونا چاہیے تھا جب کہ ایسا کوئی واقعہ ہوا نہیں ہوا ہے۔ پھر یہ پتھر صرف ابرھہ کے لشکر پر کیوں گرے، مکہ کے رہنے والوں میں سے کسی پر کیوں نہیں گرے؟

دوسرا سوال یہ پیدا کرتے ہیں کہ جب یزید اور قرامطہ نے کعبہ پر حملہ کیا تو اس وقت ابابیل کیوں نہیں آئے؟ جواب یہ ہے کہ ان مذکورہ حملوں کا مقصد وہ نہ تھا جو ابرھہ کا تھا۔ ابرھہ کا مقصد کعبہ کو تباہ کرنا تھا جب کہ دوسری طاقتوں کا اصل مقصد کعبہ کی تباہی نہ تھی۔ ان کا مقصد اقتدار تھا۔

سُورَةُ قُرَيْشٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس سورۃ کا نام قُرَیْشٍ اس لفظ کا پہلی آیت میں ذکر آنے کے وجہ سے مقرر ہوا۔

یہ سورۃ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ آیات کی تعداد چار ہے۔

مکہ ایک بے آب و گیاہ خشک وادی میں آباد ہے۔ یہاں کے لوگوں کی معیشت کا دار ومدار یمن اور شام سے تجارت پر قائم تھا۔ گرمیوں میں یہ لوگ شام کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف بغرض تجارت سفر کرتے تھے۔

قریش والوں کو ایک تو کعبہ کی وجہ سے دوسرا ابرھہ کے حملے کی ناکامی کی وجہ سے تجارت کے لیے آنے جانے کے مختلف راستوں میں امن بلکہ تعاون حاصل تھا۔ اس آیت میں ان دو باتوں کی طرف اشارہ ہے کہ جس رب نے تمہیں تجارت کے ذریعے بھوک کے عذاب سے بچایا اور ابرھہ کو نابود کر کے امن دیا اس کی بندگی کرو۔ اس سے سورۃ الفیل اور سورۃ القریش میں ربط کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ﴿۱﴾	۱۔ قریش کو مانوس رکھنے کی خاطر،
اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ﴿۲﴾	۲۔ انہیں (ان کے ذریعہ معاش) جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس رکھنے کی خاطر،
فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾	۳۔ چاہیے تھا کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں،

تشریح کلمات

قُرَیْشٍ: ابن عباس سے پوچھا گیا کہ قریش کو قریش کیوں کہتے ہیں؟ کہا: قریش سمندر کے ایک بہت بڑے جانور کا نام ہے۔ اس کے سامنے جو آئے وہ اسے ہڑپ کر لیتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لِاِیۡلٰفِ: ایلاف، الفت سے ہے۔ قریش کے لوگوں نے تجارت کی خاطر اپنے گرد و پیش کے قبائل اور حکومتوں سے راہ و رسم اور روابط قائم کیے تھے اس لیے انہیں اصحاب الایلاف کہا جانے لگا اور یہ الفت قائم کرنے والوں کے معنوں میں ہے۔

اس کا تاریخی منظر کچھ اس طرح ہے کہ عبد مناف قریش کے سردار تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے: ھاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل۔ ان میں ہاشم نے بین الاقوامی تجارت میں حصہ لینے کا عزم کیا۔ اس تجارت میں جو بلاد قریش اور شام و مصر کے درمیان ہوتی تھی۔ قریش والوں کو یہ سہولت بھی حاصل تھی کہ دوسرے عرب قبائل کی بہ نسبت بیت اللہ کے خدام ہونے کی وجہ سے راستے کے تمام قبائل قریش کا بہت احترام کرتے تھے۔ ان تمام قبائل سے مانوس ہونے کی وجہ سے پورے راستے میں امن حاصل تھا اور وہ ان سے کوئی ٹیکس بھی وصول نہیں کرتے جب کہ دوسرے قبائل سے وصول کرتے تھے۔ حضرت ہاشم نے اپنے دیگر بھائیوں کو بھی اس تجارت میں شامل کیا۔

اس تجارت کی وجہ سے مکہ جزیرۃ العرب کا ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا اور قریش مال و دولت میں بھی سب سے آگے نکل گئے۔

۲۔ لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ: لِاِیۡلٰفِ میں لام کے بارے میں دو رائے ہیں: ایک یہ کہ یہ لام تعجب ہے کہ قریش کا حال قابل تعجب ہے کہ اللہ کے فضل سے وہ تجارت جیسے فائدہ مند پیشے سے وابستہ ہو گئے جس کی وجہ سے ان میں خوش حالی آگئی مگر وہ اس گھر کے رب کی بندگی نہیں کرتے جس نے یہ سب نعمتیں ان کے لیے فراہم کی ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ لام تعلیل ہے۔ یعنی علت اور وجہ بتانے والا لام۔ اس صورت میں یا تو سابقہ سورہ فیل کے ساتھ سلسلۂ کلام کو جوڑا جائے: ہم نے اصحاب فیل کو تباہ کیا تاکہ قریش، مکہ سے مانوس رہیں اور جاڑے اور گرمیوں کا سفر الفت و مانوسیت سے کریں۔

یا اس کا تعلق فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ سے ہے۔ یعنی کعبے سے مانوس رہنے اور جاڑے اور گرمیوں میں پر امن تجارتی سفر کرنے کی خاطر قریش کو چاہیے تھا کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے رب کی عبادت کرتے۔ یعنی ان کا امن کے ساتھ تجارتی پیشے سے وابستہ ہونا اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ اس ایک نعمت کی بنا پر انہیں رب کعبہ کی عبادت کرنی چاہیے تھی۔

الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ ۴۔ جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف

عِ وَّاٰمَنَھُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ﴿۴﴾ سے انہیں امن دیا۔

تفسیر آیات

مکہ میں آنے سے پہلے قریش بھوک سے مر جاتے تھے یہاں آنے کے بعد ان کے لیے مال و دولت کے دروازے کھل گئے۔

خوف کا یہ عالم تھا کہ ہر بستی اور ہر آبادی کو ہمیشہ یہ خطرہ رہتا تھا کہ کوئی غارت گر جماعت ان پر رات کو حملہ نہ کر دے، نہ کوئی شخص پرامن اپنے قبیلے سے جدا ہو سکتا، نہ اکیلا سفر کر سکتا تھا چونکہ دوسرے قبائل والے اسے قتل کر دیتے یا پکڑ کر غلام بنا لیتے۔

سُورَةُ الْمَاعُون

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ کی آخری آیت میں مذکور لفظ اَلْمَاعُوْنَ سے ماخوذ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے مدنی ہونے پر خود مضمون سورۃ میں دو گواہ موجود ہیں۔

۱۔ نماز میں ریاکاری۔ یہ مدینہ کے منافقین سے سرزد ہوتی تھی ۔

۲۔ ماعون یعنی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرنا بھی مدنی اسلامی معاشرے میں قابل سرزنش ہے۔ مکی زندگی میں اس قسم کی نوبت نہیں آتی تھی کہ ہمسایوں سے ضرورت کی اشیاء مانگی جاتیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بنام خدائے رحمٰن رحیم

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ؕ﴿۱﴾ ۱۔ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے؟

تفسیر آیات

۱۔ کیا آپ نے دیکھا کا مطلب یہ ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں۔ اس جگہ رویئت سے مراد بصری رویئت بھی ہوسکتی ہے لیکن غالباً رویئت قلبی اور علمی مراد ہے۔ خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے ہے تاہم ہر سننے والے کو سمجھانا مقصود ہے۔

۲۔ الدین سے مراد یہاں جزا و سزا ہے۔ یعنی معاد کا منکر مراد ہے جو معاد اور سزا و جزا پر مشتمل ایک عدالت کا قائل نہیں ہے۔ اگلی آیت میں اس کے کردار کا ذکر ہے۔

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲　　۲۔ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے،

تشریح کلمات

يَدُعُّ: (د ع ع) زور سے دھکا دینے کو کہتے ہیں:

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝[1]　　اس دن وہ شدت سے جہنم کی آگ کی طرف دھکیلے جائیں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَذٰلِكَ: معاد کا منکر وہ ہے جو یتیم کو دھتکار دیتا ہے۔ وہ سوال کا ہاتھ پھیلاتا ہے تو رحم کرنے کی جگہ وہ دھتکار دیتا ہے یا یتیم اگر اپنا حق مانگتا ہے تو بے رحمی سے رد کر دیتا ہے یا یتیم کو اپنی جائداد سے بے دخل کر دیتا اور خود قابض ہو جاتا ہے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳　　۳۔ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

تفسیر آیات

معاد کا منکر مساکین سے ہمدردی نہیں رکھتا۔ چنانچہ وہ مسکینوں کو کھانے کی چیزیں فراہم کرنے میں نہ خود دلچسپی لیتا ہے، نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔

آیت میں طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فرمایا، اطعام المسکین نہیں فرمایا۔ اطعام سے طعام کا مفہوم وسیع تر ہے۔ اطعام کھلانا، ایک وقت کا کھانا کھلایا، اطعام ہو گیا جب کہ طعام کی ترغیب کا مطلب یہ ہے کہ کھانے کی چیزیں فراہم کرنا۔ خواہ اپنے ہاتھ سے کھلائے یا نہ کھلائے۔

دوسرا نکتہ بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ کہنے سے یہ عندہ ملتا ہے کہ طعام مسکینوں کا حق ہے۔ جیسے فرمایا:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝...[2]　　اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کے لیے حق ہوتا تھا۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴　　۴۔ پس ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے۔

---

[1] ۵۲ طور: ۱۳　　[2] ۵۱ ذاریات: ۱۹

الَّذِیۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۙ﴿۵﴾	۵۔ جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔
الَّذِیۡنَ هُمۡ یُرَآءُوۡنَ ۙ﴿۶﴾	۶۔ جو ریاکاری کرتے ہیں۔
وَ یَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ﴿۷﴾	۷۔ اور (ضرورت مندوں کو) معمولی چیزیں بھی دینے سے گریز کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَوَیۡلٌ: نہایت قابل توجہ ہے یہ بات کہ اس آیت میں کچھ نمازیوں کو بھی منکرین معاد کی صف میں رکھا ہے۔

۲۔ یہ وہ نمازی ہیں جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ یعنی نماز کو اہمیت نہیں دیتے۔ نماز سے غافل ہونے کا مطلب کبھی یہ ہوتا ہے کہ کچھ نمازیں رہ جائیں تو پرواہ نہیں کرتے یا نماز بلاعذر اول وقت میں نہیں پڑھتے، تاخیر سے پڑھتے ہیں یا نماز کے اجزاء و شرائط پوری نہیں کرتے۔ مثلاً رکوع اور سجود میں اذکار مکمل کیے بغیر سر اٹھاتے ہیں۔

ان لوگوں کو منکرین معاد میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ یہ لوگ بھی عملاً معاد پر ایمان نہیں رکھتے اگرچہ زبان سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔

۳۔ الَّذِیۡنَ هُمۡ یُرَآءُوۡنَ: جو لوگ نماز میں ریاکاری کرتے ہیں، لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ نماز اللہ کے لیے نہیں ہے۔ اگر معاد اور روز جزا پر ایمان ہوتا تو یہ اللہ کے لیے نماز پڑھتے۔

۴۔ وَ یَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ: ماعون کی تفسیر میں گھر میں استعمال ہونے والے برتنوں کا ذکر آتا ہے جو دوسروں کو مثلاً ہمسایوں کو ضرورت کے وقت، کچھ وقت کے لیے برتن نہیں دیتے۔ روایات میں برتنوں کے علاوہ ہر ضرورت کی چیز کا ذکر ہے۔ جیسے قرض ہے۔ ضرورت کے موقع پر مدد کرنا وغیرہ۔ بعض روایات میں اس سے زکوۃ اور صدقہ مراد لیا گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

لَیۡسَ عَمَلٌ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنَ الصَّلَاۃِ فَلَا یَشۡغَلَنَّکُمۡ عَنۡ اَوۡقَاتِھَا شَیۡءٌ مِنۡ اُمُورِ الدُّنۡیَا فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ ذَمَّ اَقۡوَاماً فقال: الَّذِیۡنَ هُمۡ عَنۡ	اللہ عز و جل کے نزدیک نماز سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں ہے۔ لہٰذا نماز اپنے اوقات میں پڑھنے میں دنیا کا کوئی کام تمہارے لیے رکاوٹ نہ بنے۔ چونکہ اللہ عز و جل نے کچھ لوگوں کی مذمت

صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ يَعْنِى أَنَّهُمْ غَافِلُوْنَ اسْتَهَانُوا بِأَوْقَاتِهَا....[1]

کی ہے اور فرمایا ہے: وہ لوگ ہلاکت میں ہیں جو نماز سے غافل رہتے ہیں۔ یعنی وہ غافل رہتے ہیں، نماز وقت پر پڑھنے کو اہمیت نہیں دیتے۔

[1] الخصال ۲: ۶۲۰، الوسائل ۴: ۱۱۳

سُورَةُ الكَوثَر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ المبارکہ کا نام اَلۡکَوۡثَرَ (خیر کثیر) کا لفظ پہلی آیت میں مذکور ہونے کی مناسبت سے مقرر ہوا۔

یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے اور شان نزول بھی اس پر شاہد ہے۔ اس کی آیات تین ہیں۔ یہ قرآن کی مختصر ترین اور ساتھ جامع ترین سورہ ہے۔

اس سورۃ المبارکہ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک اہم ترین خوشخبری ہے اور ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تکمیل اور تا قیامت باقی رہنے کی ضمانت کا اعلان ہے۔ وہ ہے الکوثر (خیر کثیر) کی عنایت۔ یہ خیر کثیر جناب سیدۃ نسآء العالمین سلام اللہ علیہا کی ذات گرامی پر منطبق ہے اور آج دین مبین اسلام کی بقا جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد کی قربانیوں کی وجہ سے ہے اور جو کچھ اس وقت دامن اسلام میں موجود ہے وہ اولاد زہراء سلام اللہ علیہا کے مرہون منت ہے۔ شاء الناس او ابوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — بنام خدائے رحمن رحیم

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ — ۱۔ بے شک ہم نے ہی آپ کو کوثر عطا فرمایا۔

سبب نزول

اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں کہ یہ سورۃ ان لوگوں کی رد میں نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتر، لاولد کہتے تھے۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرینہ اولاد میں سے حضرت قاسم علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ اس پر کفار قریش نے خوشیاں منانا شروع کر دیں۔

جب حضورؐ کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو ابولہب دوڑتا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور ان کو یہ خبر خوشی کے ساتھ سنائی:

بتر محمد الليلة۔　　آج رات محمد لا ولد ہو گئے۔

ابن عباس کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے دوسرے فرزند حضرت عبد اللہ کی وفات پر ابو جھل نے بھی ایسی باتیں کی تھیں۔ اسی طرح عقبہ بن ابی معیط نے بھی اسی قسم کی خوشیاں منانے کا مظاہرہ کیا تھا۔ عاص بن وائل نے ایسے موقع پر کہا تھا:

ان محمد ابتر لا ولد له يقوم مقامه بعده فاذامات انقطع ذكره استرحتم عنه۔　　محمد ابتر ہیں۔ ان کا کوئی بیٹا نہیں جو ان کی جگہ پر کرے۔ جب وہ فوت ہو جائیں گے تو ان کا نام مٹ جائے گا اور تمہیں اس سے چھٹکارا ملے گا۔

اس موضوع پر روایات اس کثرت سے ہیں کہ کوئی منصف اس بات میں شک نہیں کرے گا کہ یہ سورہ رسول اللہ ﷺ کو ابتر یعنی لا ولد کہنے والوں کی رد میں نازل ہوئی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر فخررازی۔ تفسیر قرطبی۔ تفسیر روح المعانی و دیگر اہم تفاسیر۔

البتہ بعض جن لوگوں کے لیے اہل بیت علیہم السلام کی کوئی بھی فضیلت قابل ہضم نہیں ہے وہ اس روایت کو بتر عن قومه محمد اپنی قوم سے کٹ گیا ہے کے معنوں میں لینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں جو ان کثیر روایات کے مقابلے میں قابل اعتنا نہیں ہے اور سیاق آیت بھی اس رائے کی نفی کرتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ کوثر: فوعل کے وزن پر ہے جو کسی چیز کی انتہائی کثرت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں جو چیز تعداد یا مقدار میں کثیر ہو اسے کوثر کہتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ ناقل ہے کہ کسی نے ایک بوڑھی عورت سے، جس کا بیٹا سفر سے واپس آیا تھا، پوچھا: آپ کا بیٹا کیا لے کر آیا ہے؟ اس عورت کہا: آب بکوثر۔[1] بہت سارا مال لے کر آیا ہے۔

۲۔ خیر کثیر: کوثر کے لغوی معنی جب انتہائی کثرت کے ہیں تو ذہنوں میں سوال آتا ہے، کس چیز کی انتہائی کثرت؟ اس کا جواب ابن عباس دیتے ہیں کہ کثیر سے مراد خیر کثیر ہے۔ اس روایت کو بخاری، ابن جریر اور حاکم نیشاپوری نے ابوبشر سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ ابو بشیر نے سعید بن جبیر سے کہا: لوگ کہتے ہیں کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے؟ کہا جنت کی نہر خیر کثیر میں شامل ہے۔ یہی جواب ابن عباس سے بھی منقول ہے۔

---

[1] تفسیر قرطبی ۲۱: ۲۱۶

صاحب تفسیر روح المعانی خیر کثیر بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوتا ہے جن صحیح روایات میں کوثر کی تفسیر نہر سے کی گئی ہے وہ من باب التمثیل ہے۔ یعنی مثال کے طور پر نہر کا ذکر آیا ہے۔ جب صحیح روایات سے ثابت ہے کہ کوثر کی تفسیر خیر کثیر ہے بلکہ یہ تفسیر تواتر کی حد تک ہے تو دوسری تفسیر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ لہٰذا دیگر تمام اقوال من باب المثال ہیں۔

خیر کثیر کا مصداق

جب یہ سورہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتر لاولد کہنے والوں کی رد میں نازل ہوئی ہے اور کوثر کا مطلب خیر کثیر ہے تو اس خیر کثیر کے مصداق کا تعین اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالۡاَبۡتَرُ ”آپ کا دشمن بے اولاد رہے گا“ سے ہوتا ہے۔ تیرا دشمن لاولد ہے ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔ یعنی آپ کو اولاد کثیر عطا کی ہے یا خیر کثیر عطا کیا ہے جس کا مصداق اولاد کثیر ہے۔ اگر کوثر سے مراد اولاد کثیر نہیں ہے تو اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالۡاَبۡتَرُ کا کوئی مفہوم نہیں رہتا جیسا کہ صاحب تفسیر المیزان نے کہا ہے۔ اس جگہ مولف تفہیم القرآن نے لکھا ہے:

> ...اس پر مزید آپ پر ایک کے بعد ایک بیٹے کی وفات سے غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ اس موقع پر عزیزوں، رشتہ داروں، قبیلے اور برادری کے لوگوں اور ہمسایوں کی طرف سے ہمدردی و تعزیت کے بجائے وہ خوشیاں منائی جا رہی تھیں اور وہ باتیں بتائی جا رہی تھی جو ایسے ایک شریف انسان کے لیے دل توڑ دینے والی تھیں۔ جس نے اپنے تو اپنے غیروں تک سے انتہائی نیک سلوک کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مختصر ترین سورہ کے ایک فقرے میں وہ خوش خبری دی جس سے بڑی خوش خبری کسی انسان کو نہیں دی گئی اور ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی سنا دیا کہ آپ کی مخالفت کرنے والوں ہی کی جڑ کٹ جائے گی۔

فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: تیسرا قول یہ ہے:

> اَلۡکَوۡثَرَ سے مراد آپؐ کی اولاد ہے۔ کہتے ہیں یہ سورہ چونکہ ان لوگوں کی رد میں نازل ہوا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرینہ اولاد نہ ہونے پر طعنہ دیتے تھے۔ پس اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی نسل عنایت فرمائے گا جو ہمیشہ باقی رہے۔ دیکھئے! اہل بیت کے کتنے افراد مارے گئے پھر دنیا ان سے پر ہے اور بنی امیہ کا کوئی قابل ذکر باقی نہیں رہا۔ پھر یہ بھی دیکھ لو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں کتنی بڑی ہستیاں عالم ہیں جیسے الباقر،

الصادق، الکاظم اور الرضا علیہم السلام[۱] و النفس الزکیۃ ۔[۲]
صاحب تفہیم القرآن فضائل اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں ہمیشہ تحفظات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس جگہ چند الفاظ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر کے بعد ضمنی طور پر لکھتے ہیں:

اس میں یہ نعمت بھی شامل ہے کہ اولاد نرینہ سے محروم ہونے کی بنا پر دشمن تو یہ سمجھتے تھے کہ آپؐ کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے گا لیکن اللہ نے صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کی صورت میں آپ کو وہ روحانی اولاد عطا فرمائی جو قیامت تک تمام روئے زمین پر آپ کا نام روشن کرنے والی ہے، بلکہ آپ کی صرف ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمہ سے آپ کو وہ جسمانی اولاد بھی عطا کی جو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور جس کا سارا سرمایہ افتخار ہی حضورؐ کا انتساب ہے۔

تفسیر محاسن التاویل ۹:۵۵۵ میں لکھا ہے:

جو کچھ ہم نے اس سورہ کے شان نزول میں لکھا ہے۔ اسی لیے امام اللغة ابن جنی اس بات کے قائل ہو گئے کہ کوثر کی تاویل ذریت کثیرہ ہے اور یہ بات نہایت خوبصورت بات ہے اور سبب نزول سورہ کے ساتھ مناسبت بھی رکھتی ہے۔ ابن جنی نے شرح دیوان المتنبی میں ....لکھا ہے: ابو الفضل نے جو کچھ مجھے لکھایا ہے اس میں یہ بات بھی تھی: قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن یہ کہتے تھے محمد ابتر ہو گئے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ جب یہ فوت ہو جائیں گے تو ہمیں اس سے چھٹکارا مل جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا: اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ اور کثیر تعداد سے مراد ذریت ہے اور وہ اولاد فاطمہ ہے۔

عروضی کہتے ہیں:

اگر کوئی یہ کہے اولاد بیٹوں اور باپ ماں کی ہوتی ہے تو میں کہوں گا: یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ.... الی قولہ وَیَحۡیٰی وَعِیۡسٰی ....۔[۳] اس آیت میں عیسیٰ کو ابراہیم علیہا السلام کی اولاد قرار دیا ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں ہیں۔

۱۔ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ: اس آیت میں لفظ اِنَّاۤ عظمت پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب

---

۱ لفظ علیہم السلام فخر رازی کی عبارت میں نفس زکیہ کے ذکر سے پہلے موجود ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ فخر رازی حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے ائمہ کو علیہم السلام کے لائق سمجھتے ہیں۔
۲ تفسیر کبیر ۳۲:۳۱۳　　۳ ۶ انعام۔۸۴۔۸۵

اپنے مقام کبریائی کے مطابق کوئی اہمیت کا حامل کام انجام دیتا ہے تو اپنی کبریائی کے مقام سے بات کرتا ہے اور اِنَّاۤ کی تعبیر اختیار فرماتا ہے جیسے:

اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ۝[۱] — ہم نے ہر چیز کو ایک انداز کے مطابق پیدا کیا ہے۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ...[۲] — ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ ...[۳] — (اے رسول) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ کی طرف نازل کی ہے۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا ...[۴] — ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے۔

لہٰذا اس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسی عظیم القدر نعمت عطا فرما رہا ہے جو اس کی شان کبریائی کے شایان شان ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا میں صرف گیارہ ائمہ ان میں ایک ہستی مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ دنیا کی تمام قابل تصور نعمتوں سے بڑی نعمت ہیں۔

۲۔ اَعۡطَیۡنٰكَ: لفظ عطا اس موقع پر استعمال ہوتا ہے جہاں عطا شدہ چیز کو مالک بنانا ہو۔ ممکن ہے اس جگہ یہ بتانا مقصود ہو یہ کوثر ایک ایسا عطیہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ۝۲ — ۲۔ لہٰذا آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَصَلِّ: جب ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے تو آپ اس عظیم عنایت کے شکر نعمت کے طور پر نماز پڑھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جب کوئی نعمت یا کوئی عظیم کامیابی عنایت فرماتا ہے تو ادائے شکر کا بھی حکم دیتا ہے۔ جیسے:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۝ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ ...[۵] — جب اللہ کی نصرت اور فتح آ جائے اور آپ لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیں۔ تو اپنے رب کی ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کریں۔

لہٰذا فَصَلِّ لِرَبِّكَ سے بھی ظاہر ہے، جو عطا ہوا ہے وہ فتح اسلام کے درجے کی نعمت ہے۔

۳۔ وَانۡحَرۡ: سے مراد ائمہ اہل البیت علیہم السلام سے وارد روایات کے مطابق، نماز میں نحر (حلق) تک

---

[۱] ۵۴ قمر: ۴۹ [۲] ۳۵ فاطر: ۲۴ [۳] ۴ نساء: ۱۰۵ [۴] ۳۳ احزاب: ۴۵ [۵] ۱۱۰ نصر ۱ تا ۳

رفع یدین کرنا ہے۔ حدیث نبوی ہے:

اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ زِیْنَۃً وَ اِنَّ زِیْنَۃَ الصَّلَاۃِ رَفْعُ الْاَیْدِی عِنْدَ کُلِّ تَکْبِیرَۃٍ۔[1] ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین ہے۔

مجمع البیان میں ہے: تمام عترت طاہرہ نے اس کے معنی رفع یدین سے کیے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فَصَلِّ سے مراد نمازعید ہے۔ وَانۡحَرۡ سے مراد قربانی ہے۔

ع ۲۲ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾ ۳۔ یقیناً آپ کا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

تفسیر آیات

اس تعبیر (آپ کا دشمن ہی ابتر ہے) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صرف آپ کا دشمن ابتر ہے۔ چنانچہ چشم جہان نے دیکھ لیا مکہ کی ابتدائی زندگی میں نازل ہونے والے اس سورہ مبارکہ کی کوثر اور ابتر کی پیشگوئی سو فیصد واقع ہے کہ اب دنیا اولاد کوثر سے پر ہے اور اس ابتر کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ اگر اس کا نام ہے تو رہتی دنیا تک رہنے والے کلام الٰہی میں ابتر کے نام سے ایک ذلت و لعنت کے ساتھ ہے۔

یہ قرآن کریم کے معجزات میں سے ایک اہم معجزہ ہے کہ مکہ کے نامساعد ترین اور مشکل حالات میں دی گئی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ والحمد للّٰہ علی ذلک۔

[1] وسائل الشیعۃ ۶: ۳۰

سُورَةُ الْكَافِرُونَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ کا نام پہلی آیت میں مذکور الۡکٰفِرُوۡنَ سے ماخوذ ہے۔

یہ سورہ بالاتفاق مکی ہے۔ آیات کی تعداد چھ ہے۔

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ائمہ اہل بیت علیہم السلام میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اس سورۃ کو سوتے وقت پڑھا جائے چونکہ اس میں شرک سے برائت ہے۔

شان نزول کا ذکر تفسیر سورۃ میں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾	۱۔ کہد یجیے: اے کافرو!
لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾	۲۔ میں ان (بتوں) کو نہیں پوجتا ہوں جنہیں تم پوجتے ہو۔

تفسیر آیات

اس سورہ مبارکہ کے سبب نزل کے بارے میں روایت ہے کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک تجویز رکھ دی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں لات وعزی کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔

دوسری روایت میں ہے: ایک سال آپ ہمارے دین میں داخل ہو جائیں اور ایک سال ہم آپ کے دین میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس تجویز کی رد میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

۱۔ قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ: قُلۡ کا خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن یہ حکم ہر مسلم کے لیے ہے کہ وہ کافروں کے معبودوں اور ان کے دین سے برائت کا اظہار کرے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ کوئی آیت کسی قوم کے بارے میں نازل ہوتی ہے تو اس قوم کے ختم ہونے سے آیت کا کلی مضمون اور حکم ختم

نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو سارا قرآن مخاطبین اولین کے ساتھ خاص ہو جاتا۔ آنے والوں کے لیے قرآن کا حکم باقی نہ رہتا۔

۲۔ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ: اس میں وہ سارے معبود آ گئے جن کی ہر زمانے کے مشرکین پوجا کرتے ہیں۔ خواہ وہ معبود انبیاء علیہم السلام ہوں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، خواہ فرشتے ہوں یا چاند سورج اور دیگر بت ہوں۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو معبود مانتے تھے، مشرکین نے اللہ کے معبود ہونے کا انکار نہیں کیا، مَا تَعۡبُدُوۡنَ میں اللہ کی عبادت بھی شامل ہے تو یہ کیسے کہہ دیا: میں ان معبودوں کو نہیں پوجتا جنہیں تم پوجتے ہو؟

جواب یہ ہے: مشرکین اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو بھی شریک کر کے عبادت کرتے تھے۔ وہ اللہ کی عبادت اس لحاظ سے کرتے تھے کہ اللہ معبودوں میں سے ایک معبود ہے۔ دوسرے معبودوں میں اللہ کو بھی شامل کر کے اللہ کی عبادت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ معبودوں میں سے ایک معبود نہیں بلکہ تنہا معبود ہے۔ اللہ کی عبادت اس وقت ہوتی ہے جب صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔ دوسروں کے ساتھ یعنی شرک کے ساتھ عبادت، اللہ کی عبادت نہیں ہے۔ لہٰذا فی الواقع اللّٰه وحده لا شريك ان کے معبود نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ پیدا کرتے ہیں: لفظ مَا کیسے استعمال ہوا جو بے جان چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں مَنۡ استعمال ہونا چاہیے تھا جو عقلاء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں ایسے نظائر بہت زیادہ ہیں کہ عقلاء کے لیے بھی لفظ مَا استعمال ہوا ہے۔

وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾

۳۔ اور نہ ہی تم اس (اللہ) کی بندگی کرتے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔

وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾

۴۔ اور نہ ہی میں ان (بتوں) کی پرستش کرنے والا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔

وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾

۵۔ اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ٪﴿۶﴾ ع ۲۲

۶۔ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

تفسیر آیات

ان آیات میں کافروں کی طرف سے دین کے بارے میں سمجھوتے کی تجویز مسترد کی ہے۔ اس

تجویز کو پرزور الفاظ میں مکرراً مسترد کر کے اس خیال کو ذہنوں سے دور کر دیا کہ توحید کے بارے میں کسی قسم کا سمجھوتہ قابل قبول نہیں ہے۔ قرآن مجید میں بعض مقامات پر آیات تکرار کے ساتھ مذکور ہیں۔ ہر ایک تکرار اپنی جگہ ایک حسن رکھتی ہے۔

پھر ان آیات میں صرف آیت ۳ اور پانچ میں عین الفاظ کی تکرار ہے باقی آیات میں عین الفاظ کے ساتھ تکرار نہیں ہے۔

آیت نمبر۲ میں لَاۤ اَعۡبُدُ، آیت نمبر۴ میں وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ اور آیت نمبر۲ میں مَا تَعۡبُدُوۡنَ ہے۔ آیت نمبر۴ میں مَّا عَبَدۡتُّمۡ ہے۔

یعنی آیت ۲ میں فرمایا: میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا۔ جب کہ آیت ۴ میں فرمایا: میں عبادت کرنے والا ہی نہیں ہوں۔ آیت ۲ میں اس عمل کی نفی کی اور آیت ۴ میں اس عمل کے صادر ہونے کے امکان کی نفی ہے کہ میں کرنے والا نہیں ہوں۔

آیت ۲ میں مَا تَعۡبُدُوۡنَ ہے جب کہ آیت ۴ عَبَدۡتُّمۡ ہے۔ یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو یا کرو گے ان کی اور جن کی عبادت تم کر چکے ہو ان کی میں عبادت نہیں کروں گا۔

روایت میں اس تکرار کی ایک وجہ بیان فرمائی گئی ہے:

تفسیر قمی میں ہے: ابو شاکر (امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کے زندیق) نے ابو جعفر الاحول (مومن طاق) سے پوچھا: سورہ کافرون میں جس نہج پر تکرار ہے اس کا کوئی سمجھدار انسان مرتکب نہیں ہوسکتا۔ ابوجعفر کوئی جواب نہ دے سکے۔ مدینہ آ کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس تکرار کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

> قریش والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کو یہ تجویز دی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں، ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ پھر ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں، ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے جس پر یہ سورۃ قریش کی تکرار کے ساتھ نازل ہوئی۔
>
> ان لوگوں نے کہا: آپ ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کریں گے۔ اس کے جواب میں اللہ نے کہا: قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۔ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۔ میں ان معبودوں کو نہیں پوجتا جنہیں تم پوجتے ہوں۔
>
> ان لوگوں نے کہا: ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ نہ ہی تم اس (اللہ) کی بندگی کرنے والے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔

ان لوگوں نے کہا: پھر ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں گے تو اللہ نے جواب میں فرمایا: وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ نہ ہی میں ان معبودوں کی پرستش کرنے والا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔

ان لوگوں نے کہا: پھر ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا: وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ۔ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ۔ نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس ذات کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین۔

ابو جعفر احول نے ابو شاکر سے یہ جواب بیان کیا تو ابو شاکر نے کہا:

هذا ما حمله الابل من الحجاز۔ یہ وہ بار ہے جو اونٹ حجاز سے لے کر آئے ہیں۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تیری طرف سے نہیں ہے، امام صادق علیہ السلام کی طرف سے ہے۔

۶۔ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے کسی صورت میں ہمارے معبود کی بندگی نہیں کرنی تو تمہارے لیے تمہارا دین ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہارے لیے تمہارا دین ٹھیک ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے دین سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ جب حق کی طرف نہیں آنا ہے تو تم اپنے باطل پر قائم رہو، ہم اپنے حق پر قائم رہتے ہیں۔ لہٰذا لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ کا مطلب مشرکین کے دین کا اعتراف نہیں ہے۔

سُورَةُ النَّصۡرِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سورہ آیہ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ .... سے ماخوذ ہے۔

مروی ہے حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے آباء سلام اللہ علیہم سے روایت کرتے ہیں: سورہ ہائے قرآن میں سب سے پہلے سورۃ اقرأ نازل ہوئی اور سب سے آخر میں سورۃ النصر نازل ہوئی ہے۔ یہ ان روایات سے متصادم نہیں ہے جن میں بعض آیات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ آخری آیت ہے چونکہ اس روایت میں سورۃ کا نہیں آیات کا ذکر ہے۔

اس سورۃ کو سورۃ تودیعؑ یعنی الوداعی سورۃ کہا جاتا ہے۔

ابن عباس کی ایک روایت کے مطابق اس سورۃ کے نزول کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نعیت الی نفسی مجھے اپنی سنائی سنائی گئی ہے۔ یعنی میرے وصال کی خبر دی گئی ہے۔ لہٰذا زیادہ قرین واقع یہ بات ہے کہ یہ سورۃ، فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی جب کہ اکثر مفسرین کا موقف یہ ہے کہ یہ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

مضمون: اس سورہ مبارکہ میں اسلام کی فتح و نصرت کی نوید ہے اور اس فتح و نصرت کا ثمر بھی مذکور ہے کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اس طرح اسلام کے ایک دین کے طور پر روئے زمین پر نافذ ہونے کی خوش خبری ہے۔

فتح و نصرت ملنے پر یہ حکم ہے کہ اس عظیم کامیابی اور اللہ کی اس عظیم عنایت پر اللہ کی تسبیح کیا کریں۔ تسبیح کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے یہ سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصال کی دعوت ہے۔ اس لیے حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اس سورۃ کے نزول کے بعد کثرت سے تسبیح پڑھا کرتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾	۱۔ جب اللہ کی نصرت اور فتح آ جائے،
وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾	۲۔ اور آپ لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیں،
فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ٪﴿۳﴾	۳۔ تو اپنے رب کی ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

بعض روایات کے مطابق یہ قرآن کا آخری سورہ ہے۔ اس صورت میں فتح سے مراد فتح مکہ نہیں ہوسکتی لیکن بعض دیگر روایات میں آیا ہے کہ اس سورہ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو سال زندگی بسر فرمائی جیسا کہ مقاتل کی روایت ہے۔ (مجمع البیان)

اس روایت کے مطابق یہ سورۃ ۹ ہجری کو نازل ہوئی ہے۔ پھر بھی آخری سورۃ نہیں ہے۔ بہرحال روایات اس سلسلے میں بہت متضاد ہیں۔

۱۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ: اس میں لفظ اِذَا مستقبل کے لیے ہے جیسے اردو میں لفظ ''جب'' ہے اور آیت کا ترجمہ بھی یہی ہے: جب اللہ کی نصرت آ جائے اور فتح حاصل ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ فتح نصرت نہیں آئی۔

نیز فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ میں تسبیح و تحمید کا حکم بھی بتلاتا ہے کہ فتح و نصرت ملنے پر تسبیح کرو۔ لہٰذا یا تو یہ سورۃ، فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے یا فتح سے مراد فتح مکہ کے بعد کی فتوحات مثلاً معرکۂ طائف و حنین ہیں جن کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔

بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ نازل ہوئی تو

رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ ؑ کو بلایا اور اپنی وفات کے قریب ہونے کی خبر دی تو فاطمہ ؑ روئیں۔ اس کے تھوڑی دیر بعد حضرت فاطمہ ؑ مسکرائیں۔ بعد میں وجہ پوچھی تو فرمایا: میرے بابا نے پہلے اپنی وفات کی خبر دی میں روئی۔ بعد میں جب فرمایا: اے فاطمہ! آپ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے ملحق ہونے والی ہیں اس پر میں مسکرائی تھی۔ لیکن ترمذی کی روایت کے مطابق رسول خدا ﷺ نے فتح مکہ کے سال میں فاطمہ ؑ کے ساتھ یہ بات کی تھی۔

امامیہ طریق سے صدوق نے ابن عباس سے روایت کی ہے: یہ گفتگو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے بیماری کی حالت میں ہوئی تھی۔

ان روایات کے پیش نظر بعض مفسرین یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ فتح سے مراد فتح مکہ نہیں، فتح مکہ کے بعد کی فتوحات ہیں۔ چنانچہ نویں ہجری میں لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام قبول کرنا شروع کیا۔

۲۔ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ: چنانچہ فتح مکہ کے بعد دو سالوں میں جزیرۃ العرب مشرکین سے پاک ہوگیا۔ لہٰذا النَّاسَ سے مراد جزیرۃ العرب کے لوگ ہیں۔ یہاں کے متعصب ترین لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسلام کے پھیلنے میں رکاوٹ ختم ہوگئی۔

۳۔ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ: یہ آیت اِذَا کا جواب ہے کہ جب نصرت اور فتح آ جائے اور لوگوں کو فوج درفوج اسلام میں داخل ہوتا دیکھ لیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔ اس تسبیح کا حکم، عام حکم تسبیح سے ہٹ کر ہے اور ایک خصوصی حکم ہے۔ بعض اہل نظر روایات کی روشنی میں کہتے ہیں تسبیح کا حکم حضور ﷺ کی زندگی کے آخری ایام پہنچ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا: یہ سوال پیدا نہیں ہوتا حضور ﷺ سے کسی قسم کا گناہ سرزد نہ ہوتے ہوئے استغفار کا حکم کیسے ہوا؟ چونکہ استغفار صرف گناہ کے لیے نہیں ہوتی بلکہ اس احساس بندگی کے تحت استغفار ہوتی ہے کہ بندگی کا حق ادا نہ ہوا۔ چنانچہ خود رسول کریم ﷺ کی حدیث ہے۔

ماعبدناك حق عبادتك و ما عرفناك حق معرفتك۔[1]	ہم نے تیری عبادت اس طرح نہیں کی کہ عبادت کا حق ادا ہو جائے اور نہ ہی تیری معرفت اس طرح حاصل کی کہ معرفت کا حق ادا ہو جائے۔

---

[1] بحار الانوار۔ ۶۸: ۲۳

سُوۡرَةُ الۡمَسَدِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورۃ کا نام سورۃ میں مذکور پہلی آیت کے لفظ تَبَّتْ سے ماخوذ ہے۔ اس سورۃ کو سورۃ مسد بھی کہتے ہیں

یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے اور روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۃ بعثت کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی ہے۔

اس سورۃ کا مضمون بنی ہاشم کے ایک فرد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا، عبد العزی جس کی کنیت ابولہب ہے، پر نفرین ہے۔ بنی ہاشم کا فرد ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب و ایذا میں غیروں سے بھی آگے رہتا تھا۔ اس لیے اسے غیروں سے زیادہ رسوا کیا گیا اور اس پر نفرین اور اس کی مذمت قرآن کا حصہ قرار دے کر دائمی اور ابدی رسوائی کی سزا دی گئی۔

معاویہ نے حضرت عقیل سے ازراہ طنز کہا: آپ کا چچا ابولہب جہنم میں کس جگہ ہے؟ عقیل نے فی البدیہ جواب دیا: اگر تو جہنم میں داخل ہو جائے تو اپنی دائیں طرف دیکھ، وہاں ابولہب کو اپنی چچی ام جمیل... کے ساتھ دیکھ لے گا۔ اذا دخلت النار انظر الی یمنیك تجده مفروشاً عمك ام جمیل۔

ابی بن کعب راوی ہیں: جو اس سورۃ کی تلاوت کرے گا، اللہ اسے اور ابولہب کو ایک گھر میں جمع نہیں کرے گا۔ (مجمع البیان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾	۱۔ ہلاکت میں جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو جائے۔

تشریح کلمات

تَبَّ: (ت ب ب) خسارے یا ہلاکت میں جانا جیسے:

وَمَا زَادُوۡهُمۡ غَيۡرَ تَتۡبِيۡبٍ ○[1] اور انہوں نے تباہی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔

تفسیر آیات

ا۔ ابو لہب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھا۔ اس کا نام عبد العزی بقولے عبد مناف تھا۔ وہ اپنی کنیت ابو لہب سے مشہور ہے۔

ابو لہب رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں ہر مقام پر پیش پیش رہتا تھا، رسول اللہ ﷺ دعوت اسلام کے لیے کہیں تشریف لے جاتے تو یہ ان کے پیچھے جاتا اور لوگوں کو آپ ﷺ کی بات سننے سے روکتا تھا۔ ابو لہب رسول اللہ ﷺ کا قریبی ہمسایہ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو گھر میں بھی چین سے نہیں رہنے دیتا تھا۔ ابو لہب کی بیوی ام جمیل (ابو سفیان کی بہن) رات کو آپ ﷺ کے دروازے پر خار دار جھاڑیاں پھینک دیا کرتی تھی۔

اس سورہ کے نازل ہونے کے چند سال بعد جنگ بدر میں قریش کے اکثر بڑے بڑے سردار قتل ہوئے تو ابولہب کو اس قدر دکھ ہوا کہ سات دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ اسے متعدی قسم کی بیماری لگی تھی۔ اس لیے گھر والوں نے بھی اسے چھوڑ دیا۔ مرنے کے بعد بھی تین دن تک اس کی میت گھر میں پڑی رہی۔ بدبو پھیلنے لگی تو اس کے بیٹوں نے چند حبشیوں کو بلا کر اسے دفنا دیا۔

صرف ابولہب کا نام؟

ابولہب ہی واحد دشمن رسولؐ ہے جس کا نام لے کر قرآن میں ایک سورۃ نازل ہوئی ہے جب کہ دوسرے دشمنوں نے ابولہب سے زیادہ نہیں تو کم دشمنی نہیں کی تھی۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ ابولہب کا تعلق بنی ہاشم کے خاندان سے تھا۔ اس خاندان کے لوگوں سے کوئی ایسا خطرہ نہیں تھا کہ آئندہ برسر اقتدار آ کر قرآن سے اس عار و ننگ کو مٹا دیں گے۔ بنی ہاشم کے لیے عار نہیں بلکہ فخر تھا کہ رسول اللہ ﷺ دین کے بارے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ اپنا سگا چچا کفر کرتا ہے تو اسے برملا دھتکار دیتے ہیں اور اگر کوئی غیر، حبشی غلام ایمان لے آتا ہے تو اسے قربت حاصل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ اگر بنی امیہ کے کسی فرد کی قرآن میں اس طرح مذمت کی جاتی۔ مثلاً اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ۔[2] میں بنی امیہ کے کسی فرد کا نام لیا جاتا تو آئندہ اپنی کی ہزار ماہ کی حکومت میں وہ قرآن کے ساتھ کیا کچھ نہ کرتے۔

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ: میں خسارے یا ہلاکت میں جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ کا مطلب یہ ہے کہ ناکام رہے ابولہب اپنے مقاصد میں۔ چونکہ انسان اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپنا ہاتھوں سے زیادہ

---

[1] ۱۱ھود: ۱۰۱ [2] ۱۰۸ کوثر: ۳

کام لیا کرتا ہے۔ ہاتھ ٹوٹنا، مقصد میں نامراد ہونا کے معنوں میں ہیں۔ چنانچہ چند سال گزرے تھے وہ ذلیل و خوار ہو کر مردار ہو گیا اور اس کے بعد اس کی اولاد اسلام میں داخل ہو گئی۔ اس کی اولاد قرآن کی تلاوت تو کرتی تھی اور اسے اپنے باپ پر لعنت بھیجنا پڑتی، اس سے زیادہ خواری کیا ہوسکتی ہے۔

مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ ؕ﴿۲﴾ ۲۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔

تفسیر آیات

مورخین لکھتے ہیں ابو لہب قریش کے چار مالدار آدمیوں سے ایک تھا اور وہ بخل اور زر پرستی میں مشہور تھا۔ قرآن اس کی دولت کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ اس کی دولت اس کے کسی کام نہ آئی۔

۲۔ وَمَا کَسَبَ: نہ اس کی کمائی اس کے کوئی کام آئی۔ کمائی سے مراد یا تو وہی دولت ہے یا اولاد ہے۔ چنانچہ جب متعدی مرض میں مبتلا ہوا تو نہ مال اس کے کام آیا نہ اولاد۔ یہ نہایت بے کسی میں تنہا اپنے گھر میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ﴿۳﴾ ۳۔ وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں جھلسے گا۔

تفسیر آیات

عنقریب بھڑکتی آگ میں جھلسے گا سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی تھی ابو لہب زندہ تھا۔ نَارًا کا ذکر نکرہ سے کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے ایک خصوصی ہولناک آتش آمادہ تیار کیا ہوا ہے۔ ذَاتَ لَهَبٍ سے اس کی تائید ہوئی ہے۔ یعنی یہ کوئی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۚ﴿۴﴾ ۴۔ اور اس کی بیوی بھی ایندھن اٹھائے پھرنے والی۔

تفسیر آیات

اس کی عورت بھی بھڑکتی آگ میں جھلسنے والی ہے۔

۱۔ یہ عورت ام جمیل، ابو سفیان کی بہن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دشمنی میں ابو لہب سے کم نہ تھی۔

۲۔ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ: اس کا لفظی ترجمہ تو ایندھن اٹھائے پھرنے والی ہے۔ یعنی لکڑیاں ڈھونے والی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عورت رات کو جھاڑیاں لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دروازے پر ڈال دیتی تھی اس

لیے حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ کہا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایک محاورہ ہے جو چغل خوری کرنے اور لوگوں میں فتنہ پھیلانے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ جملہ حالیہ ہے کہ دنیا کی طرح آتش میں بھی اپنی پشت پر خود کو جلانے والا ایندھن اٹھائے ہوئے ہوگی۔

فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۵ ۵۔اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہے۔

تشریح کلمات

جِیۡدِ: (ج ی د) گردن کی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں زیور پہنا جاتا ہے۔

مَّسَدٍ: وہ رسی جو مضبوطی کے ساتھ بٹی ہوئی ہو۔ ایک قول کے مطابق لوہے کی تاروں سے بٹی ہوئی رسی۔

تفسیر آیات

یہ بھی جملہ حالیہ ہے کہ جب یہ عورت جہنم جائے گی تو جس جگہ وہ دنیا میں زیور پہنتی تھی، دوزخ میں اس جگہ مضبوط رسی سے جکڑی ہوئی ہوگی۔

روایت ہے کہ وہ اپنی گردن میں بہت قیمتی ہار پہنتی تھی اور کہتی تھی لات و عزی کی قسم! میں اپنا یہ قیمتی ہار فروخت کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف خرچ کروں گی۔

سُورَۃُ الاخلاص

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ میں توحید خالص کا بیان ہے، اس لیے اس کا نام سُوۡرَۃُ الۡاِخۡلَاصِ ہے۔ اگرچہ روایات متضارب ہیں تاہم صحیح موقف یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔

مضمون: مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا کہ اپنے رب کی تعریف کریں آپ کا رب کون ہے؟ جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ یہ سوال مکہ کے مشرکین نے کیا، مدینہ کے اہل کتاب نے کیا۔ ان میں سے ایک سوال کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ باقی مواقع پر سوال کے جواب میں یہ سورت پڑھ کر سنا دی جاتی۔

اس سورت کا مضمون توحید ہے۔ اس میں توحید باری کے سلسلے میں تمام جوانب کا بیان ہے:

الف: اللہ وہ یکتا ذات ہے جس میں دوہرے کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اس مقصد کو لفظ اَحَدٌ سے بیان فرمایا۔

ب: اللہ کی ذات وہ یکتا موجود ہے جس کے ہاتھ میں کل کائنات کی تدبیر اور نظام ہے۔ اسی لیے کسی مطلب کی برآوری کے لیے صرف اور صرف اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اگر کسی ذات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے تو اس ماذون وسیلہ کے ذریعے رجوع اللہ ہی کی طرف کرنا ہے۔ اس مطلب کو اَللّٰہُ الصَّمَدُ سے بیان کیا گیا ہے جس کے معنی مرجع و مأ وائے کل کے ہیں۔ یعنی کل کائنات اللہ کی محتاج ہے اور اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

٣٣٥

ج: اللہ اس سے پاک و منزہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ تمام کائنات کے ساتھ اللہ کی نسبت عبد و معبود، خالق و مخلوق کی ہے۔ اولاد کی نسبت دینا شان الٰہی میں انتہائی گستاخی ہے۔ یہ گستاخی کتنی بڑی گستاخی ہے اس کا اندازہ سورہ مریم کی آیات ۹۰ ۔ ۹۱ سے ہوتا ہے جن میں فرمایا:

تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡہُ وَ تَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَ تَخِرُّ الۡجِبَالُ ہَدًّا ۙ﴿﴾ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿﴾

قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں۔ اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے فرزند (کی موجودگی) کا الزام لگایا ہے۔

اس مطلب کو لَمۡ یَلِدۡ سے واضح فرمایا۔

د: اللہ تعالیٰ قدیم ہے لہٰذا یہ تصور ممکن نہیں ہے کہ کوئی یہ بچگانہ سوال اٹھائے: ہر چیز کو اللہ نے پیدا کیا۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ چونکہ اللہ کی ذات بذات خود موجود ہے۔ اس کا وجود کسی اور سے نہیں ہے۔ اس مطلب کو وَلَمۡ یُوۡلَدۡ سے بیان فرمایا۔

ھ: اللہ کی ذات وہ یکتا ذات ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں ہو سکتا۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس مطلب کو وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ سے بیان فرمایا۔

فضیلت: سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ اس کے لیے یہ بات کافی ہے کہ احادیث میں اس مختصر مگر جامع سورۃ کو قرآن کے ایک تہائی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

اخلاص و محبت: اس سورۃ المبارکہ کی فضیلت میں یہ بات اہم ہے کہ اس کی کثرت سے تلاوت کرنا اللہ کے ساتھ عشق و محبت کی علامت ہے اور اس شخص کو اللہ کی محبت کی سعادت حاصل ہوتی ہے جو اس سورۃ کی کثرت سے تلاوت کرتا ہے۔

چنانچہ کتاب التوحید میں مذکور ہے: عمرو بن حصین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ایک مہم پر سردار بنا کر بھیجا۔ جب واپس ہوئے تو لوگوں سے پوچھا گیا تو لوگوں نے کہا: سب بخیر ہے۔ صرف یہ کہ علی (علیہ السلام) نے ہمیں ہر نماز قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ کے ساتھ پڑھائی۔ اس پر علی (علیہ السلام) سے پوچھا تو علی (علیہ السلام) نے جواب میں فرمایا: لحبی لقل ھو اللّٰہ۔ قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ سے مجھے محبت ہے اس لیے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

ما احببتھا حتی احبك اللّٰہ۔ جب تک اللہ نے آپ سے محبت نہیں کی آپ نے اس (قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ) سے محبت نہیں کی۔

تھوڑے فرق کے ساتھ یہی روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے منقول ہے مگر اس میں حضرت عائشہ نے حضرت علی علیہ السلام کا نام لیے بغیر حدیث بیان کی ہے اور حضرت علی علیہ السلام کے اسم گرامی کی جگہ "ایک شخص" کہا ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے: اخبروہ ان اللّٰہ تعالیٰ یحبّہ۔ اسے بتا دو اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرتا ہے۔

واضح رہے: آج بھی بہت سے لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کا محبوب خدا ہونا گراں گزرتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — بنام خدائے رحمن رحیم

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ — ۱۔ کہد یجیے: وہ اللہ ایک ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلۡ: کہد یجیے۔ اس کا مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ روایات کے مطابق مشرکین یا علمائے یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ جس یکتا رب کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں اس کا وصف بیان کریں وہ کیسا ہے؟ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

۲۔ ہُوَ: اکثر مفسرین لفظ ہُوَ کو ضمیر شان قرار دیتے ہیں یعنی ہُوَ کا لفظ ''بات یہ ہے''، ''واقعہ اس طرح ہے'' کی جگہ ذکر کرتے ہیں۔

بعض دیگر مفسرین اس کا مرجع اللہ کے بارے میں سوال کرنے والوں کے کلام میں تلاش کرتے ہیں۔ ہُوَ: جس ذات کے بارے تم سوال کرتے ہو وہ اللہ ہے۔

بعض اہل عرفان اس ضمیر کا مرجع انسانی فطرت میں موجود ذات کو قرار دیتے ہیں۔ شاید ان کی نظر اس بات پر ہو کہ اللہ کی ذات اس صفحۂ گیتی میں سب سے عیاں ہے۔ چنانچہ مروی ہے حضرت علی علیہ السلام اللہ کی ذات کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَ اَبۡیَنُ مِمَّا تَرَی الۡعُیُوۡنُ...[1] — تیری ذات ان چیزوں سے بھی واضح تر ہے جن کو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں۔

---

[1] نہج البلاغہ خ ۱۵۵

۳۔ اللّٰہُ: یہ وہ لفظ ہے جس سے ہر ضمیر اور ہر وجدان واقف ہے حتیٰ مشرکین سے بھی جب پوچھا جاتا ہے: بتاؤ! تمہارا خالق، رازق اور آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے تو وہ بھی کہتے ہیں: اللہ ہے۔

اَحَدٌ: یکتا ہے۔ ذات میں یکتا، ربوبیت میں یکتا، خالقیت میں یکتا، رازقیت میں یکتا، ذات و صفات اور افعال میں یکتا ہے۔ تدبیر کائنات میں یکتا ہے۔ ہر اعتبار سے یکتا ہے۔

مفسرین کہتے ہیں احد اور واحد میں فرق ہے۔ واحد اس ایک کو کہتے ہیں جس میں کثرت پائی جائے۔ یعنی واحد کے بعد اثنین، ثلاث، اربع ہو سکتا ہے اور اس ایک کو بھی واحد کہتے ہیں جس میں کثرت کا شائبہ موجود ہے۔ جیسے ایک قوم، ایک قبیلہ، ایک دنیا، ایک عالم مگر اَحَدٌ اس قسم کی کثرت قبول کرنے کی جگہ استعمال نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو جب واحد کہا گیا تو اضافے کے ساتھ کہا گیا ہے: اِلٰہٌ وَّاحِدٌ یا الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ کہا گیا ہے۔ بغیر اضافے کے واحد نہیں، احد کہا گیا ہے۔

لہٰذا احد اسے کہتے ہیں جو کسی اعتبار سے بھی کثرت قبول نہیں کرتا۔

اللہ کی وحدانیت کے بارے میں چار قسم کے توحیدی درجات کے ہم قائل ہیں:

اول۔ توحید ذات: اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا ہے جس میں کسی قسم کی کثرت کا شائبہ نہیں ہے۔ اس کے اجزا نہیں ہیں۔ یعنی وہ مرکب نہیں ہے کہ اجزا کی کثرت ہو جائے۔ اس کی ذات و صفات میں کثرت نہیں ہے کہ ذات اور صفات الگ ہو۔

دوم۔ توحید صفات: اللہ تعالیٰ کے صفات ذات سے جدا کوئی اضافی چیز نہیں ہیں جیسے انسان میں ہے کہ انسان کی ذات ہے اور علم نہیں تھا۔ بعد میں اس میں آگیا لیکن اللہ کی صفات عین ذات ہیں، زائد بر ذات نہیں ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں اللہ عالم ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے اللہ کو علم حاصل ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے اللہ اس ذات کو کہتے ہیں جس کی ذات علم سے عبارت ہے۔ بعنوان مثال: چار جفت ہے، چار ذات ہے، جفت اس کی صفت ہے۔ یہاں ذات و صفت ایک ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ایسے چار کا تصور کریں جو جفت نہ ہو بعد میں اسے جفت کی صفت مل گئی ہو بلکہ چار کہتے ہی اسے ہیں جو بذات خود جفت ہو۔ اسی طرح ہم اللہ کہتے ہی اسے ہیں جو بذات خود عالم ہو۔

مروی ہے حضرت امیر المؤمنین امام الموحدین اس جگہ فرماتے ہیں:

اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُہٗ وَ کَمَالُ مَعْرِفَتِہٖ التَّصْدِیقُ بِہٖ وَکَمَالُ التَّصْدِیقِ بِہٖ تَوْحِیدُہٗ وَکَمَالُ تَوْحِیدِہِ الْاِخْلَاصُ دین کی ابتدا اللہ کی معرفت ہے۔ کمال معرفت اس کی تصدیق ہے۔ کمال تصدیق توحید ہے۔ کمالِ توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمال تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس

لَهُ وَكَمَالُ الْإِخْلَاصِ لَهُ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ لِشَهَادَةِ كُلِّ صِفَةٍ أَنَّهَا غَيْرُ الْمَوْصُوفِ وَشَهَادَةِ كُلِّ مَوْصُوفٍ أَنَّهُ غَيْرُ الصِّفَةِ... ۱؎

سے صفتوں کی نفی کی جائے کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔

اسی لیے قرآن میں کسی جگہ بھی اللہ کے لیے لفظ صفت یا صفات نہیں کہا چونکہ صفت کہنے میں صفت، موصوف دو کا تصور آ سکتا ہے بلکہ قرآن نے ان صفات کو اسماء الحسنی کہا ہے چونکہ اسم اور مسمیٰ دو نہیں ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ... ۲؎

اور زیبا ترین نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس تم اسے انہی (اسمائے حسنٰی) سے پکارو۔

سوم۔ توحید افعال: اللہ تعالیٰ کے افعال میں کسی کی شرکت نہیں ہے۔ وہ خالق ہے تو یکتا، رازق ہے تو یکتا رازق۔ حیات دہندہ ہے تو یکتا، حیات اور موت بھی صرف اسی کے ہاتھ میں۔ یعنی اللہ اپنے افعال میں کاملاً مستقل ہے، کسی کی بھی شرکت نہیں ہے جب کہ غیر خدا کسی کام میں مستقل نہیں ہے، محتاج ہوتا ہے۔ اللہ اپنی ربوبیت میں یکتا ہے، وہ یکتا قانون دہندہ ہے، وہ تدبیر کائنات میں یکتا ہے:

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ ... ۳؎

اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی سلطنت ہے۔

چہارم۔ توحید عبادت: عبادت اور بندگی صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ ہم نے متعدد مقامات پر عبادت کی تعریف کا ذکر کیا ہے۔ یہ تعریف خود قرآن سے ماخوذ ہے۔ عبادت کی تعریف یہ ہے کہ کسی ذات کو خالق یا رب سمجھ کر اس کی تعظیم کی جائے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ ... ۴؎

اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ... ۵؎

یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا اس کی عبادت کرو۔

ان آیات میں فرمایا: اپنے رب، اپنے خالق کی عبادت کرو۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲

۲۔ اللہ بے نیاز ہے۔

۱؎ نہج البلاغۃ خطبہ اول ۲؎ ۷ اعراف: ۱۸۰ ۳؎ ۳۶ یٰس: ۸۳ ۴؎ ۲ بقرۃ: ۲۱ ۵؎ ۶ انعام: ۱۰۲

تفسیر آیات

صمد کے معنی بے نیازی سے کیے جاتے ہیں۔ جو صمد کے اصل معنی کا لازمہ ہے۔ صمد کے اصل لغوی معنی ہیں: مقصود کل، مرجع و ما وائے کل ہیں کہ کائنات اس کی محتاج ہے۔ اس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں کسی کی طرف رجوع نہیں کرتا۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا صمد کیا ہے فرمایا:

السَّیِّدُ الْمَصْمُودُ اِلَیْهِ فِی الْقَلِیلِ وَ الْکَثِیرِ۔[1]	وہ آقا جس کی طرف قلیل و کثیر کے بارے میں رجوع کیا جائے۔

چنانچہ صمد کے لیے توحید لازمی ہے اس کا کوئی شریک نہ ہو تو وہ صمد ہوتا ہے۔

لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۳﴾	۳۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔

تفسیر آیات

۱۔ لَمۡ یَلِدۡ: اس نے کسی کو نہیں جنا۔ اس میں عقیدۂ نصاری مسیح ابن اللہ کی رد ہے اور مشرکین کی بھی رد ہے جو کہتے تھے فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡہُ وَ تَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَ تَخِرُّ الۡجِبَالُ ہَدًّا ﴿ۙ۹۰﴾ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿ۚ۹۱﴾[2]	قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں۔ اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے فرزند (کی موجودگی) کا الزام لگایا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے فرزند ہونے کا الزام کس قدر سنگین ہے۔

۲۔ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ: نہ وہ جنا گیا۔ یعنی وہ کسی کی اولاد نہیں ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے قدیم اور واجب الوجود ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ صرف اللہ کی ذات ہے کہ نہ اس کی اولاد ہے، نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے۔

وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ٪﴿۴﴾	۴۔ اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

---

[1] مجمع البیان ۔ کافی ۱: ۱۲۳ [2] ۱۹ مریم: ۹۱-۹۲

تفسیر آیات

کُفُوًا: نظیر، مثل، مشابہ ہم رتبہ کو کہتے ہیں۔یعنی ذات وصفات میں اللہ کا کوئی ہم رتبہ نہیں ہے۔

لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ... ۱ اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔

نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں، نہ خلق و ایجاد میں، نہ تدبیر کائنات میں۔شاید ذات خدا میں کسی اور کا ہم درجہ ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے، البتہ تدبیر میں ہم درجہ ہونے کے مشرکین قائل ہیں۔

---

۱ ۴۲ شوریٰ:۱۱

سُورَةُ الفَلَق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُوْرَۃُ الْفَلَقِ و سُوْرَۃُ النَّاسِ۔

اکثر کے نزدیک یہ معوذتین مکی ہیں۔

فضیلت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

انزلت علی ایات لم ینزل مثلھن المعوذتان۔[1]	مجھ پر چند آیات ایسی نازل ہوئی ہیں اس طرح کی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں وہ معوذتین ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں سورتوں سے حسنین علیہما السلام کے لیے تعویذ بناتے تھے۔

قرآنی حیثیت: ان دونوں سورتوں کے قرآن کا حصہ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے اور عصر رسولؐ سے لے کر آج تک تواتر سے ثابت ہے یہ قرآن کا حصہ ہیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرماتے تھے جس سے ان دونوں کی قرآنیت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

یہاں ان دو سورتوں کی قرآنیت کے بارے میں ایک سوال پیدا ہوا۔ وہ اس لیے کہ صحیح السند روایات سے یہ بات ثابت اور محقق ہے کہ عبد اللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی ان دو سورتوں کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے۔

چنانچہ یہ بات امام احمد، طبرانی، ابونعیم اور ابن حبان وغیرہم نے متعدد اسناد اور بیشتر صحیح اسناد سے نقل کی ہے جس سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ ابن مسعود کا یہ موقف تھا۔

عبد اللہ بن مسعود کے اس موقف سے قرآن کے تحریف سے محفوظ ہونے کا موقف مخدوش

[1] مجمع البیان ۱۰: ۸۶۵

نہیں ہوتا چونکہ قرآن تواتر سے ثابت ہے۔ اس تواتر میں معوذتین بھی شامل ہیں۔ اس سے جو نظریہ مخدوش ہوتا ہے وہ ہے اصحاب کو بے خطا سمجھنے والا نظریہ اور یہ نظریہ کہ اصحاب کی خطاؤں کی نشاندہی کرنا توہین صحابہ ہے۔

چنانچہ یہاں صحیح موقف یہ ہے کہ عبد اللّٰہ بن مسعود کے موقف سے قرآن کی تحریف سے مصونیت یعنی عدم تحریف کا نظریہ مخدوش نہیں ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبد اللّٰہ بن مسعود سے غلطی سرزد ہوئی اور یہ نظریہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہے۔ چنانچہ ابن مسعود اپنی اس رائے کی سند کے طور پر کوئی حدیث نقل نہیں کرتے۔

چنانچہ اس مسئلہ کے جواب میں صحیح موقف یہی ہے کہ اس موقف کو عبد اللّٰہ بن مسعود کی غلطی تسلیم کیا جائے۔

مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام عبد اللّٰہ بن مسعود کے اسی موقف کے بارے میں سوال ہوا تو جواب میں آپ نے فرمایا: اَخْطَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ ۔[1] ابن مسعود خطا کے مرتکب ہوئے ہیں۔

---

[1] الوسائل ۶: ۱۱۵۔ البرہان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بنام خدائے رحمن رحیم

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ ۱۔ کہد یجیے: میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں،

تفسیر آیات

۱۔ اَعُوۡذُ: پناہ مانگتا ہوں۔ پناہ وہ مانگتا ہے جو خوف محسوس کرتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ جس سے خوف ہے اس سے وہ خود نہیں بچ سکتا۔ اس لیے کسی ایسی ذات کی پناہ میں جاتا ہے جو اسے بچا سکتی ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا: کہد یجیے! میں پناہ مانگتا ہوں الۡفَلَقِ کے رب کی۔ فلق کے لغوی معنی شگافتہ کرنے، پھاڑنے کے ہیں۔ اکثر مفسرین نے اسے صرف صبح پر تطبیق کیا ہے۔ یہ بھی پردۂ شب کو پھاڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی صبح کے لیے خصوصی پر فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ [1] فرمایا۔ وہ صبح کا شگافتہ کرنے والا ہے لیکن یہ الۡفَلَقِ کو صرف صبح کے ساتھ مخصوص کرنے کے لیے قرینہ نہیں بنتا چونکہ اللہ تعالیٰ نے فَالِقُ الۡحَبِّ وَ النَّوٰی [2] بھی کہا ہے۔وہ دانے اور گٹھلی کو شگافتہ کرنے والا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم الۡفَلَقِ سے مطلق شگافتہ کرنا مراد لیں کہ وہ تاریکی کو، دانے کو، گھٹلی کو شگافتہ کرنے والا ہے۔ وہ جانور جو تخم سے، رحم سے نکل آتے ہیں، چشمے زمین کو شگافتہ کر کے نکلتے ہیں اور لاکھوں چیزیں جو عناصر کی ترکیب سے گونا گون پردوں کو چیر کر عرصۂ وجود میں قدم رکھتی ہیں بلکہ کائنات میں جو رونق خلق و ایجاد ہے وہ فلق سے ہے۔

اب پناہ مانگ ایسی ذات کی جو اس بات پر قدرت رکھتی ہے کہ سینۂ ظلمت چیر کر خلق و ایجاد سے اس کائنات کو منور کرتی ہے۔

---

[1] ۶ انعام: ۹۶ [2] ۶ انعام: ۹۵

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾		۲۔ ہر اس چیز کے شر سے جسے اس نے پیدا کیا،

تفسیر آیات

بالکل اَلۡفَلَقِ کی طرح خَلَقَ بھی مطلق ہے۔ اس میں اگرچہ تمام مخلوقات شامل ہیں علی الاطلاق، نہ علی العموم لہٰذا بعض مَاخَلَقَ میں شر آ جاتا ہے، سب میں نہیں، چونکہ مخلوقات میں شر کا پہلو موجود ہوا کرتا ہے۔ یہاں شر اللہ نے خلق نہیں کیا بلکہ اللہ نے جو خلق کیا ہے ان میں موجود شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

انسان کو اللہ نے احسن تقویم میں پیدا کیا ہے مگر کبھی یہ ابلیس سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اس طرح تمام موجودات میں خیر و شر دونوں پہلو موجود ہیں۔

وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾		۳۔ اور اندھیری رات کے شر سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے،

تشریح کلمات

وَقَبَ: (و ق ب) کے اصل معنی چٹان، پتھر وغیرہ میں گڑھا کے ہیں اور وقب کے معنی گڑھے میں داخل ہو کر غائب ہونے کے ہیں۔ اسی سے وقب الظلام تاریکی چھا گئی ہے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

رات کی تاریکی اللہ نے انسان کے سکون کے لیے بنائی لیکن کبھی اس تاریکی سے غلط فائدہ اٹھا کر کچھ لوگ ڈاکے مارتے، حملہ کرتے اور دیگر قسم کے ضرر پہنچاتے ہیں اور ہو سکتا ہے مراد یہ ہو کہ جو پوشیدہ رہ کر انسان پر حملہ کرتے ہیں جیسے جراثیم، سرطان وغیرہ۔ اس صورت میں غَاسِقٍ سے مراد مطلق تاریکی اور پوشیدہ لی جا سکتی ہے۔

وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾		۴۔ اور گرہوں میں پھونکنے والی (جادوگرنی) کے شر سے،

تشریح کلمات

النَّفّٰثٰتِ: (ن ف ث) پھونکنے والیاں۔

اَلْعُقَدِ : (ع ق د) گرہ کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

اور پناہ مانگتا ہوں گرہوں میں پھونکنے والی جادوگرنیوں کے شر سے۔ النَّفّٰثٰتِ، نفاثۃ کی جمع ہے۔ نفاثۃ میں تاء علامۃ کی طرح مبالغہ کے لیے ہے تو پھونکنے والے مرد بھی مراد ہو سکتے ہیں یا النَّفّٰثٰتِ سے مراد جماعۃ یا نفوس بھی ہو سکتے ہیں اس طرح مونث کا صیغہ استعمال ہوا ہو۔

یہ تعبیر جادو کے لیے استعمال کی گئی ہے چونکہ جادوگر کسی تاگے میں گرہ دیتے اور اس میں پھونک مارتے ہیں۔

جادو کا اثر ہوتا ہے۔ اس کے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ اگرچہ جادو کی حقیقت نہیں ہوتی مگر اس سے انسان متاثر ہو جاتا ہے۔ متاثر ہونے کے لیے مبنی بر حقیقت ہونا ضروری نہیں ہے۔ انسان کو تاریکی اور مردہ آدمی سے خوف آتا ہے، صرف واہمے کی وجہ سے۔ ورنہ تاریکی کوئی مضر نہیں ہے اور مردہ آدمی زندہ سے زیادہ بے ضرر ہے لیکن واہمے کی وجہ سے ڈر لگتا ہے۔ اسی طرح جادو سے نظروں کو دھوکہ دیا جاتا ہے تو اس کا اثر انسان پر ہوتا ہے۔ چنانچہ فرعونیوں کا بڑے پیمانے پر جادو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف ہوا کہ کہیں جاہل لوگ دھوکے میں نہ آجائیں۔ لوگ ھاروت و ماروت سے ایسا جادو سیکھ لیتے جس سے وہ مرد اور اس کی زوجہ کے درمیان جدائی ڈالتے تھے۔

واضح رہے کہ جادو کا عمل حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

ع ۲۸ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ۵۔ اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگ جائے۔

تفسیر آیات

حسد انسان میں موجود ایک پست صفت ہے جو نفسیاتی طور پر شکست خوردہ ذہنیت کی علامت ہے۔ شکست بایں معنی کہ وہ کسی شخص کو کامیاب ہوتے نہیں دیکھ سکتا چونکہ خود کامیابی کی اس منزل پر نہیں ہے۔ اس احساس عاجزی و ناتوانی کی وجہ سے اس کی کوشش ہوتی ہے کسی طرح وہ شخص کامیاب نہ ہو۔ اس سے فتنے سر اُٹھاتے ہیں اور نقصانات کے اسباب فراہم ہوتے ہیں۔

اِذَا حَسَدَ : حاسد جب اپنے حسد کے مطابق محسود کے خلاف قدم اٹھاتا ہے تو اس وقت پناہ مانگی جاتی ہے لیکن اگر حاسد دل ہی دل میں جلتا رہے، کوئی ضرر کا قدم نہ اٹھائے تو اس صورت میں شر صرف حاسد

کے لیے ہے کہ وہ بلاوجہ جل رہا ہوتا ہے، محسود کے لیے نہیں ہے۔

حضرامام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

آفَةُ الدِّيْنِ الْحَسَدُ وَالْعُجْبُ وَالْفَخْرُ۔ [1] دین کی آفت حسد خود بینی اور فخر کرنا ہے۔

آپ علیہ السلام سے دوسر روایت منقول ہے:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغْبِطُ وَ لَا يَحْسُدُ وَ الْمُنَافِقُ يَحْسُدُ وَ لَا يَغْبِطُ۔ [2] مؤمن رشک کرتا ہے، حسد نہیں کرتا۔ منافق حسد کرتا ہے، رشک نہیں کرتا۔

[1] الکافی ۲: ۳۰۷۔ تفسیر البرہان [2] الکافی ۲: ۳۰۷ ۔ البرہان

سُورَةُ النَّاسِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾

۱۔ کہدیجیے: میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے پروردگار کی،

مَلِکِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾

۲۔ انسانوں کے بادشاہ کی،

اِلٰہِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾

۳۔ انسانوں کے معبود کی،

تفسیر آیات

یعنی اگر کسی ذات سے پناہ مانگنا ہے تو وہ یا تو مالک ہو یا اس پر اور سب پر اس کا اقتدار ہو یا وہ معبود ہو۔ چونکہ جو رب اور خالق ہے وہی معبود ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کی ذات ہے۔ وہ مالک ہے، وہ بادشاہ، صاحب اقتدار اعلیٰ ہے اور سب کا معبود حقیقی بھی ہے۔

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾

۴۔ پس پردہ رہ کر وسوسہ ڈالنے والے (ابلیس) کے شر سے،

تشریح کلمات

الۡوَسۡوَاسِ: (و س و س) آہستہ آواز کو کہتے ہیں۔ یہ بار بار کسی کے ذہن میں کوئی بری بات ڈالنے کے معنوں میں ہے۔

اَلۡخَنَّاسِ: (خ ن س) خنوس سے ہے جو ظاہر ہونے کے بعد چھپنے یا آگے آنے پھر پیچھے ہٹنے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

اَلۡخَنَّاسِ: شیطان کے وسوسہ سے، جو آگے آتا ہے پھر پیچھے ہٹ جاتا ہے پھر آگے آتا ہے۔ وہ اس انتظار میں کمین گاہ میں بیٹھا ہوتا ہے کہ کسی طرح انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دی جائیں۔ وہ اس تاک میں ہوتا ہے کہ مومن پر خواہشات، غصہ، حسد، جیسی چیزیں اثر انداز ہوں تو وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر انسان کو ورغلائے، اس کی عقل پر پردہ ڈال دے اور اسے توجیہات اور تاویلات میں ڈال دیتا ہے یا آرزوئیں اور امیدیں دلا کر اپنا جال بچھاتا ہے:

وَّلَاُضِلَّنَّھُمۡ وَ لَاُمَنِّیَنَّھُمۡ وَلَاٰمُرَنَّھُمۡ ...[1]	اور میں انہیں ضرور گمراہ کروں گا اور انہیں آرزوؤں میں مبتلا کروں گا اور انہیں حکم دوں گا۔

یہ بات ہم نے بیشتر دیکھی ہے کہ دیانتدار لوگ جب کسی خلاف شریعت کام کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کے جواز کے لیے طرح طرح کی توجیہات کرتے ہیں۔ یہی توجیہات جو انسان کے ذہن میں آتی ہیں وسوسۂ خناس ہیں۔

وَمَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیۡنٌ ۝[2]	اور جو بھی رحمٰن کے ذکر سے پہلوتہی کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہی اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔

اگر وہ شیطان کے جال میں پھنسے تو اللہ اس کے لیے راہیں کھولتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۝[3]	بے شک جو لوگ اہل تقویٰ ہیں انہیں جب کبھی شیطان کی طرف سے کسی خطرے کا احساس ہوتا ہے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں اور انہیں اسی وقت سوجھ آ جاتی ہے۔

حدیث نبوی ہے:

ان الشیطان واضع خطمه علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللّٰہ سبحانه خنس و اذا نسی التقم قلبه فذلك وسواس الخناس۔[4]	شیطان اپنا قدم انسان کے قلب پر رکھتا ہے اگر اس نے اللہ کو یاد کیا تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اگر ذکر خدا بھول گیا تو وہ اس شخص کا قلب نگل لیتا ہے۔ یہی وسوسہ خناس ہے۔

---

[1] ۴ نساء: ۱۱۹	[2] ۴۳ زخرف: ۳۶	[3] ۷ اعراف: ۲۰۱	[4] بحار ۶۰: ۱۹۴

الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ ۵۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے،

تفسیر آیات

یہ الَّذِیۡ خناس کے بارے میں ہے۔ یعنی وہ خناس جو لوگوں کے دلوں میں بری باتیں ڈالتا ہے۔ صُدُوۡرِ سے مراد بعض مفسرین نے نفوس و ارواح لیا ہے جسے ذہن بھی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی انسان کے فکر و شعور میں بری باتیں ڈال دیتا ہے۔

مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪﴿۶﴾ ۶۔ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

تفسیر آیات

مِنَ بیانیہ ہے وسواس خناس کا۔ یعنی انسان اور جنات دونوں میں خناس صفت ہوتے ہیں:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ ...[1]

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے جن و انس کے شیطانوں کو دشمن قرار دیا ہے۔

حدیث نبوی ہے:

ما من مومن الا و لقلبه فی صدره اذنان اذن ینفث فیها الملك و اذن ینفث فیها الوسواس الخناس فیؤید الله المؤمن بالملك و هو قوله سبحانه وَ اَیَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ۔[2]

کوئی ایسا نہیں ہے جس کے سینے میں دل، دو کان نہ ہوں۔ ایک میں فرشتہ پھونکتا ہے اور دوسرے کان میں وسواس خناس پھونکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ مومن کی فرشتے کے ذریعہ تائید کرتا ہے اور اللہ کے فرمان وَ اَیَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ کا یہی مطلب ہے۔

اللّٰھم ایدنا بروحك و احفظنا من شر شیاطین الجن و الانس برحمتك و تمت کلمة ربك صدقاً و عدلاً۔

---

[1] ۶ انعام: ۱۱۲ [2] بحار ۶۰: ۱۹۴

کلمۂ ختام

الحمد للّٰہ الکوثر فی تفسیر القرآن لکھنے کا جو کام میں نے سنہ ۱۹۸۷ء میں شروع کیا تھا وہ چوبیس سال بعد آج پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور اسے حسن اتفاق سمجھ لیجیے یا حسن ختام کا اشارہ کہ اس تفسیر کا کام ماہ مبارک رمضان کی ۲۳ویں شب، شب قدر، شب نزول قرآن سنہ ۱۴۳۲ ہجری بمطابق ۲۴ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو اپنے اختتام کو پہنچا۔

اہل علم سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری غلطیوں سے مجھے آگاہ فرمائیں گے۔ انسان کا کوئی کام لغزشوں اور خامیوں سے مُبرا نہیں رہتا۔ فان العصمة لاهلها۔

کوئی غلطی عمداً نہیں کی۔ بعض احادیث کی نقل میں تسامح ہو سکتا ہے اسے بھی ہم نے اپنے ذمے نہیں لیا بلکہ بذمہ راوی نقل کیا ہے۔ یعنی اس بات کا التزام کیا ہے کہ نقل روایت کے موقع پر رسول اللہؐ یا امامؑ نے فرمایا نہ لکھوں بلکہ اس طرح لکھتا ہوں: ''روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا امام علیہ السلام نے فرمایا۔'' جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

اِذَا حَدَّثْتُمْ بِحَدِيثٍ فَاَسْنِدُوهُ اِلَى الَّذِي حَدَّثَكُمْ فَاِنْ كَانَ حَقّاً فَلَكُمْ وَاِنْ كَانَ كَذِباً فَعَلَيْهِ۔[1]

جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس کی طرف نسبت دو جس نے تم سے حدیث بیان کی ہے۔ اگر سچ ہے تو تمہارا بھلا ہوا ہے۔ اگر جھوٹ ہے تو اس شخص کی گردن پر ہے۔

فضائل اہل بیت علیہم السلام میں مذکور احادیث کے بارے میں بھی اہل علم مجھ سے مواخذہ نہیں کریں گے چونکہ مناقب کے بارے میں ضعیف حدیث بھی اہل علم کے ہاں حجت ہے۔ چنانچہ احمد بن حجر الهيتمی المکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

[1] الکافی ۱: ۵۲

قلت: الذی اطبق علیه ائمتنا الفقهاء والاصولیون والحفاظ: ان الحدیث الضعیف حجة فی المناقب۔

ہمارے فقہاء، اصولیوں اور حافظین حدیث نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ مناقب میں ضعیف حدیث بھی حجت ہے۔

ملاحظہ ہو: تطهیر الجنان صفحہ ۱۳، طبع القاهرة۔

ثم انما الاعمال تخلص بصدق النیّات۔

اس تفسیر کی فارمیٹنگ، طباعت، ترتیب و تدوین کا معیار آپ کے سامنے ہے جو جناب محترم اظہر علی رضوی صاحب دام عزہ کی شب و روز کی محنت شاقہ کا ثمرہ ہے۔ مجھے امید ہے ان کی طرف سے کلام اللہ کی یہ خدمت اللہ کی بارگاہ میں قبول ہے نیز عزیزان خادم حسین اور علی حیدری کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے پوری توجہ سے اس تفسیر کی کمپوزنگ اور تدوین میں محترم سید اظہر علی رضوی صاحب کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین۔

قدتم بحمد اللّٰه و لطفه و حسن توفیقه

تفسیر الکوثر
لکتاب اللّٰہ العلی الاکبر

و کان مسک الختام و نیل المرام مصادفا للیلة الثالثة و العشرین من شهر الصیام شهر ربیع القرآن و فی لیلة القدر لیلة نزول القرآن فی الساعة الثالثة بعد منتصف اللیل من ۱٤۳۲ ھ۔
اسئل المولی سبحانه ان یجعله ذخراً لآخرتی و زاداً لیوم فقری و فاقتی انه سمیع مجیب۔ و الحمد للّٰه الذی بنعمته تتم الصالحات و صلی اللّٰه علی حبیبه محمد و آله الطاهرین۔

محسن علی نجفی
بن العلامة حسین جان تغمده اللّٰه بواسع رحمته
اسلام اباد

فہرست مطالب

سورۃ النبأ

تعارف سورۃ ____ ۹
نبأ عظیم کی تشریح ____ ۱۲
قیامت کے بارے میں ان کو علم ہو جائے گا ____ ۱۳
پہاڑ میخوں کی طرح ہیں ____ ۱۴
نیند کو آرام، رات کو لباس اور دن کو معاش کمانے کا
ذریعہ بنایا ____ ۱۵
بادلوں کے ذریعے زمین کی آبادی کا ذکر ____ ۱۶
صور پھونکنے اور لوگوں کے دوبارہ زندہ
ہونے کا ذکر ____ ۱۷
آسمان کے دروازے کھلنے کا ذکر ____ ۱۸
اہل جہنم کے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا ذکر ____ ۱۹
اہل تقویٰ کی کامیابیوں کا ذکر ____ ۲۲
اہل جنت کی کیا عمر ہوگی؟ ____ ۲۲
قیامت کے دن فرشتوں کا صف بستہ
کھڑے ہونے کا ذکر ____ ۲۴
قیامت کے بعض دیگر حالات کا ذکر ____ ۲۵

سورۃ النازعات

تعارف سورۃ ____ ۲۹
مختلف امور پر مؤکل فرشتوں کا ذکر ____ ۳۰
تدبیر عالم میں اللہ کے کارندے ____ ۳۱
قیامت کی ہولناک حالت کا ذکر ____ ۳۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا
حکم ملتا ہے ____ ۳۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بڑے معجزے
دکھائے لیکن اس نے سب کی تکذیب کی
اور انا ربکم الاعلیٰ کہا ____ ۳۶
آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے
زیادہ عظیم ہے ____ ۳۷
آسمان کے بعد زمین کو ہموار کیا ____ ۳۹
زمین پر پانی اور پہاڑوں کو وجود میں لایا ____ ۴۰
قیامت آنے پر سارا کیا دھرا یاد کرے گا ____ ۴۱
اہل جہنم کا ذکر ____ ۴۲
خوف خدا رکھنے والوں کے لیے جنت
کی بشارت ____ ۴۳
قیامت کے وقت کا تعین صرف اللہ
کے پاس ہے ____ ۴۴

سورۃ عبس

تعارف سورۃ ____ ۴۷
نابینا عبداللہ بن مکتوم کے ساتھ ترش روئی
کا ذکر ____ ۴۸
مراعات یافتہ لوگوں کو قابل توجہ اور خوف خدا
رکھنے والوں نا قابل توجہ نہ سمجھنا ____ ۴۹
قرآن کریم کے فضائل کا ذکر اور قرآن کے حامل
فرشتوں کا ذکر ____ ۵۱
یہ انسان کس قدر ناشکرا ہے۔ اسے نطفہ سے خلق
کیا، ہدایت کا راستہ آسان کر دیا ____ ۵۳
پھر قبر میں اتارا، پھر اللہ چاہیے گا اسے قبر سے
اٹھائے گا۔ اس وقت ندامت ہوگی، پتہ چلے گا
عمل صالح ہی حل تھا ____ ۵۴
انسان کو طعام فراہم کرنے کے مراحل کا ذکر ____ ۵۶
منکرین قیامت اس دن اپنے قریبی ترین
رشتہ داروں کو دیکھ کر بھاگیں گے ____ ۵۸
موالیان علی علیہ السلام اپنی قریبی رشتہ داروں سے
نہیں بھاگیں گے بلکہ ان کی شفاعت

کریں گے ۶۹
مؤمن کے چمکتے چہروں اور کافر کے خاک آلود
چہروں کا ذکر ۷۰

سورۃ التکویر
تعارف سورۃ ۶۵
قیامت کے موقع پر موجودہ نظام کائنات
درہم برہم ہونے کا ذکر ۶۶
وحشی جانوروں کے جمع اور سمندر کے آتشین
ہونے کا ذکر ۶۷
بچیوں کے زندہ درگور کرنے کے بارے میں
سوال کا ذکر ۶۹
قیامت برپا ہونے کے بعد کے بعض حالات
کا ذکر ۷۰
جبرئیل امین کے مقام و منزلت کا ذکر ۷۲
رسول اللہؐ نے جبرئیل کو اپنی کامل شکل میں
افق مبین پر دیکھا ۷۴
اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مقابلے میں کسی کا بس
نہیں چلتا ۷۵

سورۃ الانفطار
تعارف سورۃ ۷۹
قیامت برپا ہونے کا مطلب ایک
کائناتی انقلاب ہے ۸۰
قیامت کی حساب گاہ میں آنے پر انسان کو علم ہوگا
کہ اس نے کیا عمل آگے بھیجا کیا چھوڑ آیا ۸۰
اے انسان تجھے اپنے مہرباں رب کے بارے میں
کس چیز نے دھوکہ دیا ۸۱
انسان شش جہت سے نگرانی میں ہے ۸۳
قیامت کے دن انسان کی بے بسی کا ذکر ۸۵

سورۃ المطففین
تعارف سورۃ ۸۹
ناپ تول میں خیانت عذاب جہنم کا وعدہ ۸۲
تجارت سے پہلے فقہی احکام پر عبور حاصل
کرنے کا حکم ۸۲
بدکاروں کا نامۂ عمل محفوظ اور مقید ہے ۸۳
دلوں کو زنگ لگنے کا بیان ۸۵
نیکی پر فائز لوگوں کا نامۂ عمل علیین میں ہے ۹۶
علیین کی حقیقت ۹۷
جنت میں اللہ کے نیک لوگوں کے لذت
نظارہ کا ذکر ۹۸
اہل جنت کی نعمتوں کا ذکر ۹۹
تسنیم مقربین کا مشروب ۱۰۰
کافر، مجرموں کے مؤمنوں کے استہزاء کا ذکر ۱۰۱
آخرت میں مؤمنین کافروں کا مذاق
اڑائیں گے ۱۰۲

سورۃ الانشقاق
تعارف سورۃ ۱۰۷
آسمان کے پھٹنے کے بارے میں حضرت
علی علیہ السلام کا معجزانہ بیان ۱۰۸
قیامت کے دن زمین کے پھیلنے کا بیان ۱۰۸
انسان اللہ کی بارگاہ حاضری دینے کے لیے سفر
طے کر رہا ہے ۱۰۹
نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں آنے والوں
کی خوش نصیبی کا ذکر ۱۰۹
نامۂ اعمال پشت کی طرف سے ملنے
والوں کا ذکر ۱۱۰

سورۃ البروج
تعارف سورۃ ۱۱۷
اصحاب الاخدود کا قتل عام ۱۱۸
مؤمنین و مؤمنات کو صرف نظریہ کی بنیاد پر
اذیت دینے والے اگر توبہ نہ کریں جہنمی ہیں ۱۲۰
فرعون وثمود کی ہلاکت کی مثال ۱۲۱

قرآن لوح محفوظ میں موجود ہے ۱۲۲

سورۃ الطارق
تعارف سورۃ ۱۲۷
ہر نفس پر ایک نگراں متعین ہے ۱۲۸
انسان کو اپنی خلقت پر نظر کرنے کی دعوت ۱۲۹
اللہ جو ایک بوند سے انسان بناتا ہے وہ اسے
دوبارہ بھی بنا سکتا ہے ۱۳۰
قیامت کے دن رازیں فاش ہو جائیں گے ۱۳۰
اعادۂ حیات کا قرآنی اعلان فیصلہ کن ہے ۱۳۱
مشرکین اپنی چال چلیں، اللہ کی تدبیر آنے پر
یہ ختم ہو جائیں گے ۱۳۲

سورۃ الاعلی
تعارف سورۃ ۱۳۵
اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح کرنے کا حکم ۱۳۶
اس رب کی تسبیح کریں جس نے تخلیق میں توازن
رکھا، تقدیر سازی کی اور بقا و ارتقاء کی ہدایت
ودیعت فرمائی ۱۳۷
اللہ تعالیٰ قرآن تکوینی طور پر رسول کے وجود
پر اتارتا ہے جو قابل فراموشی نہیں ہے ۱۳۷
مشکلوں کو آسان کرنے کی نوید ۱۳۸
آپ ﷺ کی نصیحت خوف خدا رکھنے والوں
پر اثر کرے گی ۱۳۹
فلاح پانے والوں کا ذکر ۱۴۰
لوگ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ حیات
جاودانی ہے ۱۴۱
اس حقیقت کا بیان تمام آسمانی کتابوں
میں موجود ہے ۱۴۱

سورۃ الغاشیۃ
تعارف سورۃ ۱۴۵
قیامت کے دن گمراہ لوگوں کی حالت زار
کا ذکر ۱۴۶
اہل جنت کی نعمتوں اور زندگی کا ذکر ہے ۱۴۷
اونٹ کی خلقت میں تدبیر حیات کا ذکر ۱۴۸
تخلیق و تدبیر میں ربط کا ذکر ۱۴۹
رسولؐ کے ذمے تبلیغ ہے، منوانا نہیں ہے ۱۵۰

سورۃ الفجر
تعارف سورۃ ۱۵۵
مظاہر قدرت کے ساتھ قسم ۱۵۶
قوم عاد کے تمدن کا ذکر ۱۵۷
اِرم کی تشریح ۱۵۸
ثمود اور فرعون کا ذکر ۱۵۸
اللہ تعالیٰ تاک میں ہے ۱۵۸
دولت اور غربت دونوں اللہ کی طرف سے
امتحان ہیں ۱۶۰
اکرام یتیم، اطعام مسکین میں عزت ہے۔ میراث
کا مال سمیٹنے اور مال سے جی بھر کر محبت کرنے
میں ذلت ہے ۱۶۱
جاء ربك کی تاویل ۱۶۳
جہنم کو حاضر کرنے کی توجیہ ۱۶۳
منکر کی حسرت اور اس کے عذاب کا ذکر ۱۶۴
نفس مطمئنہ کی جنت میں خوش آمدیدی
کا ذکر ۱۶۵

سورۃ البلد
تعارف سورۃ ۱۶۹
وانت حل کی تشریح ۱۷۰
انسان جفاکشی سے جی سکتا ہے، یعنی اپنے
جسم میں موجود انرجی خرچ کرنے پر اس
کی زندگی موقوف ہے ۱۷۱
مال کے خرچ پر کف افسوس ملنے والے
کی سرزنش ۱۷۲
اعضائے بدن میں اللہ کی عنایتوں کا ذکر ۱۷۳

انفاق دشوار گزار گھاٹی ہے۔ ان گھاٹیوں
کا ذکر ______ ۱۷۵
ان گھاٹیوں کو عبور کرنے والوں کا ذکر ______ ۱۷۶

سورۃ الشمس
تعارف سورہ ______ ۱۸۱
مظاہر قدرت کی قسم ______ ۱۸۲
اس ذات کی قسم جس نے نفس انسانی کو بدکاری
اور اس سے بچنے کی سمجھ دی ______ ۱۸۳
نفس کو پاک رکھنے میں کامیابی، اسے آلودہ کرنے
میں ناکامی ہے ______ ۱۸۴
قوم ثمود، ناقہ اور عذاب کا ذکر

سورۃ اللیل
تعارف سورۃ ______ ۱۸۹
مظاہر قدرت کی قسم، انسان کا عمل مختلف ہے ___ ۱۹۰
اللہ نیکی اور تقویٰ والوں کے لیے آسانیاں
پیدا فرماتا ہے ______ ۱۹۰
بخیل اور تکذیبی عناصر کو ہم مشکلات سے دو چار
کریں گے ______ ۱۹۱
ہدایت دینا اللہ نے اپنے ذمے لیا ہے ______ ۱۹۳
اہل جہنم شقی اور تکذیبی لوگ ہوں گے ______ ۱۹۴
اہل جنت وہ ہوگا جو بہتر متقی ہوگا اور صرف برائے
رضائے خدا انفاق کرنے والا ہوگا ______ ۱۹۵

سورۃ الضحیٰ
تعارف سورۃ ______ ۱۹۹
نزول وحی میں وقفے کا ذکر ______ ۲۰۰
رسولؐ کے راضی ہونے تک عطائے الٰہی
فراہم ہوگی ______ ۲۰۱
یتیمی میں پناہ فراہم کرنے، گمنامی میں راستہ
دکھانے، تنگ دستی میں مالدار بنانے کا ذکر ______ ۲۰۳
یتیم کی توہین نہ کرنے، سائل کو جھڑکی نہ دینے
کا حکم ______ ۲۰۴
اپنی رسالت کے اعلان کا حکم ______ ۲۰۵

سورۃ الانشراح
تعارف سورۃ ______ ۲۰۹
رسولؐ کے لیے شرح صدر کا ذکر ______ ۲۰۹
کمر توڑ مشکلات کو دور کرنے کا ذکر اور رسولؐ
کو بلند کرنے کا ذکر ______ ۲۱۰
مشکلات کے ساتھ ساتھ آسانی ہوتی ہے ______ ۲۱۱
تبلیغ سے فراغت کے بعد نصب ولایت کا حکم ___ ۲۱۲

سورۃ التین
تعارف سورۃ ______ ۲۱۵
انسان کو احسن تقدیم میں خلق کرنے کا ذکر ______ ۲۱۶
انسان کے اسفل سافلین میں گرنے کا ذکر ___ ۲۱۷

سورۃ العلق
تعارف سورۃ ______ ۲۲۱
نزول وحی کی ابتدا ______ ۲۲۲
ابتداء وحی کے عناوین، بنام خدا پڑھنا
خلق، تعلیم، قلم ______ ۲۲۲
قلم کے ذریعہ ہونے تعلیم کا ذکر ______ ۲۲۳
قلم پر حدیث لکھنے کی پابندی کا ذکر ______ ۲۲۴
دولت کی فراوانی سے انسان سرکش ہو
جاتا ہے ______ ۲۲۵
رسول اللہ ﷺ سے نماز کی حالت میں گستاخی
کرنے کا ذکر ______ ۲۲۵
اس گستاخی کی سرزنش اور اس کے عذاب کا ذکر ___ ۲۲۷

سورۃ القدر
تعارف سورۃ ______ ۲۳۱
نزول قرآن تدریجاً یا دفعۃً؟ ______ ۲۳۲
شب قدر تقدیر ساز رات ______ ۲۳۳

شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے ___ ۲۳۴
شب قدر کی فضیلت ___ ۲۳۵
شب قدر میں ملائکہ اور روح ہر امر لے کر نازل ہوتے ہیں ___ ۲۳۶
شب قدر کا تعین ___ ۲۳۷
شب قدر کو فرشتے کس پر نازل ہوتے ہیں ___ ۲۳۸

سورۃ البنیۃ
تعارف سورۃ ___ ۲۴۳
اہل کتاب اور مشرکین واضح دلیل آنے تک ایمان نہیں لائیں گے ___ ۲۴۳
شر البریہ، مخلوقات میں سب سے بدتر لوگوں کی نشاندہی ___ ۲۴۵
خیر البریۃ کے مقام کا ذکر ___ ۲۴۷

سورۃ زلزال
تعارف سورۃ ___ ۲۵۱
قیامت کے زلزلے کا ذکر ___ ۲۵۲
قیامت کے دن زمین، انسانی اعمال کی گواہی دے گی ___ ۳۵۳
اس دن لوگوں کو ان کے اپنے اعمال دکھائے جائیں گے ___ ۲۵۴
جس نے زرہ برابر نیکی اور برائی کی ہے وہ نظر آ جائے گی ___ ۲۵۵

سورۃ العادیات
تعارف سورۃ ___ ۲۵۹
حربی گھوڑوں کی مختلف حالات کی قسم کا ذکر ___ ۲۶۰
انسان ناشکرا، دولت پرست ثابت ہوا ___ ۲۶۲

سورۃ القارعۃ
تعارف سورۃ ___ ۲۶۷
قیامت کے دن اس کائنات کی دگرگونی کا ذکر ___ ۲۶۸
اعمال کا پلہ بھاری ہونے والوں اور ہلکا ہونے والوں کا ذکر ___ ۲۶۹

سورۃ التکاثر
تعارف سورۃ ___ ۲۷۳
مال و اولاد کی کثرت پر فخر کرنے نے انسان کو اصل مقصد سے غافل کرنے کا ذکر ___ ۲۷۴
اصل مقصد زندگی کا علم بعد از مرگ ہونے کا ذکر ___ ۲۷۴
یقین کے آخری مرحلے میں اس وقت داخل ہو جاؤ گے جب تم جہنم کی آگ بچشم خود دیکھ لوگے ۲۷۵
یقین کی اقسام کا ذکر ___ ۲۷۶
قیامت کے دن نعمتوں سے سوال ہوگا ___ ۲۷۶

سورۃ العصر
تعارف سورۃ ___
انسان ہر آن خسارے میں ہے ___ ۲۷۹
ان لوگوں کا ذکر جو خسارے میں نہیں ہیں وہ ایمان، عمل صالح، حق کی تلقین اور صبر کی تلقین ہے ___ ۲۸۱

سورۃ الھمزہ
تعارف سورۃ ___ ۲۸۵
مال جمع کرنے اور اس کے شمار کرنے میں مگن رہنے والوں کی مذمت ___ ۲۸۵
طعنہ دینے اور عیب گوئی کرنے والے کی مذمت ___ ۲۸۵
اس طعنہ گو کا مال اسے جہنم کی آگ سے نہیں بچائے گا ___ ۲۸۶

سورۃ الفیل
تعارف سورۃ ___ ۲۹۱
بادشاہ یمن کا واقعہ ___ ۲۹۱

سنہ ۵۷۰ عیسوی میں ابرھہ کا کعبہ منہدم کرنے کا
ناکام ارادہ ۲۹۲
پرندوں کے دستے کے ابرھہ کے لشکر پر پتھر
برسانے کا ذکر ۲۹۳

سورۃ القریش
تعارف سورۃ ۲۹۷
قریش کی تجارت کا ذکر ۲۹۸
لایلاف میں لام کی تشریح ۲۹۸
قریش کو بھوک اور خوف سے نجات
دینے کا ذکر ۲۹۸

سورۃ الماعون
تعارف سورۃ ۳۰۳
منکرین معاد یتیم کی اہانت اور مسکین کی مدد نہ
کرنے والوں کی مذمت ۳۰۴
نماز سے غافل رہنے اور دکھاوے کی نماز
پڑھنے والوں کی مذمت ۳۰۵
ہمسایوں کو ضرورت کی چھوٹی چیزیں عاریۃً
نہ دینے والوں کی مذمت ۳۰۵

سورۃ الکوثر
تعارف سورۃ ۳۰۹
اس سورۃ کا شان نزول ۳۰۹
لفظ الکوثر کی تشریح ۳۱۰
کوثر کا مصداق ۳۱۱
انا اعطیناك کی تشریح ۳۱۳
وانحر کی تشریح ۳۱۴

سورۃ النصر
تعارف سورۃ ۳۲۳
اس سورۃ کا زمان نزول ۳۲۵
لوگوں کے دین خدا میں جوق در جوق داخل
ہونے کی خوشخبری ۳۲۶

سورۃ المسد
تعارف سورۃ ۳۲۹
ابولہب کون تھا؟ ۳۳۰
دشمنوں میں صرف ابولہب کا نام کیوں؟ ۳۳۰
ابولہب مالدار تھا، مال اس کے کام نہ آیا ۳۳۱
ابولہب اور اس کی زوجہ جہنمی ہیں ۳۳۱

سورۃ الاخلاص
تعارف سورۃ ۳۳۵
سورۃ کی فضیلت ۳۳۶
ھو (ضمیر) کی تشریح ۳۳۷
احد کی تشریح اور چار توحیدی موقف کا بیان ۳۳۸
توحید ذات اور توحید صفات کا بیان ۳۳۸
توحید افعال اور توحید عبادت کا بیان ۳۴۰
اللہ کی بے نیازی کا بیان ۳۴۰

سورۃ الفلق
تعارف سورۃ ۳۴۵
معوذتین کی قرآنی حیثیت ۳۴۵
فلق کی تشریح ۳۴۷
بعض مخلوقات میں موجود شر سے پناہ کا ذکر ۳۴۸
جادو سے پناہ کا ذکر ۳۴۹
حاسد کے شر سے پناہ کا ذکر ۳۴۹

سورۃ الناس
ابلیس کے وسوسے سے پناہ کا ذکر ۳۵۳
خناس کے وسوسوں کا ذکر ۳۵۴